پیامِ تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
۱۹۶۱

شعبہ نجاری

جہاں جامعہ کے لڑکے لکڑی کا کام سیکھتے ہیں

تربیت گاہ خاکسار منزل

جہاں جامعہ کے چھوٹے بچے رہتے ہیں اور یہ انکے سونے کا کمرہ ہے

چرخہ کلاس

جہاں بچے چرخہ اور تکلی سیکھتے ہیں
داہنی جانب جناب شیخ الجامعہ کھڑے تکلی کات رہے ہیں

ڈرائنگ کلاس

جسکی تمام تصویریں خرد طلبا کے ہاتھ کی بنائی ہوئی ہیں

پیام تعلیم

جلد ۱	۷ر نومبر سنہ ۱۹۳۰ عیسوی	نمبر ۱

بچوں اور عورتوں کا مسئلہ

(از ایڈیٹر)

آیرلینڈ ایک مشہور شاعر، ماہر تعلیم اور مستشرق ڈاکٹر کزنس نامی نے "ہندوستان کے نوجوان اور تمدنی بیداری" پر نیویارک (امریکہ) کی ایک مجلس میں ایک لکچر دیا ہے جس میں انھوں نے بچوں اور عورتوں کے مسئلہ پر خاص توجہ دلائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام آبادی میں جس قدر بچے اور عورتیں ہیں یہ دونوں جماعتیں کس مپرسی کی حالت میں ہیں، شاید اچھوت جماعت بھی اسقدر نہ ہوگی۔ یہ دونوں آپس میں اسقدر لازم و ملزوم ہیں کہ ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیجا سکتی۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا بہت بڑا دارومدار اچھی ماؤں پر ہے اور اچھی مائیں اسوقت تک نہیں ہو سکتی ہیں جبتک بچے بڑے ہوکر انکی صحیح تعلیم و اصلاح کا انتظام نہ کریں۔

ہندوستان میں ایک تو تعلیم کی یونہی کمی ہے اور دیسی تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد بھی یہاں ۱۲ فیصدی سے زیادہ نہیں ہے۔ پھر بھی ان میں اچھی تعلیم کا اور بھی کال ہے۔ بچوں کے لئے بہت کم درسگاہیں ایسی ہیں جہاں ان کی صحیح حالت کا اندازہ کرکے اور انکی اصل ضروریات کا خیال ملحوظ رکھکر تعلیم کا انتظام ہو۔ ہمارے بڑے بڑے ارباب فکر جہاں چھوٹے سے چھوٹے مسایل پر توجہ رکھتے ہیں، وہاں یہ سب سے بڑے مسئلہ پر اپنی توجہ اور فکر کا دسواں حصہ بھی صرف نہیں کرتے ہمارے ہاں ہر چیز موضوع فکر اور بحث ہوتی ہے لیکن اگر کبھی اظہار خیال نہیں ہوتا ہے تو وہ بچوں کے مسئلہ پر۔ یہ غریب جماعت ایسی بے پروائی اور بے توجہی کا شکار ہے گویا ملک کی آبادی میں اس کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ یہ حقیقت میں باپ ماں کے ہوتے ہوئے بن باپ ماں کے رہتے ہیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنا دینا اور عمدہ عمدہ چیزیں بازار سے لادینا (یہ بھی کتنے فیصدی بچوں کو نصیب ہوتی ہوگی!) انکی صحیح توجہ اور اصل فکر کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔

دنیا کے دیگر ممالک میں بچوں کا مسئلہ زندگی کے اہم ترین مسائل میں سے سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں آئندہ نسلوں کی فلاح و بہبود کا تمام تر دارومدار اسی نئی پود پر ہوتا بھی ہے۔ ارباب فکر اپنے دائرۂ علمی میں، معلمین اپنے حلقۂ تعلیم میں، اطبا اپنے دارالعلاج میں، غرض ہر ایک جماعت اپنے اپنے طور پر اس مسئلہ کے متعلق غور و فکر کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام روز بروز بہتر ہوتا جارہا ہے۔ اور ان قوموں کی ایک نسل گزرجانے کے بعد جب دوسری آتی ہے، تو وہ پہلے سے بہتر اور اس سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ قرنہا قرن گزرتے چلے جاتے ہیں لیکن لوگ ہیں کہ ایک پشت کے گزرجانے کے بعد دوسری پشت اور دوسری کے بعد تیسری اور اسی طرح پشتہا پشت سے ایک ہی حالت پر چلے آرہے ہیں۔

یہ صرف اس دور کی ایک خصوصیت ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کی جماعت میں بھی ایک حرکت سی پیدا ہو رہی ہے۔ ہندوستان کی صدیوں کی گذشتہ تاریخ میں صرف یہی ایک زمانہ ایسا نظر آتا ہے جس میں ملک کی نئی پود نے بھی اپنی زندگی اور قوت کا کچھ نہ کچھ اظہار کیا ہو۔ ہندوستان میں خواہ کیسے ہی انقلابات اور تغیرات ہوے ہوں، لیکن یہ طبقہ ہمیشہ بے اثر اور بے تعلق رہا ہے۔ تمام تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جبکہ بحیثیت جماعت کے اس طبقے نے اپنے وجود اور زندگی کا ثبوت دیا ہو۔ لیکن اس میں بھی ملک کی ایک بڑی جماعت جسے ہم "مسلمان" کہتے ہیں، اسکے نوجوان طبقہ نے اپنی بیداری اور احساس کا

کوئی ثبوت نہیں دیا ہے اور شاید ابھی ایک نسل کا اور انتظار ہے۔ لیکن یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان نوجوانوں کے اس انتظار میں پوری جماعت اپنی ترقی کے لئے ایک نسل کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اور اس طرح اغلباً اپنی ہمسایہ اور ہمدوش جماعتوں سے اس دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہوگا۔

دوسرا مسئلہ عورتوں کا ہے جو اس سے کچھ اہم نہیں ہے۔ بچوں کی طرح عورتیں بھی ہندوستان کی آبادی میں ایک ناقابل اعتنا اور پس پشت ڈالا ہوا عنصر رہا ہے۔ یہ علیحدہ سوال ہے کہ عورتوں کو پردہ سے باہر آنا چاہیے یا پردہ کے اندر ہی رہنا چاہیے۔ اس سوال کے بغیر اٹھائے بھی انکی تعلیم و اصلاح کا مسئلہ ایک حد تک حل ہو سکتا تھا لیکن بچوں کی طرح انکی تعلیم کا بھی آج کوئی معقول نظام نہیں ہے اور جسطرح بچوں کے مسائل کے متعلق ہندوستان میں کبھی غور و فکر نہیں کیا جاتا اسطرح عورتوں کے مسئلہ کو چھیڑنا بھی ایک گناہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔

ایک طرح سے اگر دیکھئے تو ان کا مسئلہ بچوں کے مسئلہ سے بھی زیادہ اہم اور اولین توجہ کا محتاج ہے: بچوں کے معاملہ میں تو نتیجے سے مستفید ہونے کے لئے قوم کو ایک نسل کے انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن عورتوں کے مسئلہ میں تو نتائج ایک ہی نسل کے اندر اور اسی زمانہ میں نظر آنے لگتے ہیں۔ عورت نہ صرف انفرادی حیثیت سے "نصف اعلیٰ" ہے بلکہ قومی و اجتماعی نقطۂ خیال سے بھی وجود قومی کا نصف جزو ہے۔ اس قوم کی ترقی نامکمل ترقی ہے جس میں عورت کا حصہ نہ ہو۔ عورت نہ صرف خانگی امور میں مرد کی شریک کار اور دست راست ہے بلکہ قومی زندگی میں بھی وہ برابر کی شریک ہے۔ اس حیثیت سے ملکی ترقی کی گاڑی اگر تنہا مرد کی قوت سے چل رہی ہے تو وہ گاڑی سست رفتار رہیگی اگر عورت اسکی امداد میں شریک نہیں ہے۔ دنیا کے جن ملکوں میں ان ہر دو اصناف نے دوش بدوش ہوکر اس ترقی کی گاڑی کو کھینچا ہے وہ قومیں آج کہاں سے کہاں پہونچ گئی ہیں۔

اس قومی تحریک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ قوم کو بیدار کرنے میں جہاں نوجوانوں نے اپنے جوش اور سرگرمی سے کام لیا ہے وہاں عورتوں نے اپنے صبر و تحمل اور پامردی سے بھی بہت امداد پہنچائی ہے۔ ہندوستان نے کبھی بھی اس سے پیشتر اپنی دیویوں اور خواتین کو اس ایثار و قربانی کا ثبوت دیتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ افراد کی مثالیں تاریخ ممکن ہے پیش کر دے لیکن جماعت کی جماعت اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بحیثیت مجموعی اس طبقہ نے جس شرافت، بہادری، ہمت کا ثبوت دیا ہے وہ نہ صرف تاریخ ہند کی ایک نظیر مثال ہے بلکہ ہماری امیدوں سے بھی کہیں بالاتر ہے۔ انھوں نے ایسے ایسے میدانوں میں قدم جمائے رکھے ہیں جہاں اچھے اچھے مردوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے ہیں۔

لیکن یہ صف بھی ہماری مسلم خواتین سے خالی نظر آتی ہے: بچوں کی طرح ہمارے لئے یہ مسئلہ بھی کچھ کم قابل غور نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اگر ہم نے غفلت سے کام لیا تو نوجوانوں کے معاملہ کیطرح ہمیں نہ صرف دو نسل کا انتظار کرنا پڑے بلکہ مدتوں تک ہم حالت انتظار ہی میں رہیں اور یہ کیا معلوم کہ گرد و پیش کے حالات اس انتظار اور عدم حرکت کے باعث ہمیں ایسے نقصانات پہونچائیں جنکی تلافی مشکل ہو جائے۔ غرض یہ دو مسائل مسلمانوں کے لئے خاص توجہ کے محتاج ہیں اور جس قدر جلد ہم ان کیطرف متوجہ ہوں اسقدر ہم اپنے کو تباہی سے دور اور ترقی سے قریب کر سکینگے۔

ادارتی تبدیلی

جولائی سنہ سے جناب سعید انصاری صاحب مدیر "پیام تعلیم" جدید طریقۂ تعلیم سیکھنے کیلئے شانتی نکیتن (بنگال) چلے گئے ہیں۔ اسوقت سے بلکہ جون ہی سے جب کہ گرمی کی چھٹیاں شروع ہوئیں "پیام تعلیم" کی ادارت کا کام جناب سید نصیر احمد صاحب انجام دیتے رہے ہیں۔ نومبر سے چونکہ نئی جلد شروع ہو رہی ہے یہ طے پایا ہے کہ سید نصیر احمد صاحب نہ صرف قائم مقام مدیر کی حیثیت سے کام کریں بلکہ "پیام تعلیم" کے مدیر معاون کی حیثیت سے اسکے ادارتی فرائض انجام دیں۔

امید ہے کہ نصیر صاحب پرچہ کو زیادہ سے زیادہ مفید اور دلچسپ بنانے میں اپنی محنت اور فرصت سے دریغ نہ کرینگے۔ اور "پیام تعلیم" آپ کے ہاتھ میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرے گا۔

منیجر

(بقیہ مضمون صفحہ ۸) اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ والدین کی رضامندی شریعت میں یہانتک مطلوب ہے کہ اگر وہ اپنے بچے سے اسکی پیاری بیوی کو کسی معقول وجہ سے علیحدہ کرنا چاہیں تو بچہ کو اسکے علیحدہ کرنے میں کچھ عذر نہیں کرنا چاہیے۔

انس بن مالک رض سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلعم نے جسکو یہ پسند ہو کہ اسکی عمر میں درازی ہو اور رزق میں فراخی ہو تو نیکی کرے اپنے والدین سے (ترغیب)

اس حدیث نے بتلایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا ثمرہ دنیا میں ہاتھوں ہاتھ ملتا ہے اور عمر و رزق میں زیادتی ہوتی ہے تو بھائیو جسکو دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی کی ضرورت ہو وہ والدین کی رضا جوئی کرے اور اسی کو اپنی سعادت سمجھے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

کوائفِ جامعہ

۳۰ر اکتوبر کی شام کو "بزم ادب" تربیت گاہ بشیر منزل (طلبائے مدرسہ کے بڑے لڑکوں کی انجمن) کی تقریب مسند نشینی ادا ہوئی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب جلسہ کے صدر تھے۔ تلاوت کلام مجید کے بعد جناب حافظ فیاض احمد صاحب نے بزم کے جدید قائم شدہ عجائب خانہ کا افتتاح کیا اور اس سلسلہ میں اس سے متعلق طلبا کو کچھ ہدایتیں بھی فرمائیں۔ اس کے بعد جناب حامد علی خانصاحب نے بزم کے کتب خانہ کا باضابطہ افتتاح کیا اور آپ نے بھی اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد گزشتہ نائب بزم نے اپنی روئداد سنائی جو حاضرین میں بہت پسند کی گئی پھر جدید منتخب شدہ نائب صدر نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا اور اس موقع پر لڑکوں نے انھیں اور ان کے دوسرے رفقا کو ہار پہنائے اور ان پر پھولوں کی بارش کی۔ خطبہ صدارت کے بعد جدید منتخب شدہ نائب صدر نے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور اخیر میں جناب صدر نے چند دلچسپ فقرے فرما کر جلسہ کو اس خوش خبری کے ساتھ ختم کیا کہ حاضرین کو اس کے بعد شیرینی تقسیم کی جائیگی۔

جدید منتخب شدہ عہدیداران و اراکین کے نام یہ ہیں۔

نائب صدر — محمد یوسف
ناظم — مسعود اختر
نائب ناظم — حسن سبحانی
مہتمم کتب خانہ — عرفان الحق
نائب مہتمم — محمد عرفان انصاری
مہتمم عجائب خانہ — محمد اسحاق
اراکین ار ابو سہیل ، محمد صالح۔

جناب حافظ فیاض احمد صاحب جو کچھ عرصہ سے جامعہ سے علیحدہ ہو کر کانگریس کے کام میں شریک ہو گئے تھے، مسز زیدی صاحبہ کی گرفتاری پر دہلی کے ڈکٹیٹر مقرر ہوئے ہیں اس عرصہ میں حافظ صاحب نے قرولباغ میں خاموشی کے ساتھ نہایت مفید کام کئے ہیں اور شہر میں کئی ایک نہایت اچھی اور سنجیدہ تقریریں کیں آپ کی یہ خاموشی اور سنجیدگی بھی حکومت کو گوارا نہ ہوئی اور آپ ۲ر نومبر کی شام کو کانگریس کمیٹی کے دفتر سے گرفتار کر لئے گئے۔ ہم حافظ صاحب کے اس اعزاز پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔

جناب کریم اللہ صاحب جو اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ جانے کی تیاری میں مکان چلے گئے ہیں اور جناب حافظ صاحب کے جامعہ سے علیحدہ ہو جانے کی وجہ سے جو گھنٹے خالی ہو گئے تھے، ان کا مناسب انتظام ہو گیا ہے۔ رفعت حسین صاحب جو طبی کالج کے شعبہ کیمیا میں کام کرتے ہیں، ثانوی اول، دوم، سوم کی سائنس پڑھایا کریں گے۔

جامعہ کے شفیق استاد اور مخلص کارکن جناب حافظ فیاض احمد صاحب کی گرفتاری پر مبارکباد دینے کے لئے "انجمن اتحاد" (طلبائے کالج کی انجمن) کا ایک جلسہ "گلشن منزل" میں منعقدہ ہوا جس میں حافظ صاحب اس ایثار و قربانی پر تہنیت و مبارکباد دی گئی۔

دوسرا جلسہ تربیت گاہ "بشیر منزل" میں "بزم ادب" (طلبائے مدرسہ کی انجمن) کے ماتحت ہوا جس میں حافظ کے عزیز شاگردوں نے اپنا شفیق استاد کے خلوص عمل اور ایثار نفسی پر متعدد تقریریں کیں اور اپنے محترم استاد کے اِس طرز عمل کو اپنے لئے خدمت ملک و قوم کا ایک بہترین سبق قرار دیا۔

حلقۂ پیامِ تعلیم

"پیام تعلیم" صرف ایک اخبار یا رسالہ ہی نہیں ہے جس کا کام محض تعلیمی خبریں اور مضامین شایع کر دینا ہو بلکہ یہ ایک تعلیمی برادری قایم کرنا چاہتا ہے۔ جو نوعمر اور نوجوان بھائی بہنوں پر مشتمل ہو اور اس حیثیت سے یہ اپنا تعلیم کا پیام ان تک مختلف طریقوں اور جلسوں سے پہونچانا چاہتا ہے۔ اور انھیں ایک حلقہ کے اندر لانے کے لیے جو مختلف صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں۔ وہ سب اختیار کرنا چاہتا ہے۔ جس میں بچے اور بچوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے اچھی اچھی کتابیں شایع ہوں۔

اسی طرح یہ اپنا مطبع بھی رکھنا چاہتا ہے۔ جہاں نہ صرف اس رسالہ ان کتابوں کی طباعت کا بھی انتظام ہو۔ یہ صورتیں جوں جوں آسانیاں اور مواقع ملتے جائینگے عمل میں آتی جائینگی۔ سردست ہم "پیام تعلیم" کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کا ایک ایسا حلقہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو ان مقاصد اور قوانین کی تکمیل و تعمیل کرتا ہو۔ اس کے متعلق مزید باتیں بعد میں شایع ہوتی رہیں گی۔

مقاصد

۱۔ اراکین میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنا۔
۲۔ مضامین شایع کر کے اراکین کی ہمت افزائی کرنا۔
۳۔ معمے شایع کرنا اور انعامات دینا۔ (اراکین سے معموں کے حل کی فیس داخلہ نہیں لی جائے گی)
۴۔ اس "حلقہ" کی سب سے زیادہ خدمت کرنے والے، بہت اچھا کام کرنے والے۔ یا سال بھر میں سب سے زیادہ مضامین لکھنے والے کی تصویر شایع کرنا اور انعام دینا۔
۵۔ اراکین کی باتوں اور سوالات کے جوابات دینا۔

قوانین

۱۔ پیام تعلیم کا ہر ایک خریدار جسکی عمر سولہ سال تک کی ہو اور جو ایک آنہ ماہوار دے اس کا رکن سمجھا جائے گا۔
۲۔ پیام تعلیم کا کم از کم ایک صفحہ اس حلقہ کی خبروں اور حالات کے لئے وقف رہے گا۔

تمام خط و کتابت اس پتہ سے ہونی چاہیے۔

مدیر معاون رسالہ پیام تعلیم جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قرولباغ۔ دہلی

شیخ محمد عبدہٗ

(جناب غلام سرور صاحب مقیم مصر)

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس اخبار کا مقصد مسلمانوں کے جمود و تعصب اور سیاسی اور دماغی غلامی سے آزاد کرنا تھا اس میں ہر موضوع پر مضامین ہوتے تھے مضامین کا پایہ اس قدر بلند تھا کہ آج یہہ مجلدات کتابی صورت میں عربی طلبہ کے زیر مطالعہ رہتے ہیں۔ بدقسمتی سے یہہ سلسلہ بھی زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا اور مجبوراً اخبار بند کرنا پڑا۔

کچھ مدت گذرنے کے بعد توفیق خدیو نے شیخ موصوف کو مصر میں آنے کی اجازت دے دی۔ واپسی کے بعد محکمہ اپیل میں جج مقرر ہوئے اور وقتاً فوقتاً حکومت کے مختلف عہدوں پر فائز رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے۔ اسکے ساتھ ساتھ آپ ازہر میں درس بھی دیتے تھے۔ آخری زمانہ میں آپ کو مفتی اعظم کی جلیل القدر خدمت سپرد کی گئی۔ آپنے پوری تندہی سے ان خدمات کو ادا کیا۔ اور آخر ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳۲۳ء میں اس دار فانی کو خیرباد کہا۔

شیخ محمد عبدہٗ نہایت خلیق اور حلیم الطبع تھے انکی تمام عمر مخالفتوں میں گذری۔ طالب علمی میں مشایخ کی نظر کرم نے آرام سے بیٹھنے نہ دیا۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مخالفین کی تعداد بڑھتی گئی۔ آخری عمر میں جو انکے انتہائی عروج و مرتبہ کا زمانہ تھا مخالفت حد سے گذر گئی تھی۔ آپ پر پھبتیاں کسی جاتیں۔ اخبارات میں باقاعدہ سب و شتم کیا جاتا۔ طرح طرح کے الزامات تراشے جاتے۔ الغرض کوئی ایسا حربہ نہ تھا جو شیخ موصوف پر چلایا نہ گیا ہو۔ آپ نے نہایت بردباری اور تحمل سے یہ سب کچھ برداشت کیا دشمنوں کی دشمنی اور کینہ پروروں کی الزام تراشی نے کبھی آپ کو انتقام پر آمادہ نہ کیا۔ اور آپ برابر اپنے پر بل لائے بغیر اپنے کام میں مصروف رہتے۔

یہہ تو معلوم ہو چکا ہے کہ شیخ محمد عبدہٗ کا زاویہ نگاہ پرانے خیال کے علما سے الگ تھا۔ آپ مذہب کو جو علما کے جمود سے بھی کچھ جچے دوست دوشمن کی نظروں میں کھٹک رہا تھا حشو و زوائد سے پاک کرنا چاہتے تھے اسکی وجہ سے آپ کو اہل مذہب کے ظلم و جور کا تختۂ مشق بننا پڑا۔ لیکن آج خدا کے فضل سے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو شیخ موصوف کے ہم خیال اور انکی آرا کے حامی ہیں۔

علما کی مخالفت کا دوسرا سبب ازہر کی اصلاح ہے۔ شیخ مرحوم ازہری تھے اور اس لئے اپنی مادر تعلیم کو ایک اچھی اور مفید تعلیم گاہ بنانا چاہتے تھے۔ اس زمانہ میں ازھر کی حالت نہایت خراب تھی۔ شیخ عبدہ اس میں اصلاح کے ساتھ ساتھ نئے علوم و فنون بھی شامل کرنا چاہتے تھے بھلا اس جرم کے مرتکب کو دنیا میں کہیں امان مل سکتی تھی۔ علما نے اتنی سخت مخالفت کی کہ مجبوراً شیخ مرحوم کو اپنے ارادوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ پھر بھی ازھر کی تھوڑی بہت اصلاح کا سہرا انکے سر ہے۔ آپ ایک مدت تک دار العلوم اور بعد ازیں ازھر میں درس دیتے رہے۔ آپ کا طرز تعلیم طلبہ کے لئے نہایت دلکش تھا۔ مصر کے طلبہ جو زیادہ تر بعد میں بڑے بڑے عہدوں پر پہنچے آپ ہی کے فیض صحبت کے رہین منت ہیں۔

شیخ عبدہٗ کی اصابت رائے اور غیر معمولی ذہانت نے محکمہ قضاۃ میں انکی دھاک بٹھا دی تھی۔ ان کے فیصلے اور فتوے دنیائے اسلام میں خاص عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ ایک اخبار نویس کی حیثیت سے شیخ عبدہٗ کا درجہ کسی سے کم نہیں۔ الغرض شیخ مرحوم نے جس کام کا بیڑا اٹھایا اسکو نہایت خوش اسلوبی اور محنت سے سرانجام دیا۔

فرض منصبی کی ادائیگی کے بعد شیخ موصوف اپنا خالی وقت تصنیف و تالیف میں گذارتے تھے۔ آپکی تفسیر قرآن بہت مشہور ہے اسکے علاوہ اور بھی مذہبی اور ادبی تصانیف ہیں۔ شیخ عبدہٗ فرانسیسی خوب جانتے تھے۔ اور اس لئے کبھی کبھی مخالفین اسلام کے اعتراضات کا علم ہونے پر انکو منہ توڑ جواب دیتے تھے۔ اسلام اور نصرانیت کے نام سے آپ نے ہانوتو کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جو خاص شہرت رکھتا ہے۔

جغرافیہ

آمدورفت کے چند دلچسپ طریقے

(سید نصیر احمد صاحب)

سنہ ۱۹۲۶ء میں ایک مشہور ہوا باز نے براعظم آسٹریلیا کے گرد تین دن میں اپنا سفر ختم کرلیا تھا۔ لیکن آج کل بھی اسی براعظم کے وسط سے ساحل تک سونا لانے میں تین مہینے صرف ہوتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ آسٹریلیا کے اس حصہ میں نہ تو ریل ہے اور نہ اچھی سڑکیں ہی ہیں۔ بس ریت کے چھوٹے چھوٹے راستے ہیں۔ جن پر موٹر کار کا چلنا ناممکن ہے۔ آمدورفت کا سارا دارومدار اونٹوں پر ہے اور اونٹ ہی سونا اٹھاکر ساحل تک پہنچاتے ہیں۔ آپ کو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ ان اونٹوں کے مالک سب کے سب افغان ہیں۔ ایک اونٹ تقریباً   بوجھ اٹھالیتا ہے اور دن بھر میں تیس میل سے زیادہ ہی چل سکتا ہے۔ شمال افریقہ، عرب، ایران، ترکستان اور صحرائے گوبی میں اونٹ ہی ہے جو بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور آدمیوں کو بھی ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔

مشرق میں ابھی تک ایسے کئی حصے ہیں جن میں آمدورفت کے لئے جانور استعمال ہوتے ہیں۔ جاپان میں ریل اور موٹر کے باوجود ابھی تک "رکشا" بہت استعمال ہوتی ہے۔ یہ ایک ہلکی اور خوبصورت گاڑی ہوتی ہے۔ رکشا کے چلانے والے تنکوں کی بہت بڑی ٹوپی پہنتے ہیں چونکہ شروع ہی سے انکو اس کام میں لگادیا جاتا ہے اسلئے یہ لوگ بیس میل چلنا کچھ نہیں سمجھتے۔ اور ہموار سڑک پر اچھی خاصی رفتار سے جاتے ہیں۔

بیل گاڑی کا تو دنیا کے اکثر حصوں میں رواج ہے لیکن یہ بڑی تکلیف دہ اور صبر آزما سواری ہوتی ہے۔ اور ایک گھنٹہ میں بمشکل دو میل چلتی ہے۔ لیکن ہندوستانی بیل گاڑیاں ہلکی ہوتی ہیں اور بیل چالاک وچست لہذا گاڑیاں زیادہ تکلیف پہنچانے والی نہیں ہوتیں۔ شمال اندلس اور پرتگال میں بہت بھاری گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔

دنیا کے کئی پہاڑ ایسے ہیں جہاں نہ تو ریل جاسکتی ہے اور نہ ہی سڑکیں بن سکتی ہیں۔ ان حصوں میں آمدورفت کا کام یا تو جانوروں سے لیا جاتا ہے یا انسانوں سے۔ ان حصوں میں خچر استعمال ہوتے ہیں کیونکہ یہ بہت محنتی اور شریف جانور ہے۔ تبت میں یاک بھی استعمال ہوتا ہے۔ یاک گائے کی قسم کا ایک جانور ہوتا ہے جس کے چہرے پر بال بہت زیادہ ہوتے ہیں افریقہ کے بہت سے حصوں میں آمدورفت کا سارا دارومدار قلیوں پر ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں ایسی سخت گرمی پڑتی ہے کہ کسی جانور کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔

شمال یورپ کے سرد حصوں میں جہاں ہر وقت برف جمی رہتی ہے رینڈیر بہت کارآمد چیز ہے۔ یہ بوجھ بھی اٹھاتا ہے اور ہلکی گاڑیوں میں بھی جوتا جاتا ہے۔ گرین لینڈ اور شمال کنیڈا میں اس کام کیلئے کتے سدھائے جاتے ہیں۔ یہ کتے دس بارہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتے ہیں۔ اور تقریباً ساٹھ میل تک اس رفتار سے چل سکتے ہیں۔ ان کتوں کے جتھے ہوتے ہیں اور ہر جتھے میں چار کتے ہوتے ہیں۔ ایک جتھے کی قیمت تقریباً دو سو پونڈ ہوتی ہے یہ کتے بڑے وفادار ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ محکمہ پیمائش کے چند افسر کسی جگہ کی پیمائش کے لئے ایک گاؤں میں گئے۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ انکا صندوق جس میں خوراک تھی گر گیا ہے۔ ایک آدمی اس گاڑی پر دوانہ ہوا گیا لیکن راستہ میں برف کا طوفان آیا اور تین دن تک وہ آدمی واپس نہیں لوٹا جب تیسرے دن چند آدمی وہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ وہ آدمی مرا پڑا ہے۔ اور سارے کتے اسکے اردگرد سردی سے جم گئے ہیں۔

روس میں اگرچہ رینڈیر گاڑی کھینچتا ہے لیکن چونکہ وہاں بہت زیادہ سردی نہیں ہوتی اسلئے گھوڑا بھی اس کام میں استعمال ہوتا ہے۔ جنوبی امریکہ کے ان حصوں میں جہاں ریل نہیں ہے گھوڑے کی بہت قدر ہے۔ لڑکے جب مدرسہ جاتے ہیں تو گھوڑوں پر سوار ہوکر جاتے ہیں۔

مذہب

والدین کی خدمتگذاری

مولانا فضل الرحمٰن صاحب مہاجر کابل

دنیا مانتی چلی آئی ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے اور کسی مذہب نے بھی یہ جائز نہیں رکھا کہ نیکی کا بدلہ بدی سے دیا جائے کتاب الٰہی نے بھی اسی کو پسند فرمایا (ھل جزاء الاحسان الا الاحسان) (ترجمہ: بھلا نیکی کے سوا اور بھی نیکی کا بدلہ ہو سکتا ہے) جب یہ بات مسلم ہو چکی تو ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ والدین نے ہمارے ساتھ کیا کیا نیکیاں کیں پھر یہ خود بخود ثابت ہو جاوے گا کہ ہم کو اس کے بدلہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ اگر ہم والدین کی کل نیکیاں ایک ایک کر کے گننا چاہیں تو یہ ناممکن ہیں ہاں چند نیکیاں نہایت عظیم ہیں بطور نمونہ انکا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔

اول تو یہ کہ ہمکو حق تعالیٰ ہی نے پیدا کیا لیکن عالم شہادت پر نظر رکھتے ہوئے ثابت ہوتا ہے کہ ہماری والدین ہی ہماری پیدائش کے سبب ہوئے اگر والدین نہ ہوتے تو ہم کہاں سے آتے۔

دوم یہ کہ پیدا ہونیکے بعد ہم کس ضعف اور بے بسی کے عالم میں تھے نہ تو ہم کو اپنی غذا حاصل کرنیکی طاقت تھی نہ اپنی حفاظت کرنے کی طاقت تھی۔ رکھنے والا بیشک خدا ہے لیکن ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ والدین ہی نے ہم کو نہایت پیار اور محبت سے رکھا جب کبھی ہمارے آرام میں کسی قسم کا فرق پڑا اور ہمیں تکلیف ہوئی تو ہم سے زیادہ تکلیف والدین کو محسوس ہوئی اور انکو بڑا صدمہ ہوا اور ہماری تکلیف کو دور کیا خصوصاً والدہ نے تو ایک لمحہ کے لئے ہمکو اپنے سے علیحدہ نہ کیا اپنی گود ہی میں کھلایا پلایا اور سلایا غرضکہ اپنی ساری زندگی اور آرام کو ہماری زندگی اور آرام پر قربان کیا یہاں تک کہ ہمارا آرام انکا آرام اور ہماری بے چینی انکی بے چینی ہوئی اور یہ عاشقانہ تربیت عرصہ دراز تک رہی دو چار روز کا معاملہ نہ تھا۔

سوم جب ہم کچھ بڑے ہوئے تو ہم کو والدہ نے چلنا، پھرنا، کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا، بولنا سکھایا۔ اور یہ سلسلہ تعلیم ایسی خوش اسلوبی سے جاری رہا کہ دنیا کا کوئی معلم اپنے شاگرد کو ایسی خوش اسلوبی نرمی و سہولت سے تعلیم نہیں دے سکتا اس قدر عجیب انداز سے ہماری والدہ نے ہمکو تمام باتیں سکھائیں کہ ہم کو خبر نہیں ہوئی کہ ہم نے یہ باتیں کسی معلم سے سیکھی ہیں بلکہ ہم سمجھے کہ ہم نے یہ باتیں خود بخود سیکھی ہیں۔ اس سے بڑھکر نیکی اور کیا ہو سکتی ہے۔

چہارم جب ہم تھوڑے سے اور بڑے اور ہم کو زیادہ تعلیم کی ضرورت ہوئی اور کسی وجہ سے والدین خود ہم کو وہ تعلیم نہ دے سکے تو انہوں نے ہمارے لئے گھر پر یا کسی مدرسہ میں پڑھنے کا انتظام کیا اور اس کے جملہ اخراجات برداشت کئے اور ہمارے لئے بستہ کتابیں، کاپیاں ساری ضروریات تعلیم خریدیں۔ اور ہر وقت کھانے پینے اور صاف ستھرے لباس انتظام کیا اور تفریح کے لئے جیب خرچ بھی دیا یہ سب تکالیف انھوں نے کیوں برداشت کیں۔ کیا اس میں اُن کا کوئی ذاتی فائدہ تھا۔ ہرگز نہیں بلکہ ہمارے ہی فائدے کو مد نظر رکھتے ہوئے انھوں نے یہ سب کچھ کیا تاکہ ہمکو دنیا میں رہنے کا طریقہ معلوم ہو اور ہمارے اخلاق درست ہوں اور ہمکو خدا اور اس کے احکام کی اطلاع ہو۔

پنجم۔ اب جب کہ ہم بڑے ہوئے اور خود بھی کچھ سمجھ بوجھ آگئی اور کمانے کمانے کا طریقہ معلوم ہو گیا اسوقت بھی وہ ہماری تمام ضروریات کو پورا کرتے ہیں اور اگر کہیں بیاہ شادی کی نوبت تو ہزاروں روپیہ اپنی محنت کا کمایا ہوا خرچ کرتے ہیں۔

اسی طرح ہزاروں نیکیاں انھوں نے ہمارے ساتھ کی ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اور اس عالم سے رخصت ہوتے وقت اپنی ساری عمر کی کمائی اور جائداد ہمکو دے کر رخصت ہوں گے

اب ہم کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ان احسانات اور نیکیوں کے بدلے میں ہم کو ان سے کیا سلوک رکھنا چاہئے خصوصاً جبکہ ہمارے والدین ضعف

اور بڑھاپے کی حالت میں ہوں اور ہم ناچیزوں کے محتاج ہوں تو اس قاعدہ کو (جو کہ مضمون کے ابتدا میں بطور تمہید ذکر کیا گیا ہے) مدنظر رکھتے ہوئے یہی فیصلہ ہے کہ ہم انکی نہایت درجہ کی تعظیم و اکرام کریں۔ اور یہہ تن انکی فرماں برداری اور اطاعت میں مصروف رہیں۔ اور جیسے کہ انھوں نے اپنے آرام کو ہمارے آرام کے لئے قربان کر دیا تھا ہم بھی اپنے آرام و راحت کو انکے آرام و راحت پر قربان کر دیں اور اگر انکو کسی قسم کی تکلیف ہو تو ہم کو اس سے زیادہ تکلیف اور صدمہ ہو۔ اور جہاں تک ممکن ہو ہم اس تکلیف کو رفع کرنے کی کوشش کریں۔ نہایت ناشکری اور بے انصافی ہوگی کہ اتنے احسانات کے باوجود ہم ان سے برا سلوک رکھیں۔ اور انکو ایسے کلمات سنائیں جن سے ان کے دل کو تکلیف ہو یا ان کو کسی قسم کی ایذا پہونچائیں اور ناراض کریں۔ انصاف اور انسانیت کا مقتضٰے تو یہی ہے کہ نہایت ادب اور خلوص سے ان کی خدمتگذاری کریں اور ان کے فرمان بجالائیں۔ اور انکی خلاف ورزی کرنا اور ستانا انصاف اور انسانیت کا خون کرنا ہے یہ تو وہ بات ہے جس تک انسانی عقل کو خود بخود رسائی ہے۔

اب اس مضمون کے متعلق ایسے چند کلمات طیبات کو سن لیجئے جن تک انسانی عقول کو خود بخود رسائی نہیں ہو سکتی بلکہ وہ صرف نور وحی سے مستفاد ہیں۔ حدیث۔ عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان رجلاً قال یا رسول اللہ ما حق الوالدین علی ولدہما قال ہما جنتک و نارک رواہ ابن ماجۃ (ترغیب ترہیب)

ترجمہ ابو امامہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ والدین کا اپنے بچہ پر کیا حق ہے آپ نے ارشاد فرمایا وہ دونوں تیرے لئے جنت اور آگ ہیں۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔

یعنی اگر دنیا میں انکی اطاعت کروگے تو آخرت میں جنت ملیگی اور اگر نافرمانی کروگے تو جہنم میں جاؤگے۔ نہایت صاف فیصلہ ہے چاہو تو والدین کو خوش کر کے جنت کماؤ اور چاہو تو ان کو ناراض کر کے آگ میں پہونچو۔ جیسے کہ ایک حکیم ہر دوا کی خاصیت بتلاتا ہے اور کہتا ہے کہ دوا گرم اور یہہ سرد ہے اسی طرح نبی کا کام یہ ہے کہ وہ ہر عمل کی خاصیت بتلائے کہ اس عمل کی خاصیت یہہ ہے اور یہاں پر حضور نے اطاعت والدین کی خاصیت یہہ بیان فرمائی کہ وہ جنت کی طرف پہونچانے والی ہے۔

اور نافرمانی کی خاصیت یہہ بیان فرمائی کہ آگ کی طرف پہونچانے والی ہے تو اب جس ایک کو استعمال کیا جاوے وہی خاصیت اس پر مرتب ہوگی۔ حدیث

عن معاویۃ ابن جاہمۃ ان جاہمۃ جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ اردت اغزو وقد جئت استشیرک فقال ہل لک من ام قال نعم قال فالزمہا فان الجنۃ تحت رجلہا۔ رواہ ابن ماجۃ والنسائی۔ (ترغیب ترہیب)

ترجمہ۔ حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ میرے والد نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے آپ سے مشورہ لینے آیا ہوں حضور نے فرمایا تمہاری والدہ ہے کہا ہاں فرمایا اسی کے پاس ہمیشہ رہو بیشک جنت اسکے پیر کے نیچے ہے۔ ابن ماجہ اور نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا۔

جہاد اسلام کے بہترین اعمال میں سے ہے لیکن یہاں پر حضور والدہ کی خدمت گذاری کو اس پر ترجیح دیتے ہیں اور گویا کہ یہہ ہدایت فرماتے ہیں کہ اگر تم کو جہاد سے جنت مطلوب ہے تو وہ تمہارے لئے اسی میں ہے کہ اپنی والدہ کے پیروں میں رہو اور دن رات ان کی خدمت کرتے رہو۔ اور انکو راضی رکھو۔ یہی تمہارا جہاد ہے۔ حدیث

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال کان تحتی امرأۃ احبہا و کان عمر یکرہہا فقال لی طلقہا فابیت فاتی عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فذکر ذلک لہ فقال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلقہا۔ رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی (ترغیب ترہیب)

ترجمہ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی جو مجھ کو نہایت پیاری تھی اور عمر (میرے باپ) کو پسند نہ تھی فرمایا کہ تو اسے طلاق دے تو میں نے انکار کیا پھر عمر حضور کے ہاں (شکایت لیکر) گئے اور قصہ کہہ سنایا تو مجھے نبی کریم نے حکم دیا کہ تو اسے طلاق دے۔ اس حدیث کو ابوداؤد و ترمذی و نسائی نے روایت کیا۔

(باقی صفحہ ۲)

ایک بچہ کی زبان سے

جناب درد صاحب۔ کاکوروی

چندا ماموں نور کے — لڈو موتی چور کے
چندا ماموں دور سے — آنگن بھر دو نور سے
چندا ماموں دور کے — گنبد ہو تم نور کے
چندا ماموں افسر — سارے تارے لشکر
چندا ماموں سر پر — نور بانٹیں گھر گھر
چندا ماموں آجا — رات کا تو راجا
تم ہو چلتے میرے ساتھ — لیکن کب ہو آتے ہاتھ
آؤ ماموں دوڑ یں — ہم تم دونوں کھیلیں
آؤ ماموں جھٹ پٹ
ہوگی ورنہ کھٹ پٹ

قصے کہانیاں

دیانت کا نتیجہ

اقبال الدین احمد صدیقی اقبال متعلم سیکنڈ مڈل منچن آباد (بھاولپور)

تقریباً چار سو برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ انگلینڈ کے علاقے کے کسی گاؤں میں ایک یتیم لڑکا "وٹنگن" رہتا تھا۔ والدین کا سایہ بچپن ہی سے اس کے سر سے اٹھ گیا تھا

ایک دن اسے خیال آیا کہ میں "لندن" جاکر نوکری کا کچھ بندوبست کروں۔ غرض وہ اپنے گھر سے لندن کی طرف روانہ ہوگیا۔ سفر دور دراز کا تھا مگر وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آیا۔ آخر کار وہ "ہائی گیٹ" پر جہاں سے "لندن" دکھائی دیتا تھک کر بیٹھ گیا۔ چونکہ وہ راستے کی تھکن اور بھوک پیاس کی شدت سے نہایت خستہ حال ہوگیا تھا آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اپنی حالت پر رونے سے باز نہ رہ سکا۔ حتے کہ جی کھولکر رویا اور اپنے گھر واپس جانے کا مصمم ارادہ کرلیا دل میں سوچا کہ گاؤں میں لوگ میرے شناسا تو ہیں اور کچھ نہیں تو والدین کی قبریں تو تسلی کے لئے ہیں۔

ان خیالات سے وہ وہاں سے اٹھا ہی تھا کہ گھنٹے کی آواز کان میں آئی اس کو شمار کرنے کے لئے پھر بیٹھ گیا۔ اسے غور سے سنا تو بے اختیار ہنس پڑا کیونکہ گھنٹے کی آواز سے اسکے دل میں خیال گزرا کہ گھنٹہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ " وٹنگن وٹنگن" لندن کے لارڈ میر واپس آ گھر کو نہ جا"۔ یہ سچ بات ہے اور فائدے کی بات ہے کہ جب کسی پر کوئی خیال اثر کرتا ہے تو دم بدم سامنے تصویر بنکر کھڑا ہوجاتا ہے۔

کیا ایک یتیم لڑکا لندن کا لارڈ میر ہوسکتا ہے؟۔

بے شک اس کے دل میں کبھی یہ خیال سمایا ہوگا کہ میں لندن کا لارڈ میر ہوجاؤں گا۔ اور یہ خیال اس پر اتنا غالب ہوا کہ جب وہ چلنے لگا تو اپنے بوٹوں سے بھی یہی آواز سننے لگا۔ اس وقت اسے کیا مشکل تھا کہ سب ترقی کی امیدیں چھوڑ کر گھر واپس چلا جاتا۔ غرض اسی شش و پنج میں ایک گھنٹہ گذر گیا۔ گھنٹہ بجا اور پھر وہی صدا بلند کرنے لگا۔ آخر کار "وٹنگن" لندن میں داخل ہوگیا۔

سب سے پہلی دکان جو اسے نظر پڑی وہ ایک بہت بڑے سوداگر کی تھی اور جسکے سائن بورڈ پر "سیموج فنٹزوڈرون" کا نام لکھا تھا "وٹنگن" نے دکان میں جاکر مسٹر فنٹزوڈرون کو سلام کیا اور اپنا مفصل حال سنایا۔ سوداگر کو بھی اس کی خندہ پیشانی اور مؤدبانہ تقریر بہت پسند آئی اور "وٹنگن" سے کہا کہ میں تم کو چند روز امتحاناً یہاں پر رکھتا ہوں اگر تم "دیانت دار" ہوشیار اور اپنی ڈیوٹی کے پابند نکلے تو تم کو اپنے دفتر میں رکھ لونگا۔

غرض وہ سوداگر کے یہاں ٹھہر گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں یہ اپنے کام میں ایسا کامیاب ہوا کہ سوداگر اسے یہانتک چاہنے لگا کہ سوداگری کے کاروبار میں اسے شریک کرلیا اور اپنی اکلوتی بیٹی "ایلس" کے ساتھ شادی بھی کردی۔ دکان کے حصے دار ہونے کے بعد اس نے ایسی قابلیت دکھائی کہ تمام لندن میں مشہور ہوگیا۔

ابھی اس کا سن چالیس برس تک نہ پہنچا تھا کہ شہر لندن کے لوگ سول آفس کے بڑے عہدہ کے لئے کسی دیانتدار اور لایق آدمی کی جستجو میں تھے اور اسی کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا۔ ایک سوداگر نے کہا کہ "اگر ہم وٹنگن کو اگر اپنا اعلیٰ حاکم بنائیں تو سب کے لئے بہتر ہوگا۔ کیونکہ لندن میں اس جیسا دیانت دار ملنا مشکل ہے" دوسرے سوداگر نے کہا "میں تائید کرتا ہوں کیونکہ مجھے اس سے سابقہ ہوچکا ہے۔ ایک روز میں تھوڑا اور خراب ریشم وٹنگن کے پاس لے گیا۔ اور میں نے اسکی قیمت بتائی وٹنگن نے کہا کہ اس کی جتنی قیمت آپ خیال کرتے ہیں یہ اس سے زیادہ کا ہے اور مجھے اس نے پوری قیمت دی۔ میں ایسے دیانت دار کو دل سے پسند کرتا ہوں"

عُقلام کے مجمع میں جب وِلنگٹن کا نام آیا تو سب نے اسکے نام پر ووٹ دئے اور وِلنگٹن بغیر کسی رکاوٹ کے لارڈ میئر مقرر ہوگیا۔ اور میعاد مقررہ کے بعد اسی عہدہ کے لئے تین دفعہ وہی چنا گیا۔ ملکہ شاہ ہنری چارم نے اسے قابل پاکر سِر کے معزز خطاب سے سرفراز کیا یہ تو انگلینڈ کی مثال ہے۔ ہندوستان میں بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب پہلے چالیس روپے کے نوکر ہوئے اور دیانت داری کی وجہ سے یہ مرتبہ حاصل کیا۔

میرا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک تحصیلدار صاحب جن کا نام سید محمد حسین ہے۔ پہلے پندرہ روپے کے نوکر ہوئے اور دیانت کی وجہ سے ترقی پاکر تحصیلدار ہوگئے۔ اور جب پنشن ہوئی تو جناب نواب صاحب بھاولپور نے انھیں خدمات کے صلے میں موڑا انعام دی۔ اور وہ اب فرسٹ کلاس مجسٹریٹ ہیں۔

غرض ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں۔

انعامی مضمون

بائسکوپ کے کسی موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھئے۔

یا

کسی خاص شغل پر جس سے آپ کو زیادہ رغبت ہو اپنے خیالات تحریر کیجئے

انعام میں پانچ ہفت رنگی دو سہ رنگی و یک رنگی جاپانی خوبصورت کھلونے مختلف قدوقامت کے دئے جائینگے۔

فیس داخلہ۔ زبان شستہ اور صاف تحریر ہو۔

وقت۔ تاریخ اشاعت سے دو ہفتہ کے اندر تمام مضامین اس پتہ پر پہونچ جانے چاہئیں۔

نوٹ:۔ مضمون پیکٹ بنا کر دو پیسہ کے ٹکٹ میں بھیجا جاسکتا ہے۔

عبد العلیم نامی۔ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

کامیابی کا راز

(شاہد حسین صاحب ممبر مسلم یونین کلب)

ایک ضعیف آدمی کے تین لڑکے تھے۔ ایک کا نام رشید تھا۔ دوسرے کا مجید تیسرے کا عزیز تھا۔ یہ تینوں لڑکے شکل و صورت میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ تینوں سگے بھائی ہیں۔

رشید جو سب سے بڑا تھا بہت سست اور ڈرپوک تھا۔ اس سے جب کسی کام کو کہا جاتا تو وہ بہانے سے ٹالدیتا۔ ذرا ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش نہ کرتا اور ہر جگہ اور ہر کام میں ہمت ہار کر بیٹھ رہتا تھا۔

مجید جو منجھلا لڑکا تھا سست اور کند ذہن تو نہ تھا مگر بڑا ضدی تھا جس بات پر اڑ جاتا تھا اس سے باز نہ آتا۔ اسوجہ سے کوئی اس سے محبت نہ کرتا تھا۔ برخلاف اسکے عزیز جو سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ خوش طبع ذہین اور مستقل مزاج تھا جو شخص اس سے کسی کام کی بابت پوچھتا کہ تم یہ کرسکتے ہو تو وہ فوراً یہ جواب دیتا کہ ہو یا نہو مگر کوشش ضرور کرونگا۔ اس عالی ہمتی سے وہ ہر کام میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

ضعیف باپ نے جب تینوں کو اسکول میں داخل کیا تو رشید دو ہی دن کے بعد یہ کہنے لگا۔ کہ ایسا مشکل کام مجھ سے نہیں ہوسکتا میں پڑھنے سے باز آیا۔ مجید بھی چڑچڑا اور ضدی ہونے کی وجہ سے اسکول سے نکال دیا گیا۔ لیکن عزیز نے خوب تعلیم حاصل کی وہ مشکل سے مشکل کتاب پڑھنے سے کبھی نہیں ہچکچاتا تھا اور دشوار سے دشوار مضمون بھی محنت کرکے حل کرلیتا تھا۔ جب تینوں لڑکے جوان ہوئے تو رشید ایک امیر کے پاس نوکر ہوگیا اور مجید نے بھی ایک معمولی روزگار حاصل کرلیا۔ عزیز نے چونکہ کافی تعلیم پائی تھی اسوجہ سے اسکو ایک بڑا عہدہ ملا۔ اتفاق سے ایک مرتبہ تینوں سخت بیماری میں مبتلا ہوگئے رشید اور مجید تو کام کرنے سے گئے۔ مگر عزیز بیماری کی حالت میں بھی لڑکوں کو پڑھا کر اپنی روزی حاصل کرلیتا اور دوا اور علاج سے جلد اچھا ہوگیا اور دنیا کے مزے لوٹنے لگا۔ پیارے بھائیو! عزیز کیطرح تم بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرو۔ تاکہ تم خوشحال رہو اور لوگ تمہاری عزت کریں۔

جیسن کی کہانی

(محمد رفیق متعلم مدرسہ ابتدائی جامعہ)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ یونان میں ایک نیک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ سب لوگ اس کو چاہتے تھے اور اس کی عزت کرتے تھے۔ لیکن خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اس کے چھوٹے بھائی نے چالاکی اور مکاری سے اپنے بڑے بھائی کی سلطنت چھین لی۔ اس کا نام پلیاس تھا۔ جب یہ معزول بادشاہ مرنے لگا تو اس نے اپنے دوستوں کو وصیت کی کہ اسکے بیٹے جیسن کا اچھی طرح خیال رکھا جائے اور فن سپہ گری میں کامل کر دیا جائے۔

جب یہ بادشاہ مر گیا تو پلیاس نے جیسن کو مارنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا اور جیسن بھاگ کر کسی دوسرے ملک میں چلا گیا۔ جب جیسن بڑا ہوا اور فن سپہ گری میں کامل مہارت حاصل کر لی تو اپنے چچا سے اپنی سلطنت لینے کے لئے روانہ ہوا۔ راستہ میں جیسن کو ایک گہری ندی عبور کرنی پڑی اور اس کی ایک چپل پانی میں بہ گئی۔ مجبوراً جیسن کو ایک ہی چپل سے راستہ طے کرنا پڑا۔ جب یہ پلیاس کے محل کے سامنے پہنچا اور پلیاس نے اس کو دیکھا تو وہ خوف سے کانپنے لگا۔ کیونکہ ایک نجومی نے اس غاصب بادشاہ کو بتایا تھا کہ ایک نوجوان آدمی جسکے پاؤں میں ایک چپل ہوگی تم سے تمہارا ملک چھین لے گا۔ پلیاس نے ڈرتے ڈرتے جیسن سے پوچھا:

"تم کون ہو اور تمہارا کیا نام ہے"

اس نے جواب دیا میرا نام "جیسن" ہے اور تمہارا بھتیجا ہوں اور اپنی سلطنت واپس لینے آیا ہوں

پلیاس نے جیسن سے کہا میں تمہیں سلطنت واپس کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم سنہری اون لاکر مجھے دو۔ پلیاس نے سوچا کہ یہ راستہ ہی میں کہیں مرجائے گا۔ اور میں مزے اڑاؤنگا۔

جیسن نے بہت سے بہادروں کو اپنے ساتھ لیا اور اس ملک میں پہنچ گیا۔ جہاں یہ سنہری اون ملی تھی۔ وہاں کے بادشاہ نے جیسن کو بہت سمجھایا کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ پہلے ایک میدان میں آگ کے بیلوں سے ہل چلانا ہوگا پھر اس میں اژدہے کے دانت بونے پڑینگے۔ اور پھر اس میں سے جو آدمی نکلیں گے ان سے لڑنا پڑے گا لیکن جیسن اپنی ضد پر برابر قایم رہا۔

اس بادشاہ کی ایک بیٹی تھی جس کا نام میڈیا تھا۔ اس نے جیسن کو ایک مرہم دیا جس پر کسی قسم کی آگ اثر نہیں کر سکتی تھی۔ جیسن نے اس مرہم کو اپنے بدن پر ملا اور آگ کے بیلوں سے جن کے منہ سے شعلے نکل رہے تھے ہل چلایا۔ پھر اژدہے کے دانت بوئے۔ جب شام ہوئی تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کھیت سے آدمی ہی آدمی نکل رہے ہیں۔ میڈیا نے اس موقعہ پر پھر اسکی مدد کی۔ اور کہا ان کے درمیان ایک پتھر پھینک دو جیسن نے ایسا ہی کیا۔ ہر ایک ان میں سے یہی سمجھنے لگا کہ دوسرے نے یہ پتھر مارا ہے۔ اور وہ آپس میں لڑنے لگے اور تھوڑی دیر میں سب کے سب کٹ مرے۔ اس کے بعد جیسن نے اس درخت پر سے جس پر سنہری اون لٹکی ہوئی تھی اتاری اور میڈیا کو ساتھ لے کر اپنے ملک واپس روانہ ہوا۔

وہاں پہنچکر اس نے اپنے ظالم چچا کو تخت سے اتارا اور جیسن بادشاہ ہوا۔ اور میڈیا اس کی ملکہ۔

بچو! یہ تصویر مہاتما گاندھی کی زمانہ تعلیمی کی ہی — اب وہ ایسی نہیں — وطن کی خاطر انہوں نی آرام کی زندگی ترک کر دی ہی — نہ انگریزی بال ہیں نہ سوٹ اور نہ ٹائی — ایسی شخص کی زندگی جس نی کبھی وجیہہ پانی کی لئی آرام کی بجائی تکلیف پسند کی ہی ضرور پڑھنا چاہئی — تمہیں تعجب ہوگا کہ انہوں نی ایسی سخت زندگی کیوں پسند کی اس کا جواب تم کو انکی سوانح حیات میں ملیگا جو خود انہوں نی گجراتی زبان میں لکھی ہی اور اس کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نی

تلاش حق

کی نام سی کیا ہی — اس کتاب میں مہاتما جی کی اس تصویر کی علاوہ اور بھی بہت سی تصویریں ہیں — ضخامت سات سو

صفحات سی زیادہ ہی — یہ کتاب دو جلدوں میں بہت خوبصورت چھپی ہی اور دونوں جلدوں کی قیمت صرف دو روپیہ ہی —

ملنی کا پتہ

(۱) مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(۲) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (سول ایجنٹ جنوبی ہند)

(۳) قرنلک برادرس اینڈ کمپنی چاندنی چوک دہلی (سول ایجنٹ یو-پی)

(۴) ایس چند اینڈ برادرس متصل فوارہ دہلی (سول ایجنٹ دہلی)

ایڈیٹر — سعید انصاری طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-
مطبع جامعہ ملیہ قرول باغ نئی دہلی
معاون ایڈیٹر سید نصیر احمد قیمت سالانہ دو روپی

پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

لیجئے صاحبان پھر ہماری سالانہ رعایت کے دن آ گئے
کارخانہ
ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ
دی پنجاب چیمپئن آف سپورٹس شہر سیالکوٹ کی تیرھویں سالگرہ کی خوشی میں
عظیم الشان رعایت کی بادِ نسیم کا تیرھواں سالانہ جھونکا
ایک روپیہ کا مال صرف بارہ ۱۲ آنے میں
ساتھ ہی سامان کھیل کے عمدہ مضبوط، خوبصورت، دیرپا، نفیس اور ارزاں ہونے کی گارنٹی
رعایت کے صرف دو ماہ نومبر اور دسمبر ۱۹۳۰ء
ممتاز ناظرین! حسب دستور سابق ہم نے اپنی تیرھویں سالگرہ کی خوشی میں آپ صاحبان کو شامل کرنے کے لئے اپنے تیار کردہ لاثانی سامان کھیل مثلاً کرکٹ۔ فٹ بال۔ والی بال۔ باسکٹ بال۔ ہاکی۔ ٹینس۔ بیڈ منٹن اور جمناسٹک وغیرہ جملہ سامان کھیل کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت کر دی ہے۔ یعنی میعاد مندرجہ صدر کے اندر اندر ایک روپیہ کا مال بارہ آنے میں دینا منظور کر لیا ہے۔ علاوہ اس کے سامان کے نیا تازہ اور مضبوط ہونے کی گارنٹی یعنی ذمہ داری ہے۔
ہمارا سامان کھیل عرصہ تیرہ سال سے مستقل طور سے ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں اور کلبوں میں بکثرت خریدا جاتا ہے جس کی عمدگی اور ارزانی قیمت کی وجہ سے بے شمار سرٹیفکٹ ملنے کے علاوہ ہزارہا مستقل خریدار بن چکے ہیں جو اصحاب ایک مرتبہ بھی ہم سے معاملہ کر چکے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دروغ گوئی ہمارا شیوہ نہیں اس لئے ہم اپنے تیار کردہ سامان کھیل کی نسبت تمام تعریفی الفاظ نظر انداز کر کے صرف اتنا لکھنا کافی خیال کرتے ہیں کہ ملک نے یک زبان ہو کر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کے سامان کھیل سے عمدہ اور با رعایت سامان کھیل کسی دوسری جگہ سے ملنا ناممکن ہے۔ اور پھر آج کل جبکہ ہم بالکل نفع کے برابر نثار رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے پرانے گاہکوں اور دیگر نئے اصحاب کو ہمارے اس رعایتی اعلان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔
ذیل میں فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر سالگرہ کی خوشی میں ہم فی روپیہ کے حساب سے رعایت دیجائیگی حسب ضرورت لکھکر طلب کریں
فہرست سامان ہاکی
فہرست سامان کرکٹ
فہرست سامان فٹ بال
فہرست سامان والی بال
ملنے کا پتہ جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ ملک بلڈنگ شہر سیالکوٹ
تار کا پتہ رجسٹری شدہ
"MALIK" SIALKOT. City
سامان بذریعہ وی پی روانہ ہوگا اور خرچہ ڈاک و پارسل کرایہ ریل وغیرہ بذمہ خریدار
جملہ فرمائشوں میں ہر ایک چیز کی قیمت مطابق اشتہار لکھ کر اشتہار ہذا کا حوالہ ضرور دیا کریں

پیام تعلیم

قیمت سالانہ دو روپیہ (عہ)

قیمت فی پرچہ [illegible]

نمبر ۲	۱۲ر نومبر ۱۹۳۰ عیسوی	جلد ۱۰

استاد اور والدین کا صفحہ

جغرافیہ

ایک متوسط خاندان مدرسہ کے طالبعلم کی معلومات محض اسکے قریبی ماحول تک محدود ہوتی ہیں وہ صرف اپنے رہائشی مکان، سڑک یا زیادہ سے زیادہ اپنے گاؤں سے واقف ہوتا ہے۔ وہ صرف ان اشیاء سے خبردار ہوتا ہے جنکو اس نے چھوکر دیکھا ہے اور صرف ان اشخاص کو جانتا ہے جن سے اس نے واقفیت کی ہیں۔ وہ ہر ایسی چیز سے حیران ہوجاتا ہے جس کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ایک نیا چہرہ حتیٰ کہ ایک نیا لفظ بھی اسکو پریشان کردیتا ہے۔ لہذا یہ بہت ضروری ہے کہ مدرس بتدریج معلوم اشیاء سے غیر معلوم کیطرف قدم بڑھائے مدرس کو روزانہ سبق کے اشارات اور آسان سوالات کی مختصر فہرست تیار کرنے کے علاوہ سال بھر کے کام کا خاکہ پیشتر سے تیار کرلینا چاہئے۔ جو قدم بھی آگے بڑھائے وہ بچوں کے حقیقی تجربہ اور مشاہدے سے براہ راست حاصل ہوتا ہے۔

چونکہ مقامی حالات ایک صوبہ کے دوسرے صوبہ سے اور ایک ضلع کے دوسرے ضلع سے بہت مختلف ہوتے ہیں لہذا ہر مدرس اپنے اسباق کو جو وہ پڑھانا چاہتا ہے علیحدہ تیار کرنے اور ان کو بچوں کی سابقہ معلومات کے مطابق بنانے کی ضرورت ہے۔

جغرافیہ مثل لکھنے پڑھنے یا حساب کے آسان مضمون نہیں ہے اس میں طبعی حالات کے ان اثرات کا ذکر ہوتا ہے جو انسان و دیگر حیوانات کی زندگی کو متاثر کرتے ہیں۔ اور ان تدریجی تغیرات کا تذکرہ بھی شامل ہے جو بلاوساطت انسان صفحۂ قدرت پر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اسکے واسطے ضرورت ہے کہ طلباء کو مطالعہ کی قدرت کی کسی قدر سابقہ واقفیت ہو۔ ایسی اشیاء کی شکل اور حجم معلوم کرنے میں جنکو طلباء نے کبھی نہیں دیکھا مٹی کے نمونے بنانا، پنسل کی ڈرائنگ اور برش کے کام ان کے لئے بہت کارآمد ثابت ہونگے مثلاً دریاؤں کی کارگذاری۔ پہاڑوں اور وادیوں کا تعلق سڑک اور ریل کے راستے اس قسم کے اور مناظر مٹی کے نمونوں اور تصاویر کے ذریعہ سے بچوں کے بخوبی ذہن نشین کئے جاسکتے ہیں۔ نقشہ کشی کی باری گو کسی قدر دیر میں آتی ہے لیکن کسی نوعیت سے اسکی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہوتی۔

اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مطالعہ قدرت تمام جغرافیائی معلومات کی بنیاد ہے۔ مدرسہ کے باغ اور اسکے باہر کے درختوں کی زندگی مختلف اقسام کے جانوروں کی زندگی، مختلف موسموں کے متعلق ابتدائی معلومات۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کی ظاہری گردش۔ ان سب سے بچوں کو واقف ہونا چاہئے۔ نئی نئی دریافتوں اور اختراع کے قصے دور دراز مقامات کی زندگی کی تصاویر صحرا۔ برف کے پہاڑ اور برف کی چٹانوں وغیرہ قدرتی مناظر کے بیانات بھی (جو عموماً درسی کتب میں ہوتے ہیں) مدرس جغرافیہ کے لئے امدادی سامان ہیں۔ اسی طرح کمرۂ جماعت کے عرض و طول۔ کھیل کے میدان۔ قریبی میدان یا باغ کی پیمائش اور ان کے سادہ خاکوں کی ڈرائنگ نقشہ کشی کیطرف قدم اول ہوگا۔

جب اس طرح راستہ صاف ہوجائے گا تو حقیقی جغرافی کام مختلف طریقوں پر انجام پاسکتا ہے۔

نقشہ کشی

نقشہ کشی کی ابتدا اصولاً مکان مدرسہ اور کھیل کے میدان کا سادہ خاکہ کھینچکر کی جاتی ہے۔ اسکے بعد ایک سادہ پیمانہ پر گاؤں کا نقشہ جسمیں مدرسہ واقع ہے تیار کیا جاتا ہے۔ اس میں قریبی رقبہ کے بھی چند مربع میل شامل کرلئے جاتے ہیں۔ بچوں کو ترغیب دینی

جائے۔ وہ تھوڑی دور واقع ہو۔ دو میل کے اندر کسی دلچسپ مقام کی سیر اور تفریح کو جائیں اور ان کو جو کچھ نیا یا عجیب و غریب معلوم ہو۔ اس کا بغور مشاہدہ کریں۔ یہ سب تو آسان ہے۔ لیکن بچوں کو سمندر یا پہاڑ کا تصور دلانے میں جب وہ قرب میں نہ ہوں، مدرس کو اپنی قوت بیان پر بھروسہ کرنا پڑے گا۔ مگر دشواری پر ایک بار حاوی ہو جانے کے بعد طلبا کو معلوم ہو جائے گا کہ نقشہ کیا چیز ہے اور وہ ذہانت سے سمجھنے کی کوشش کرینگے۔

اسکے بعد ان کو گورہ یا دنیا کے نقشہ کا کمروں میں مطالعہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ بعد ازاں انہیں براعظموں اور بحر اعظموں کے نام بتائے جا سکتے ہیں۔ ہندوستان اور انگلستان کا اضافی جائے وقوع اور ان ممالک کے نام جن کو غالباً طلبا نے سنا ہوگا، پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً جاپان، فرانس، ریاستہائے متحدہ امریکہ۔

صنعت و تجارت

مذکورہ بالا امور کے ساتھ ساتھ صنعت و تجارت کا مطالعہ بھی ہونا چاہیئے۔ گھریلو صنعت (مثلاً کرگھوں سے کپڑا بننا) سے ابتدا کر کے طلبا کو ان صنعتوں کا مشاہدہ کرایا جائے جو مدرسہ کے قرب و جوار میں موجود ہیں۔ مثلاً تیل نکالنا۔ مٹی کے برتن وغیرہ۔ یہ صنعتیں ہر ہندوستانی گاؤں کی اشد ضروری لوازمات میں سے ہیں۔ اس سے بچوں کے خیالات تمام ضروریات مقامی کے مہیا ہونے کے وسائل کی جانب منتقل ہو جائینگے۔ مثلاً اشیاء خورد و نوش، کپڑا، اوزار وغیرہ جنکی مقامی صنعت کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ آخر میں طلبا کو ہندوستانی تجارت کی جھلک دکھائی جا سکتی۔ لیکن اس کا خاص مقصد یہ ہونا چاہئے کہ بچوں کے تجسس کو ابھارا جائے۔ نہ یہ کہ واقعات اور اعداد و شمار کی بھرمار کیجائے۔

تجارت کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ذرایع حمل اور (مثلاً سڑک، نہریں اور ریل) کا مطالعہ بھی ضروری اور باموقع ہوگا۔ آمد و رفت کے وسائل پر خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، بری ہوں یا بحری دلچسپ اسباق دئے جا سکتے ہیں۔ اور جب بچے پہلی پہل پیشہ۔ تار۔ بائیسکل، موٹر گاڑی، دخانی کشتی، جہاز، ہوائی جہاز اور آب دوز کشتیوں سے روشناس ہونگے تو ان کو حد سے زیادہ مسرت ہوگی۔ بچوں کو ان بڑے بڑے ناموں سے پریشان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا ہی کافی ہے کہ وہ تہذیب جدید کے ان عجائبات سے روشناس ہو جائیں۔

طبعی ساخت

پہاڑیوں، وادیوں، سطوح مرتفع اور صحراؤں کے ابتدائی تصورات ہونے کے بعد بچوں کو یہ آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے کہ ان مختلف خطوں کی زندگی میں اختلاف بہت ہے۔ پہاڑی لوگ عموماً جفاکش اور قوی ہوتے ہیں۔ تحمل کا مادہ زیادہ ہوتا ہے۔ برخلاف اسکے میدانی باشندے اس قدر دلیر اور بہادر نہیں ہوتے۔ زرخیز وادیوں کے رہنے والے جنگل اور صحراؤں کے باشندوں سے زیادہ مہذب ہوتے ہیں۔ سبزہ زار چراگاہوں کیلئے موزوں ہوتے ہیں۔ اسلئے ان میں عمدہ مویشی پرورش پاتے ہیں۔ یہ اور دیگر دلچسپ امور ہوشیاری سے انکے ذہن نشین کئے جا سکتے ہیں۔

آب و ہوا

چونکہ کسی مقام کی آب و ہوا کا انحصار اس جگہ کے طبعی حالات پر ہوتا ہے۔ اسلئے ایک سے دوسرے جانب تبدیلی کر لینا مدرس کیلئے آسان ہے۔ ملک کی زراعت کا انحصار بارش پر ہوا کرتا ہے اور مختلف مدارج مثلاً زمین کا جوتنا۔ کھاد سے زمین کی زرخیزی بڑھانا۔ تخم ریزی۔ فصل کاٹنا وغیرہ موسمی حالات پر منحصر ہوتے ہیں۔ لہذا طلبا کی ان امور سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد مدرس ان دونوں کو بہت آسانی سے ملا کر لڑکوں کو آب و ہوا کا صاف تصور دلسکتا ہے۔ دریاؤں میں سالانہ طغیانی کا زمانہ۔ وہ ایام جب دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ سخت گرمی اور ہوا چلنے کے اوقات یہ تمام باتیں سال بھر کے مقررہ اوقات میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ لہذا یہ بچوں کی معلومات کی بنیاد کے طور پر اس سلسلہ میں لیجا سکتی ہیں۔ ایک اولوالعزم مدرس اس سے آغاز کر کے بچوں کو بارشی ہواؤں کے اسباب۔ چاند کی زمین کے گرد گردش اور زمین کی سورج کے اطراف گردش، چاند گرہن اور سورج گرہن کی تعلیم دے سکتا ہے۔

عناصر انتظامی

انتظامی صورت حال کا مطالعہ لازمی طور پر تاریخ سے وابستہ ہے۔ کسی انجمن یا مجلس صفائی کا مطالعہ کہ عایا پر ٹیکس لگانے اور انکو وصول کر کے رفاہ عام کے لئے صرف کرنیکے فرائض کیجانب رہنمائی کرتا ہے۔ عوام کے لئے کنوئیں کھودے جاتے ہیں۔ سڑکوں پر روشنی کی جاتی ہے مدرسے قایم ہوتے ہیں۔ اسپتال بنائے جاتے ہیں اور امراض کو روکنے اور رعایا کی تندرستی برقرار رکھنے کے واسطے عاقلانہ تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ اس سے حکومت ضلع کے نظم و نسق کے اجزا کا استنباط کیا جا سکتا ہے۔ کلکٹر، جج اور دیگر

کوائفِ جامعہ

(از نامہ نگار)

دو ہفتے ہوئے شعیب محمدیہ ہائی اسکول آگرہ کی ہاکی ٹیم دہلی آئی تھی۔ دورانِ قیام میں ہماری ٹیم سے بھی ان کا میچ ہوا۔ چونکہ ہماری ٹیم کے اکثر کھلاڑیوں کو وقت پر اطلاع نہ مل سکی تھی اس لئے وہ کھیل نہ سکے اور جامعہ کی ٹیم تین گول سے ہار گئی۔

دوسرے دن تربیت گاہ شبیر منزل میں آگرہ ٹیم کی دعوت ہوئی، دعوت کے بعد جناب سعید انصاری صاحب نے شعیب محمدیہ ہائی اسکول کے محترم اساتذہ اور طلبا کی اس خاطر تواضع اور مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ جب گذشتہ سال دسہرہ کی چھٹیوں میں ہمارے ہاں کے اکثر طلبا آگرہ کی سیر کرنے کے لئے گئے تھے اور شعیب محمدیہ ہائی اسکول میں مہمان رہے تھے۔ آپ نے دوران تقریر میں شکایت بھی کی کہ آپ کو کسی اور جگہ ٹھہرنے کی بجائے جامعہ ہی میں قیام کرنا چاہئے تھا۔ شعیب محمدیہ ہائی اسکول کے ماسٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ آئندہ جب وہ کبھی دہلی آئیں گے تو جامعہ میں اپنا گھر سمجھ کر آئیں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس دعوت نے ہمارے تعلقات کو مضبوط تر کر دیا ہے۔

جناب شیخ الجامعہ صاحب کی کامیابی واپسی کی خوشی میں تربیت گاہ گلشن منزل میں طلباء جامعہ نے جناب شیخ الجامعہ صاحب اور تمام اساتذہ صاحبان کی دعوت کی۔ دعوت سے پہلے جناب شیخ الجامعہ صاحب کی خدمت میں ایک سپاسنامہ بھی پیش کیا گیا۔

تعلیمی مرکز نمبر ۱ میں جناب عبدالغفار صاحب کی نگرانی میں تعلیم کے علاوہ باغبانی بھی سکھائی جاتی ہے۔ گذشتہ مہینہ میں طلبا نے اپنے ہاتھوں بہت زیادہ محنت کے بعد اپنے اپنے کھیت خود تیار کئے تھے۔ اور بڑی امیدوں سے میتھی، پالک، شلجم اور مولیاں بوئی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ان کی محنت کا پھل انھیں مل گیا چنانچہ اس باغیچہ کی سب سے پہلی سبزی یعنے میتھی جامعہ کے ہر ایک استاد کی خدمت میں پیش کی گئی۔ شلجم، پالک اور مولیاں بھی تقریباً تیار ہیں۔

ہم جناب عبدالغفار صاحب کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

امسال فٹ بال کا سب سے پہلا میچ طبیہ کالج کی ٹیم سے ہوا۔ ہماری ٹیم میں بالکل نومشق اور نئے کھلاڑی تھے، لیکن اس پر بھی نتیجہ برابر رہا۔ برابر مشق کرنے سے امید ہے کہ ٹیم اچھی ہو جائے گی۔

ہابس اور سٹکلف کا کھیل دیکھنے کے لئے جامعہ میں ہفتہ کو تعطیل رہی۔ اکثر طلبا نے انگلستان کے ان دو بہترین کھلاڑیوں کا کھیل دیکھا۔ اور بہت ہی محظوظ ہوئے۔

گذشتہ جمعرات کو گلشن منزل میں جناب عبدالواحد صاحب سندھی نے مشرق کی ایک نامور خاتون قرۃ العین پر ایک پر از معلومات مضمون پڑھا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۹) دیگر حکام کے فرائض آسان تمثیلات سے سمجھائے جا سکتے ہیں اور سب سے آخر میں موجودہ طرز حکومت کا معمولی سا تصور ان کو دلایا جا سکتا ہے لیکن جب بچے یہ سوال کریں کہ اب ایسا کیونکر ہوا؟ تو یہ تاریخی معلومات کی استعداد کرنے کا وقت ہے۔ (ماخوذ)

تاریخ

بابر کی بہادری کے ڈھائی کام

از جناب مقبول الرحمٰن صاحب بچھرایونی

آج تک بابر کا شمار دنیا کے جلیل القدر، دلیر اور اولوالعزم بادشاہوں میں کیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں ختم ہوئی۔ سینکڑوں لڑائیاں لڑیں، فتح و شکست دونوں سے سابقہ پڑا۔ اس نے اپنی کم عمری کے باوجود جو عالی ہمتی اور استقلال کا ثبوت دیا وہ ہو جانے خود یادگار ہے۔ اس نے اپنا کام غیر معمولی ذہانت اور لیاقت سے انجام دیا گویا وہ دنیا کے اسٹیج پر ایک کامیاب ایکٹر تھا کہ اپنا پارٹ ختم کیا اور چلا گیا۔

بابر نے اپنے حالات تزکِ بابری میں خود لکھے ہیں۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ میں نے اپنی تمام زندگی میں بہادری کے صرف ڈھائی کام کئے ہیں

پہلا یہ ہے کہ اُسے خارش ہو گئی تھی، مہینوں سے اسکی تکلیف تھی۔ اور بہت سے کاموں میں اس کی وجہ سے حرج ہوتا تھا اسی زمانہ میں بابر کو محل میں اطلاع ملی کہ فلاں بادشاہ کا سفیر آرہا ہے اور اسے سلطنت کے تعلقات کے متعلق طے کرنا ہے۔ بابر باہر نکلا اور تیاریوں کے علاوہ ایک زبردست دربار بھی منعقد کیا گیا۔

مگر جب اُسے اپنی خارش کا خیال آیا تو اس نے سوچا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ سفیر کے سامنے متواتر کھجانا تو نہایت نازیبا ہے۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ خواہ کچھ بھی ہو اور مجھے خارش کتنی ہی مجبور کرے، میں کبھی نہ کھجاؤنگا چنانچہ دربار میں سفیر سے گفتگو ہونی شروع ہوئی اور تقریباً پانچ گھنٹہ تک معاملات ہوتے رہے۔ حالانکہ خارش بہت سخت تھی اور سینکڑوں مرتبہ ضرورت ہوئی۔ مگر اس نے ایک مرتبہ بھی نہ کھجایا۔

یقیناً یہ ایک بہت بڑی بات تھی۔ اس سے بابر کی ارادہ کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے اسکے علاوہ طبیعت اور جذبات پر قابو ہر شخص کا کام نہیں۔

دوسرا بہادری کا کام یہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک لڑائی صبح سے شام تک رہی، دونوں طرف سے بہت جوش و خروش تھا۔ لڑتے لڑتے رات ہو گئی اور لڑائی کا فیصلہ نہ ہوا۔ آخر بابر کی اور انکے دشمن کی فوجوں نے ہتھیار رکھکر آرام لینا شروع کیا۔ بابر تھکا ماندہ آرام کی نیند سو رہا تھا کہ یکایک اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کے تمام بدن میں درد ہو رہا ہے۔ اور اس تکلیف سے اس کی آنکھ کھل گئی تو اس نے عجیب ہولناک منظر دیکھا۔ یعنے ایک بہت بڑا سیاہ سانپ اسکے تمام بدن میں لپٹا ہوا ہے۔ اور برابر لپٹتا جارہا ہے اور اپنی گرفت مضبوط کرتا چلا جا رہا ہے، وہ اپنا سینہ اٹھائے بابر کے منہ کے قریب اپنا پھن کئے ہوئے ہے۔

اس کیفیت کو دیکھکر بابر کے ہوش و حواس گم گئے اور سمجھ نہ سکا کہ کیا کرے؟

ایسی حالت میں سانپ کے منہہ کو ہٹا بھی نہیں سکتا۔ تلوار بھی قریب ہی رکھی تھی، مگر ہاتھ سانپ نے لپیٹ لئے تھے۔

ان سب مجبوریوں سے زیادہ سخت وہ اذیت تھی جو سانپ کے برابر لپٹے جانے سے بڑھتی جارہی تھی اور وہ تڑپ رہا تھا مگر تڑپ بھی نہ سکتا تھا!

بابر برابر سوچتا رہا لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی اور ہر وقت سانپ کے کاٹنے کا اندیشہ تھا۔

آخر اس نے تھوڑی دیر غور کرکے فوراً طے کر لیا اور یہ ترکیب کی کہ اپنا منہ پوری طاقت سے کھول کر سانپ کا سر اور گردن اپنے منہ میں زور سے اس کو لے کر بند کر لیا اور دبانا شروع کیا۔ اس طرح بابر نے اپنی پوری قوت سے اسے دبایا۔ اور چار گھنٹے تک یہی سلسلہ

(بقیہ مضمون صفحہ [illegible] پر)

جغرافیہ

حبشیوں کا ملک

ا۔ع!

آج کل اب زمانہ ہے کہ دنیا میں اکثر جگہ سفید لوگ "کالوں" پر حکومت کرتے ہیں لیکن مغربی مجمع الجزائر میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام ہیٹی ہے۔ یہاں کالے گوروں پر حکمراں ہیں۔ اس جزیرہ کو سنہ ۱۴۹۲ء میں کولمبس نے معلوم کیا تھا۔ اس کے معلوم کرنے کے ساتھ ہی اس پر اسپینی قابض ہوگئے۔ اسکے اصل باشندے جو ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے ظالم اسپینیوں کے ظلم و تظلم کی وجہ سے جلد ہی فنا ہوگئے اور ان کو مجبوراً مزدوری اور کام کی وجہ سے افریقہ کے حبشیوں کو یہاں لانا پڑا۔

سنہ ۱۶۳۰ء میں فرانسیسیوں نے اس جزیرہ کو اسپینیوں کے ہاتھوں سے چھین لیا اور تقریباً دس برس تک اس جزیرہ نے خوب ترقی کی۔ قہوہ کی کاشت یہاں خوب ہوتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے یہ مشہور بھی بہت ہوا۔

لیکن اس جزیرہ پر فرانسیسی سلطنت کی بنا الفت و محبت پہ نہیں بلکہ ظلم اور تعدی پر پڑی تھی۔ اس لئے جلدی یہاں ایک انجمن قائم ہوگئی۔ جب فرانسیسی انقلاب کی خبر یہاں پہنچی تو حبشیوں نے حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور ۱۸۰۴ء کو فرانسیسیوں کو بادل ناخواستہ یہاں سے رخصت ہونا پڑا

یہ جزیرہ شروع ہی سے بدامنی اور بے چینی کا مسکن رہا ہے اسکا ایک بادشاہ کرسٹف بڑا ہی ظالم تھا اس نے سنہ ۱۸۱۱ء میں ایک بہت بڑا "قلعہ" تعمیر کرایا اور جب یہ "قلعہ" مکمل ہوگیا تو انجینیر کو قتل کرڈالا۔ تاکہ وہ کہیں اس قلعہ کے پوشیدہ راستوں اور تہ خانوں کے راستے کسی اور کو نہ بتائے۔ آج کل یہ قلعہ بالکل ویران پڑا ہے۔

ہیٹی کے حکمرانوں اور سیاست دانوں کی زندگی اکثر کم لیکن دلچسپ ہوتی ہے۔ اور موجودہ زمانہ کے بہت سے صدر یا تو مار ڈالے گئے یا قید میں ڈال دئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۵ء میں لوگوں نے صدر گیلم کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ جب وہ جان بچانے کے لئے بھاگا تو لوگ بھی اس کے پیچھے بھاگے۔ اس نے فرانسیسی قنصل خانہ میں پناہ لی۔ لیکن لوگوں نے اس کو پکڑ کر اسی جگہ مار ڈالا۔

فرانسیسیوں کے جانے کے بعد امریکہ والوں نے وہاں پر قبضہ کرلیا۔ لیکن انھوں نے ان کے خلاف بغاوت کردی۔ مگر چند روز کے بعد ان کا سردار پیرلیٹ مارا گیا۔ اور اسکے ساتھی پہاڑوں میں چلے گئے۔

ہیٹی اب شاہراہ ترقی پہ ہے۔ امریکہ والوں نے کئی اچھی سڑکیں اور مدرسے بنائے ہیں۔ تجارت میں بھی ترقی روز افزوں ہوتی ہے۔

اس جزیرہ کا دارالخلافہ پورٹ پرنس ہے۔ یہ شہر بہت خوشنما اور وسیع ہے۔

مکانات اگرچہ ناریل اور نارنگیوں کے درختوں سے گھرے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی شکل قدیم فرانس کے مکانات سے بہت ملتی جلتی ہے۔

چونکہ جزیرہ بہت زرخیز ہے اس لئے یہاں کے باشندے بہت کاہل ہوتے ہیں۔ کچھ کام نہیں کرتے۔ چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں میں رہتے ہیں۔ پڑھنا لکھنا خاک بھی نہیں جانتے۔

مرغ بازی ان کا خاص پیشہ ہے۔ اور ہر ایک آدمی کے پاس کئی کئی سو مرغ ہوتے ہیں۔

حکومت کا مذہب عیسائیت ہے۔ لیکن یہاں کے اصلی

باشندے ایک لکڑی کو پوجتے ہیں۔ اسے خوش کرنے کے لئے آدمیوں کی قربانی کی جاتی ہے۔

اس مقصد کے لئے خاص طور سے غلام خریدے جاتے ہیں اور ہفتہ میں ایک مرتبہ سب لوگ ایک بڑے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ یہاں سب حلقہ بناکر پاگلوں کی طرح خوب ناچتے کودتے ہیں۔ اور کئی گھنٹوں تک ایسا ہی کرتے ہیں۔ اتنے عرصہ میں وہ غلام جس کو قربانی کے لئے خریدا گیا وہ زنجیروں میں جکڑا رہتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب ہے۔

جب ان کا ناچنا کودنا ختم ہوجاتا ہے تو آگ جلائی جاتی ہے۔ اور اس گرفتار شدہ غلام کو زنجیروں میں سے کھول کر اسے آگ میں ڈال دیتے ایک دو منٹ کے بعد پھر نکال کر پھر آگ میں ڈال دیتے ہیں اور ایسا ہی کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت وہ آدمی بڑی سخت آہ وزاری کرتا اور چیختا چلاتا ہے۔ لیکن ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اس زمانہ میں بھی ان کی یہ وحشیانہ رسم ختم نہیں ہوئی ہے کوئی سفید آدمی اس رسم کو دیکھ نہیں سکتا۔ اول تو جانے کی اجازت مشکل ملتی ہے۔ دوسرے وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ جب ان کی حالت جنون تک پہنچ جاتی ہے تو ان کو برے بھلے کی تمیز تک نہیں رہتی۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۴) جاری رہا۔ آخر میں اگرچہ اسکے دانتوں سے سانپ کا منہ چھٹنے لگا اور جبڑے بالکل بے کار ہوگئے۔ لیکن بابر بہت ہی طاقتور اور مضبوط آدمی تھا۔ اس لئے دباتا ہی رہا۔ آخر میں اس نے دیکھا کہ دبانے سے کبھی کبھی سانپ کی گرفت ڈھیلی ہوتی ہے۔ تو اس نے پھر ایک دفعہ اور ہمت کی جب گرفت ہلکی ہوگئی تو اس نے اپنے ہاتھ نکال لئے اور تلوار قریب سے اٹھا کر سانپ کے ٹکڑے کرڈالے۔ لیکن اسکی گردن اب بھی بابر کے منہ کے اندر تھی۔ چنانچہ اس نے ایک لکڑی اٹھائی، پھر کھڑے ہوکر فوراً منہ کھولا اور اس میں سے سانپ کا سر اور گردن گری، فوراً لکڑی سے سر کو کچل دیا۔ فی الحقیقت یہ بہت ہی بڑا کام تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ آدھے میں میرے تمام فتوحات اور کارنامے ہیں!۔

انعامی کہانی

شرائط:-

۱۔ پیامِ تعلیم کے ایک صفحے کے برابر کوئی ایسی کہانی لکھی جائے۔ جس سے ہمدردی کا سبق ملتا ہو۔

۲۔ تمام کہانیاں ۱۵ر دسمبر تک مندرجہ ذیل پتہ پر پہنچ جانی چاہئیں۔

مدیر پیامِ تعلیم۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرولباغ۔ دہلی۔

۳۔ ہر ایک کہانی کے ساتھ ایک آنہ کا ٹکٹ آنا ضروری ہے۔

دو نہایت عمدہ کتابیں اول دوم کو انعام میں دیجائینگی۔

اڈیٹر کا فیصلہ آخری ہوگا۔

سائنس

ایسا کیوں ہوتا ہے

(ع)

اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو ہم روزانہ دیکھتے ہیں اور کئی کئی مرتبہ دیکھتے ہیں۔ لیکن ہم کبھی ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرتے جاہلوں کو تو جانے دیجئے کہ وہ کچھ بتا ہی نہیں سکتے۔ ہم میں سے اچھے خاصے پڑھے لکھے بھی اپنی زبان بند کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اگر ہم سوچیں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں چیز ایسی کیوں ہے۔ آج ہم پیام بھائیوں کو چند مزے کی باتیں بتاتے ہیں۔

تم روزانہ دیکھتے ہوگے کہ صبح و شام کے وقت ہمارا سایہ بہت طویل ہوتا ہے لیکن دوپہر کو ایسا نہیں ہوتا۔ تم نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا ہوگا۔ یہہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔ سایہ کی لمبائی یا کمی صرف سورج پر منحصر ہے۔ جوں جوں سورج بلند ہوگا ہمارا سایہ چھوٹا ہوتا جائیگا یہاں تک کہ جب سورج ہمارے سر پر آجائے گا تو سایہ بہت ہی چھوٹا ہو جائے گا۔ جب سورج ڈھلنا شروع ہو جائے گا تو سایہ بڑھنا شروع ہو جائے گا۔ اس کا تم تجربہ بھی آسانی سے کر سکتے ہو۔

ایک چراغ لو اور اسکو میز پر رکھکر کوئی چیز بھی اس کے سامنے گاڑ دو اور سایہ کو ناپو۔ اس کے بعد چراغ اوپر اٹھاتے جاؤ اور سایہ کو ناپتے جاؤ۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب چراغ میز پر تھا اس چیز کا سایہ لانبا تھا اور جوں جوں چراغ اوپر ہوتا گیا اس چیز کا سایہ بھی چھوٹا ہوتا گیا۔ بالکل یہی حال تمہارے سایہ کا ہے۔

تم نے شاید دیکھا بھی ہو اور اگر دیکھا نہیں تو اپنے بڑے بوڑھوں سے ضرور سنا ہوگا کہ جب بارش ہونے کے قریب ہوتی ہے تو مور خوب شور و غل کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ مور کو بارش کی اطلاع پہلے ہی سے ہو جاتی ہے۔ لیکن کیا یہہ ٹھیک ہے۔ کیا مور اتنی عقل رکھتے ہیں۔ اس سوال کا جواب بھی ہو سکتا ہے۔

پانی میں رہنے والے جانوروں کے سوا باقی تمام پرندے پانی سے دور بھاگتے ہیں تاکہ ان کے پر نہ بھیگ جائیں۔ مور تو بہت ہی خوبصورت جانور ہے۔ اس لئے وہ تو کبھی بھی نہیں چاہتا ہوگا کہ اسکے پر بھیگ جائیں۔ اس لئے خدا نے اسے اتنی عقل دی ہوگی کہ اس کو قبل از وقت بارش کا پتہ لگ جائے۔

تم نے پانی کو گرم ہوتے ضرور دیکھا ہوگا۔ اور یہہ بھی دیکھا ہوگا کہ جب پانی گرم ہوتا ہے تو اس میں سے بلبلے اٹھتے ہیں۔ یہہ کیوں؟

تم کو معلوم ہے کہ ہوا جب حرارت پاکر ہلکی ہوتی ہے تو اوپر کو اٹھتی ہے۔ پانی میں بھی ہوا ہوتی ہے۔ جب اس کو گرمی پہنچتی ہے تو پہلے کی نسبت ہلکی ہوکر اوپر کو اٹھتی ہے اور پانی میں سے اپنا راستہ بناتی ہے اسلئے پانی میں بلبلے اٹھتے ہیں۔

پارہ کو تم نے دیکھا ہوگا۔ عجیب چیز ہے۔ جب کوئی شخص بڑا بے قرار اور مضطرب ہوتا ہے تو تم کہتے ہیں "یہ آدمی کاہے کو ہے پارہ ہے"۔ پارہ کو ہم ہاتھ میں نہیں پکڑ سکتے۔ اسکی وجہ کیا ہے؟

اسکی وجہ بالکل صاف ہے۔ اس لئے کہ پارہ مائع ہے اور بہت بھاری چیز ہے۔ پارہ کے مختلف ذرے ہمیشہ ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ بس ہم پارہ کو انگلیوں سے اس لئے نہیں اٹھا سکتے کہ پارہ مائع ہے۔ جس طرح کہ ہم پانی کو انگلیوں سے نہیں اٹھا سکتے۔ بات یہہ ہے کہ ہم اس پر یقین نہیں کرتے کہ پارہ مائع ہے۔ کیا کسی نے کسی مائع چیز کو بھی آج تک انگلیوں سے پکڑا ہے۔

نظم

خودداری کا ایک سبق

(از مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

ایک کتے نے کہا یہ شیر سے بات کیا ہے مسلّم سارے جنگل پر جو سرداری تری
جانور جتنے ہیں سب تجھ کو مانتے ہیں بادشاہ جانتے ہیں گرچہ وہ فطرت ہے خونخواری تری
آدمی بھی کرتے ہیں عزت تری ہر اک طرح گو کہ ہے مشہور عالم مردم آزاری تری
ہے نشاں پر تیری صورت تیغ پر تیرا ہے نقش اسلحہ داری تری ہے اور علمداری تری
تو کسی کے بھی نہیں دنیا میں کام آتا کبھی کس لئے کرتے ہیں پھر سب ناز برداری تری؟
جانور جنگل کے تجھ کو دیکھ کر جاتے ہیں بھاگ کس قدر دہشت ہر اک کے دل پہ ہے طاری تری
تیرے ناخن میں وہ طاقت ہے بچ سکتا نہیں گر کسی پر چوٹ لگ جائے ذرا کاری تری
رحم کی نرمی کی تجھ میں بو نہیں ہے نام کو بلکہ ہے مشہور دنیا میں ستمگاری تری

دیکھتے ہیں جب ترے اس ظالمانہ کام کو
لوگ پھر عزت سے کیوں لیتے ہیں تیرے نام کو

برخلاف اسکے مجھے دیکھو کہ ہوں خدمت گذار ساری دنیا میں مسلّم ہے وفاداری مری
اپنے آقا کی حفاظت رات بھر کرتا ہوں میں پاسبانی کو ہے اس کی وقف بیداری مری
حکم پر میں اس کے ہر اک شے کا کرتا ہوں شکار کام آتی ہے نہایت تیز رفتاری مری
جب کہیں جاتا ہے تو رکھتا ہے مجھ کو ساتھ ساتھ کٹتی ہے خدمت میں اسکی عمر ہی ساری مری
جب کبھی جھڑکا تو بھاگا جب بلایا آگیا دیکھئے فرماں پذیری حکم برداری مری
پھر بھی ہے بدنام عالم میں ہر اک سو میرا نام ہر گلی کوچہ میں ہوتی ہے ذلت خواری مری
مارتا ہے کوئی پتھر کوئی ڈنڈے سے مجھے ایک بھی سنتا نہیں ہے گریہ وزاری مری
شیر نے سنکر دیا یہ مختصر اُس کو جواب میری عزت کا سبب ہے خاص خودداری مری

غیر کے ٹکڑے پہ رہتی ہے تری ہر دم نظر
اس لئے دنیا میں ہے تو خوار و رسوا دربدر"

قصے کہانیاں

بچپن کی تربیت کا اثر

از جناب اسمٰعیل محمد مدھا متعلم اسلامیہ نیشنل ہائی اسکول رنگون

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ کسی شہر میں ایک عورت کا ایک ہی بیٹا تھا اس کے اکلوتے بیٹا ہونے کے سبب سے وہ اسے بہت ہی چاہتی تھی۔ لڑکے کی کسی برائی پر اس کو کچھ کہتی ہی نہ تھی۔ ایک مرتبہ وہ لڑکا ایک ہمسائے کے ہاں سے مرغی کا ایک انڈا چرا لایا اسوقت بچہ کی اس بری عادت پر اس کی ماں نے مسکرا کر ٹال دیا۔ اس بات پر اس نے بالکل غور نہیں کیا کہ یہ بات آئندہ اگر اس کے لئے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوگی۔ اس طرح لڑکے کی عادت خراب ہوتی گئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ ایک بڑا خونی ڈاکو بن گیا۔ ایک مرتبہ اس خونی ڈاکو نے ایک امیر کے گھر پر رات کے وقت ڈاکہ مارا اور بہتوں کا خون کرکے وہاں سے بہت سا روپیہ لے کر بھاگ گیا۔ اتفاقاً راستہ میں ایک سپاہی نے اسے بھاگتے ہوئے پکڑ لیا اور تھانہ میں بند کرکے اسطرف کو گیا جہاں پر اس خونی ڈاکو نے ڈاکہ مارا تھا۔ جب وہاں پہنچا تو وہاں ایک اور لاش پڑی تھی اور مالک مکان ایک کونے میں بے ہوش پڑا تھا۔ اسے ہوش میں لاکر تمام حال دریافت کیا۔ جب صبح ہوئی تو یہ معاملہ بادشاہ کے پاس پہنچا۔ اور بادشاہ نے حکم دیا کہ اس خونی ڈاکو کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔

جب پھانسی کے تختے پر چڑھانے لگے تو حسب دستور اس سے کہا کہ تمہاری کوئی خواہش ہے تو کہو۔ اس کو پورا کر دیا جائے گا اس نے کہا کہ مجھے اپنی ماں سے کچھ بات کرنی ہے۔ اس کی خواہش پر اسکی ماں اس کے سامنے لائی گئی۔ تو اس نے اپنا منہ اپنی ماں کے کان کی طرف بڑھایا اور اپنی ماں کا کان بہت تیزی سے کاٹ لیا۔ بے چاری بڑھیا بے ہوش ہوکر گر پڑی۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ تیری ماں نے تیرا کیا بگاڑا تھا کہ مرتے وقت اپنی ضعیف ماں کو مصیبت میں مبتلا کیا۔

تب اس نے کہا کہ اگر میری ماں پہلے روز جب میں نے ایک انڈا چرایا تھا مجھے سزا دیتی اور روکتی تو میں آج ہرگز پھانسی کی نوبت کو نہ پہنچتا۔

پیام بھائیو! اس قصہ سے معلوم کر سکتے ہو کہ جو عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ بعد میں کسی طرح درست نہیں ہو سکتی اور اسکا خمیازہ آخر بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ جسطرح ایک درخت کا پودا جب اگتا ہے تو اسے جسطرف چاہو موڑ سکتے ہو۔ لیکن جب وہ پودا بڑا ہو جاتا ہے تو اسے ہرگز موڑ نہیں سکتے۔

لہذا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے بھائی بہنوں کی روزمرہ کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی ان کی آئندہ بہتری و برتری کو مدنظر رکھیں۔ بیٹھنے، چلنے، بولنے کی تعلیم کے ساتھ ہی انہیں ادب اخلاق راستی و ہمدردی کی تعلیم بھی دیتے رہیں تاکہ وہ بڑے ہوکر ادب۔ خلیق راست گو بنیں اور دین و دنیا میں اپنا نام روشن کریں۔

دو شہزادیوں کا قصہ

جناب محمد عبدالقیوم صاحب فرخ آبادی

بہت عرصہ گذرا کسی شہر میں ایک بادشاہ رہتا تھا اس کی شادی ہوگئی اس کی دو لڑکیاں تھیں۔ جب اسکی بیوی راہی عدم ہوئی۔ دو برس بعد دوسری بیوی نے آکر اپنا قبضہ جما لیا۔ لڑکیوں پر سخت برتاؤ سے پیش آتی تھی۔ لیکن بادشاہ اپنی بیوی کی محبت کی وجہ سے کچھ نہ کہتا تھا۔ اس کی مرضی کے مطابق لڑکیوں کے ساتھ برا برتاؤ کرنے دیتا تھا۔

اس لئے وہ لڑکیاں بہت مصیبت زدہ ہوگئیں۔ ایک لڑکی نے دوسری سے کہا کہ "اب ہم کو یہاں زیادہ ایام تک نہ رہنا چاہئے بلکہ جنگل کی طرف چلنا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی ہم لوگوں کی خبر تک نہیں لیتا کہ ہم رہیں یا یہاں سے چلے جائیں"۔

پس وہ دونوں جنگل کیطرف روانہ ہوئیں۔ عرصہ تک جنگل کے پھلوں کو کھا کر زندگی بسر کرتی رہیں۔ اور بہت دنوں تک ادھر اُدھر گشت کرنے کے بعد ایک خوبصورت اور عالیشان محل کے قریب پہنچیں۔ یہہ محل کسی دیو کا تھا۔ جو کہ کہیں سیر کے لئے گیا تھا۔ دونوں دروازے کے اندر داخل ہوئیں۔ وہاں جاکر کچھ پکا کر دونوں نے سیر ہوکر کھایا۔ پھر اسکے بعد انہوں نے تمام کمروں میں جھاڑو دی اور سب کمروں کو کرسیوں، میزوں سے آراستہ کیا۔ یہہ سب کام کر ہی رہی تھیں کہ یکایک دیو اور اس کی بیوی واپس آئے۔ تب وہ دو شہزادیاں خوف زدہ ہوگئیں اور بھاگ کر چھت پر چھپ گئیں۔

جب دیو گھر میں داخل ہوا۔ اس نے چاروں طرف صفا اور آراستہ مکان دیکھا۔ تو اس کو بہت تعجب ہوا۔ اس نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ کیا یہ سب تم نے صاف کیا ہے؟۔

اس نے جواب دیا "نہیں میں نہیں کہہ سکتی کہ یہہ سب کس نے کیا۔"

آخر کار ان دونوں دیووں کو بہت شدت کی پیاس لگی۔ اور وہ دونوں نزدیک کے کوئیں سے پانی بھرنے اور پینے گئے۔ کنوئیں میں گھڑے ڈال کر پانی کھینچنے لگے۔ یہہ دونوں شہزادیاں جو ان دونوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھیں اور ڈر رہی تھیں۔ ان میں سے چھوٹی شہزادی بہت ہوشیار اور چالاک تھی۔ چپکے چپکے دبے پاؤں کوئیں تک گئی۔ اور دیو کی ایڑی پکڑ کر اسے اس زور سے دھکا دیا کہ دونوں دیو کنویں کے اندر داخل ہوئے اور موت ان کے اوپر سوار ہوگئی۔ یہاں تک کہ دونوں پانی میں اچھلتے اور اوٹتے ہوئے دنیا سے کوچ کر گئے۔

اب یہہ شہزادیاں اتنی خوش و خرم تھیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اب تو وہ دونوں چین سے زندگی بسر کرنے لگیں۔ اس محل پر انھوں نے اپنا قبضہ جما لیا۔ اسکے اندر ان کو بیش قیمت جواہرت، چاندی اور سونا ملا۔ کئی دن تک وہ اس محل کے اندر رہیں۔ اس محل کے چاروں طرف دیو کی بھیڑوں کا گلہ کی رہنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ چھوٹی شہزادی جو بہت چالاک تھی۔ چراگاہ چرانے کی غرض سے بھیڑوں کو لے جاتی۔

ایک دن چھوٹی شہزادی اپنی بڑی بہن سے کہنے لگی۔ کہ اگر کوئی اجنبی شخص تم کو دور سے دکھائی دے تو اپنے تئیں جہانتک ممکن ہو چھپانا۔ کسی کو یہ پتہ نہ چل سکے کہ ہم لوگ کہاں رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آئے اور پانی کے لئے التجا کرے تو تم اپنے منہ میں کوئلہ لگا کر اور پھٹے کپڑے پہن کر اس کو پانی دینے جانا۔ تم اگر ایسا نہ کروگی تو وہ شخص بوجہ خوبصورتی تم سے اپنی شادی کرے گا اور تم اس کی بیوی ہوجاؤگی۔ اگر تم چلی گئیں تو ہم کو دیکھنے کو نہ ملوگی۔

دوسری بہن نے جواب دیا "میں تمہاری رائے کے موافق عملدرآمد کرونگی"۔

بہت زیادہ عرصہ گزر گیا اور اس راستے سے کوئی نہیں گزرا آخر کار ایک دن جب چھوٹی شہزادی باہر چلی گئی تھی۔ ایک نوجوان شہزادہ جو کسی دوسرے شہر کا بادشاہ تھا جو کئی دن سے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شکار کھیل رہا تھا۔ پانی کی تلاش میں اس محل کے پاس آیا۔

جب شہزادہ نے اس محل کو اکیلا جنگل میں دیکھا تو اسے بہت تعجب ہوا اور کہنے لگا۔

"یہ ایک تعجب کی بات ہے کہ کسی نے ایسا خوبصورت اور عالیشان محل اس گھنے جنگل میں بنوایا۔"

آؤ اسکے اندر چلیں اور کچھ تھوڑا سا پانی پئیں۔ اسکے خادموں نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں اندر مت جاؤ بہت ممکن ہو یہہ مکان کسی دیو کا ہو" شہزادے نے جواب دیا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گھر میں کوئی خوفناک جانور رہتا ہے وجہ یہہ ہے کہ یہاں سب سناٹا معلوم ہوتا ہے"

یہ کہہ کر وہ دروازے کو کھٹکھٹانے لگا اور چلانے لگا کہ کوئی اس

گھر کا مالک ہو تو مجھ کو مہربانی کر کے پانی پینے کو دیوے۔ مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ وجہ یہہ تھی کہ شہزادی نے جیسے ہی آواز سنی وہ اپنے کمرے میں جاکر پھٹے ہوئے کپڑے پہننے لگی اور اپنے مُنہ کو کوئلے سے تمام کالا اور بدشکل کر لیا۔ بیچارہ شہزادہ بے صبر ہو گیا اور چلنے کو ہی تھا کہ شہزادی پانی کا گھڑا لئے ہوئے جلدی سے سیڑھیوں کے نیچے آئی اور دروازے کو کھول کر شہزادے کو پانی پینے کی صراحی دی۔ لیکن کچھ بول نہ سکی کیونکہ وہ خوف زدہ تھی۔

شہزادہ بہت چالاک آدمی تھا جب صراحی کو اس نے مُنہ سے لگایا تو دل میں خیال کیا کہ عورت بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہے اور یہہ بھیس جو اس نے بدلا ہے وہ فرضی اور بناوٹی معلوم ہوتا ہے۔ یہہ کہکر شہزادہ نے صراحی کا پانی اسکے مُنہ پر ڈال دیا تو اس کا چہرہ بالکل صاف اور خوبصورت نظر آنے لگا شہزادہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ مجھے صحیح حال بتاؤ ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔ شہزادی نے ڈر کے مارے سارا حال اس سے بیان کیا لیکن اپنی چھوٹی بہن کو ظاہر نہ کیا۔ عرصہ تک وہ برابر روتی رہی۔ آخر کار شہزادے نے اسے تسلی دی اور کہا "ڈرو نہیں"

شہزادی کو پالکی میں سوار کرا کر محل کی طرف روانہ ہوا۔ وہ راستے بھر روتی گئی۔ آخر کار وہ سوچنے لگی کہ کوئی ایسی ترکیب کرنا چاہئے جس سے میری بہن مجھ کو ڈھونڈ لے۔ بس اس نے اپنے گلے کا موتی کا ہار نکال کر اس کو کھول ڈالا اور اپنی ساڑھی کو پھاڑ کر ایک ایک راستے بھر ڈالتی ہوئی گئی۔ آخر میں اس نے محل کے قریب ایک موتی ڈال دیا۔ شہزادے کے ماں باپ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور شہزادی کو کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔

اب سنئے چھوٹی بہن کا حال:۔

جب شہزادی واپس آئی تو اس نے اپنی بہن کو چاروں طرف ڈھونڈا مگر نہ پایا۔ اس سے اسکے دل میں شک پیدا ہوا اور وہ خوب روئی۔ کوٹھے پر گئی اس کی بہن وہاں بھی نہ ملی۔ آخر ڈھونڈتے ڈھونڈتے رات آگئی اور وہ سو گئی۔

صبح تڑکے اٹھی اور اپنی بہن کی تلاش میں روانہ ہو گئی۔ اس کو وہ سب موتی بھی ملتے گئے جو کہ بڑی بہن راستے میں ڈالتی ہوئی گئی تھی۔ جب اس کو ننانوے موتی ملے اور ایک محل کے پھاٹک کے پاس ملا۔ اب اس کو یقین ہو گیا کہ میری بہن یہیں ہے۔ یہہ شہزادی جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی عقلمند بھی تھی۔ اس نے بہت چالاکی سے بچایا۔ کئی دن تک اپنے آپ کو ظاہر نہ کیا۔ لیکن ایک دن جب اسی شہزادے کا بھائی اسکی نظر پڑا۔ وہ شہزادہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اس کو محل میں لے گیا اور اپنے والدین سے شادی کرنے کی التجا کی۔ آخر کار شادی ہو گئی۔

بڑی بہن چھوٹی بہن سے مل گئی اور دونوں ملکر بہت خوش ہوئیں اسی محل میں دونوں شہزادیاں اور ان کے شہزادے چین سے زندگی بسر کرنے لگے۔

بادشاہ اور بڈھا کسان

نوشیروان جو کہ فارس کا بادشاہ تھا۔ ایک روز سیر و تفریح کے لئے اپنے محل سے نکلا۔ اسکے ساتھ وزیر بھی تھا۔ وہ گھومتے گھومتے ایک بڈھے کسان کے قریب پہنچا۔ جو کہ زیتون کے درخت لگا رہا تھا۔ کسان نے بادشاہ کو دیکھتے ہی کام چھوڑ دیا۔ اور آداب شاہی بجالا کر ایک طرف گردن جھکائے چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ یہہ دیکھ بادشاہ نے اس بڈھے سے یہ سوال کیا کہ اے شخص تو جو یہہ درخت لگاتا ہے اس سے تجھ کو کیا فائدہ پہونچے گا۔ کیونکہ یہہ درخت دیر میں بڑھنے اور پھل لانے والا ہے۔ جب تک یہہ بڑھے اور پھلے گا اس وقت تک تو شاید دنیا سے بھی چل بسے گا۔ یہہ سن کر بڈھے کسان نے گردن اٹھائی اور جواب دیا۔

اے غریب پرور! یہہ درخت میں اس لئے لگا رہا ہوں کہ اس کا پھل میرے بعد والے اسی طرح کھائیں جس طرح مجھ سے پہلے والوں نے درخت لگائے اور ہم نے اسکے پھل کھائے۔

یہہ سنتے ہی بادشاہ خوش ہو گیا اور وزیر کو حکم دیا کہ اس بڈھے کو ایک توڑا اشرفیوں کا دیا جائے۔ وزیر نے سنتے ہی ایک توڑا اشرفیوں کا منگا کر اسکے حوالہ کیا۔ اس رقم کے ملتے ہی وہ غریب بہت خوش ہوا اور پھر بادشاہ سے کہا:۔

"اے بندہ پرور! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ" اس درخت نے پھل لانے میں کتنی جلدی کی"

یہ جملہ سنتے ہی بادشاہ مسکرایا اور حکم دیا کہ اسکو ایک دوسرا توڑا اشرفیوں کا دیا جائے

وزیر نے بحکم شاہی ایک دوسرا توڑا اشرفیوں کا منگا کر اس بڈھے کو دیا۔ جب اس کو یہ دوسرا توڑا بھی مل گیا تو اب وہ پھولے نہیں سماتا تھا۔ اور خوشی خوشی بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

جہاں پناہ! زیتوں کا درخت نو سال میں صرف ایک ہی مرتبہ پھل لاتا ہے۔ لیکن کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یہ درخت ایک لمحہ کے اندر ہی اندر دو بار پھل لا چکا۔

یہ سنتے ہی بادشاہ ہنس پڑا اور حکم دیا کہ اس بڈھے کو ایک تیسرا توڑا بھی اشرفیوں کا دیا جائے۔ حکم کے مطابق ایک تیسرا توڑا بھی اسے دیا گیا۔

اس کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ یہاں سے جلدی واپس چلو ورنہ یہ عجیب بڈھا اسی طرح تمام خزانہ خالی کر دے گا۔

بھائیو! اس قصے سے ہمیں نصیحت حاصل کر لینی چاہئے اس بڈھے کو دیکھو تو اس نے ایک عجیب مثال دنیا میں دوسروں کے فائدے کے لئے چھوڑی ہے۔ جو شخص ایک کام صرف اپنے فائدہ کے لئے کرے گا۔ اسکا پھل صرف وہی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو اس سے کوئی نفع نہیں ہوگا۔ جس سے دنیا ایک قدم بھی ترقی کی راہ پر نہ چل سکے گی لیکن ایک شخص جو ایک کام دوسروں کے فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اس کا بدلہ اسے کافی سے زیادہ دے دیتا ہے۔ اور اس سے دوسرے بھی فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ جس سے دنیا بھی ترقی کی راہ میں اپنا قدم بڑھاتی ہے۔

لطیفے

ایک معلم صاحب اپنے شاگرد رشید کو ہمیشہ بفصاحت گفتگو کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ اتفاقاً چلم سے ایک روز ایک چنگاری اڑ کر معلم صاحب کی دستار مبارک پر جا پڑی۔

شاگرد رشید حسب تعلیم معلم صاحب بآواز نرم نہایت فصاحت سے گویا ہوئے کہ "جناب استاذ مولانا مقتدانا قبلہ و کعبہ ام حضور کی دستار عصمت آثار پر ایک اخگر ناہنجار شرر بار آتشکدہ چلم سے پرواز کر کے شعلہ افگن ہے۔

اتنے عرصہ میں پگڑی صاف ہو کر آگ نے جلد فرق مبارک کی خبر لی۔ معلم صاحب دونوں ہاتھوں سے سر ملتے ہوئے بولے کہ:۔

"اے نابکار کیا یہی موقعہ فصاحت بیانی اور طول کا تھا۔ تیری قافیہ گردانی پر خاک پڑے میری تو حیثیت ہی تو نے بگاڑ ڈالی"۔

جواب دیا حضور ہی کی ہدایت تھی۔

ایک بخیل کے پاس ایک ظریف کو جو کہ بخیل کا رشتہ دار تھا کسی ضرورت سے جانا پڑا۔ بخیل نے بہت کچھ چاہا کہ کھانا کھلانے سے پیشتر اس کو روانہ کر دے لیکن کوئی حکمت کارگر نہیں ہوئی۔ چار ناچار کھانا دینا پڑا۔ غرض کہ کھانے کے وقت ایسی باتیں شروع کیں کہ شرمندہ ہو کر کھانا نہ کھائے۔ یعنے کہنے لگا کہ:۔

"مسٹر سلطان صاحب جو کہ دسمبر کی پہلی تاریخ کو تشریف لائے تھے غضب کے کھانے والے تھے" یعنے ایک روٹی کے دو لقمے کرتے تھے۔

ظریف ہنسکر بولا وہ تو بیوقوف تھے، ہمارا آپ کا تو رشتہ داری کا معاملہ ہے۔ "توڑ تاڑ نا" کیا بات ہے صرف دو روٹی کا ایک لقمہ جیسا کہ ہم کرتے ہیں ہونا چاہئے۔

محمد عبد القیوم صاحب
فرخ آبادی

زنگی قلم

سالہا سال سے ہزاروں زنگی قلم ہندوستان کے ہر حصہ میں ہر قسم کی آب و ہوا میں اور ہر قسم کی نوشت و خواند میں استعمال ہو رہا ہے تقریبًا چالیس ہزار زنگی قلم کے استعمال کرنے والے زنگی قلم کے پائیدار اور کارآمد ہونیکا ثبوت دے رہے ہیں۔ زنگی قلم کا ہر ایک پرزہ قلم میں لگائے جانیسے پہلے نہایت غور سے پاس کیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک زنگی قلم مکمل ہونے پر تقریبًا تین الفاظ لکھنے کے بعد پاس ہوتا ہے اور اسکے بعد بھی ہر ایک زنگی قلم کے خریدار کے پاس روانگی سے پہلے دوبارہ آزمایا جاتا ہے۔ کہ وہ خریدار کے خاص کام روش اور ہاتھ کے دباؤ کے لئے مناسب ہے یا نہیں۔ اور ہر ایک خریدار کو حق دیا جاتا ہے کہ تاریخ رسید سے پورے ایک ہفتہ تک بالکل اطمینان سے جس طرح چاہے استعمال کرے اگر ذرا بھی حسب منشا کام نہ کرے تو فورًا کارخانہ کو واپس کر دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زنگی قلم کا دشمن کوئی بھی نہیں ہے اور علاوہ اشتہار کے خود استعمال کرنیوالوں کی سفارش پر ہی زنگی قلم کی شہرت اور فروخت کا زیادہ انحصار ہے۔ آپ فورًا ہی۔ بالکل اطمینان خاطر سے آج ہی ایک زنگی قلم ایک ہفتہ کی آزمائش پر بشرط ویلیو پی منگائیں۔ کیونکہ راستہ کی ٹوٹ پھوٹ اور ایک ہفتہ تک استعمال کی تمام ذمہ داری کارخانہ پر ہے۔ اس لئے آپکا کوئی نقصان کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ قیمت چھ روپے چار آنے ہے

بہتر ہے کہ زنگی قلم کے ساتھ ہی ایک گردس زنگی دیسی سیاہی کے قرص قیمت ۱۲/ اور ایک زنگی لیور کلپ قیمت ۸/ منگالیں تاکہ آپ کم از کم ایک سال کے لئے بالکل بفکر ہو جائیں۔

زنگی قلم کمپنی نمبر ۲۶ ایجرٹن روڈ دہلی

بقائے صحت کی

نو ایجاد مشین

زمانۂ حال کی خصوصیات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ نہ صرف موت کا مقابلہ بہتر اور زیادہ کامیابی سے ہو رہا ہے بلکہ شباب کے قیام اور عود کی طرف بھی زیادہ توجہ کیجا رہی ہے پچیس برس پہلے جو لوگ پہاڑوں پر جانے کے فائدے سے بالکل ناآشنا تھے۔ آج وہ ہر سال پہاڑوں پر جاکر شباب اور حیات دونوں کی مدت میں اضافہ کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ سرسبز پہاڑوں پر سورج کی روشنی سے بنفشئی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں، وہی اس شباب اور حیات کی توسیع کا باعث قرار دی گئی ہیں۔ پہاڑوں کے پھل اور میوے ہمیشہ سے صحت اور قوت بخش سمجھے جاتے تھے آج یہ راز افشا ہو گیا ہے کہ وہ بھی شعاع بنفشہ کو مہینوں تک پختگی کے وقت تک جذب کرکے اس قدر مفید ہو جاتے ہیں۔

آج بنفشئی شعاع کے مفید ثابت ہو جانے کے بعد سائنس والوں نے ہر گھر میں اسکو لیجانے کی کوشش کی ہے۔ ایک بجلی کے آلہ سے اسکو مصنوعی طور پر پیدا کیا جاتا ہے اور نہ صرف قوت حسن، شباب اور توسیع حیات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے بلکہ فالج گٹھیا۔ ورم۔ درد۔ پھوڑے وغیرہ کے علاج میں بھی بے مثل نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے ہر گھر میں ایک مشین کا رہنا نہایت ضروری ہے جہاں بجلی نہیں ہے وہاں بنفشہ شعاع سے مس کی ہوئی اشیا لگانے و رہنے سے بھی بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ جن طلبا کی نشو و نما میں کمی ہو یا حافظہ خراب ہو یا نیند اور ہضم میں کمی محسوس ہوتی ہو تو ملاقات یا خط و کتابت کریں۔

زنگی قلم کمپنی (وایولٹ رے انسٹی ٹیوٹ) ایجرٹن روڈ۔ دہلی

بچو! یہہ تصویر مہاتما گاندھی کی زمانہ تعلیمی کی ہی۔ اب وہ ایسی نہیں — وطن کی خاطر انہوں نی اپنی آرام کی زندگی ترک کردی ہی — نہ انگریزی مال ہیں نہ سوٹ اور نہ ٹائی — ایسی شخص کی زندگی جس نی دکھی وجہہ سی اپنی لئی آرام کی بجائی تکلیف پسند کی ہی ضرور پڑھنا چاہئی — تمہیں تعجب ہوگا کہ انہوں نی ایسی سخت زندگی کیوں پسند کی اس کا جواب تم کو ان کی سوانح حیات میں ملیگا جو خود انہوں نی گجراتی زبان میں لکھی ہی اور اس کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نی

تلاش حق

کی نام سی کیا ہی — اس کتاب میں مہاتما جی کی اس تصویر کی علاوہ اور بھی بہت سی تصویریں ہیں — ضخامت سات سو

صفحات سی زیادہ ہی — یہہ کتاب دو جلدوں میں بہت خوبصورت چھپی ہی اور دونوں جلدوں کی قیمت صرف دو روپیہ ہی —

ملنی کا پتہ

(۱) مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

(۲) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (سول ایجنٹ جنوبی ہند)

(۳) قرنلک برادرس اینڈ کمپنی چاندنی چوک دہلی (سول ایجنٹ یو-پی)

(٤) ایس چند اینڈ برادرس متصل فوارہ دہلی (سول ایجنٹ دہلی)

ایڈیٹر — سعید انصاری طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-
مطبع جامعہ ملیہ اوکھلا نئی دہلی

پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

لیجئے صاحبان پھر ہماری سالانہ رعائت کے دن آگئے
کارخانہ
ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ
دی پنجاب چیمپئن آف سپورٹس شہر سیالکوٹ کی تیرہویں سالگرہ کی خوشی میں
عظیم الشان رعایت کی بادنسیم کا تیرھواں سالانہ جھونکا
ایکروپیہ کا مال صرف بارہ ۱۲ آنے میں
ساتھ ہی سامان کھیل کے عمدہ مضبوط، خوبصورت دیرپا نفیس اور ارزاں ہونے کی گارنٹی
رعایت کے صرف دو ماہ نومبر اور دسمبر ۱۹۳۰ء
ممتاز ناظرین! حسب دستور سابق ہم نے اپنی تیرہویں سالگرہ کی خوشی میں آپ صاحبان کو شامل کرنے کے لئے اپنے تیار کردہ لاثانی سامان کھیل مثلاً کرکٹ، فٹ بال، والی بال، باسکٹ بال، ہاکی، ٹینس، بیڈمنٹن اور جمناسٹک وغیرہ جملہ سامان کھیل کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت کر دی ہے یعنی بمیعاد مندرجہ صدر کے اندر اندر ایک روپیہ کا مال بارہ آنے میں دینا منظور کر لیا ہے۔ علاوہ اس کے سامان کے نیا تازہ اور مضبوط ہونے کی گارنٹی یعنی ذمہ داری ہے۔
ہمارا سامان کھیل عرصہ تیرہ سال سے مستقل طور سے ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں اور کلبوں میں بکثرت خریدا جاتا ہے جس کی عمدگی اور ارزانی قیمت کی وجہ سے بیشمار سرٹیفکٹ ملنے کے علاوہ ہزار ہا مستقل خریدار بن چکے ہیں جو اصحاب ایک مرتبہ بھی ہم سے معاملہ کر چکے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دروغ گوئی ہمارا شیوہ نہیں اس لئے ہم اپنے تیار کردہ سامان کھیل کی نسبت تمام تعریفی الفاظ کو نظر انداز کر کے صرف اتنا لکھنا کافی خیال کرتے ہیں کہ ملک نے یک زبان ہو کر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کے سامان کھیل سے عمدہ اور بارعایت سامان کھیل کسی دوسری جگہ سے ملنا ناممکن ہے۔ اور پھر آج کل جبکہ ہم بالکل نفع کے برابر نثار رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے پرانے گاہکوں اور دیگر نئے اصحاب کو ہمارے اس رعایتی اعلان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہئے۔
ذیل میں فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر سالگرہ کی خوشی میں ۴ر فی روپیہ کے حساب سے رعائت دی جائیگی حسب ضرورت لکھکر طلب کریں
فہرست سامان ہاکی
فہرست سامان کرکٹ
فہرست سامان فٹ بال
فہرست سامان والی بال

قیمت سالانہ عہ

رسالہ پیامِ تعلیم

قیمت فی پرچہ ۱ر

جلد ۱ — ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

جاپان میں ایک جدید طرز کا مدرسہ

(از مسٹر سلویا ان بکرکن ڈربی کینڈی)

(ترجمہ سید نصیر احمد صاحب)

جاپان کی سیر و تفریح کے دوران میں مجھے ٹوکیو اور اس کے مضافات میں بہت سے مدرسے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ سب کے سب بالکل دوسرے ممالک کے مدرسوں کی طرح ہیں جن میں طلبا کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور ہر طالب علم کی نگہداشت اور نگرانی میں بغیر سخت نظام کے کافی دقت کا سامنا رہتا ہے۔ لیکن ایک مدرسہ میں بچے اور بچیوں کے بنائے ہوئے نقشوں اور مٹی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔

مسز ہانی کا یہ مدرسہ دوسرے مدرسوں سے بالکل الگ ہے اور اس کی خصوصیات سے میں پہلے ہی واقف ہو چکا تھا اس لئے ایک دن مقرر کر کے میں اور میرے چند ساتھی وہاں جانے کے لئے تیار ہو گئے پھاٹک دروازہ پر مدرسہ کی بڑی لڑکیوں نے ہمارا استقبال کیا اور صاف شستہ انگریزی میں مجھ سے کہا کہ مسز ہانی اس وقت مصروف ہیں لیکن

تھوڑی دیر کے بعد ہم سے مل کر خوش ہوئیں۔ انہوں نے مجھے تمام مدرسہ کی سیر کرائی۔ اس مدرسہ کا نقشہ امریکہ کے ایک صناع نے بنایا تھا اور اسے بنے ہوئے دس سال گذر گئے ہیں۔ مدرسہ تقریباً مثلث شکل کا ہے جس کے بیچ میں سبز گھاس کا میدان ہے۔ پڑھنے کے کمرے وسیع، صاف اور ہوادار ہیں۔ موسیقی کا کمرہ بڑا خوبصورت ہے۔ دارالطعام بھی بہت وسیع ہے جس میں تین سو آدمیوں کی گنجائش ہے۔

اس مدرسہ کی خوبیوں سے آگاہ ہونے سے پہلے مسز ہانی کی زندگی کا تذکرہ ضروری ہے۔ مسز ہانی اپنے ملک کی اجتماعی زندگی میں بہت دلچسپی لیتی تھیں اسی لئے مختلف اخباروں میں انہوں نے مضامین لکھنے شروع کئے جو خاص طور سے عورتوں کے لئے اصلاح کے لئے بہت کچھ کیا۔ اسی دوران میں مسز ہانی نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔ اس اخبار سے علیحدہ ہونیکے بعد کئی سال تک میاں بیوی ایک ماہوار رسالہ نکالتے رہے جس کا نام ہوم فرینڈ Home Friend تھا۔ ۱۹۲۱ء میں اس علان کی وجہ سے کہ مشن اور سرکاری مدارس لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جوان کا جی چاہے نہیں کر سکتے مسز ہانی ایک نیا مدرسہ قائم کرنے پر مجبور ہوئیں۔

پہلے اس مدرسہ میں تیس لڑکیاں تھیں اب تین سو ہیں۔ لڑکیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر بہت سی زمین خرید لی گئی تھی۔ اب یہاں مسز ہانی کے مکان کے علاوہ ایک دارالاقامہ ہے جس میں ۸۰ لڑکیاں رہتی ہیں۔ ایک ابتدائی مدرسہ جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں کی تعلیم کا انتظام ہے گذشتہ سال کھولدیا گیا ہے۔ انہیں اُمید ہے کہ وہ دن دور نہیں جب لڑکوں کے لئے ایک ہائی اسکول اور ایک یونیورسٹی بھی بن جائیگی لڑکوں اور لڑکیوں کے والدین مسز ہانی کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں اور مدرسہ سے بہت دلچسپی لیتے ہیں۔

مسز ہانی کا قول ہے کہ اگر ایک خاندان کا ہر اک فرد اپنے مکان کی ضروریات پورا کرنے کے لئے تھوڑا سا بھی کام کرے تو کسی ملازم کی ضرورت نہیں رہتی۔ مسز ہانی کے مدرسہ میں اس کا تجربہ کیا گیا ہے اور کامیاب رہا ہے۔ اگرچہ اس مدرسہ میں کسی لڑکی کو گھر کا کام نہیں کرنا پڑتا تا اکثر لڑکیاں امیر گھرانوں سے تعلق رکھتی ہیں لیکن اس پر بھی مدرسہ میں کوئی نوکر یا ملازم نہیں ہے۔ لڑکیاں ہر ایک قسم کا کام کرتی ہیں۔ باغبانی کا کام تک اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی ہیں۔ مدرسہ کی لڑکیوں کی زندگی ہانی سے بہت کو معلوم ہوگی۔ سب لڑکیاں چند جماعتوں میں منقسم ہیں۔ صبح ساڑھے پانچ بجے سب کو اُٹھنا پڑتا ہے۔ ایک جماعت نصف گھنٹہ تک دارالاقامہ کے کمروں کو صاف کرتی ہے اور دوسری جماعت باورچی خانہ میں جاکر ناشتہ تیار کرتی ہے اور چھ بجے تمام لڑکیاں ناشتہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں برتنوں کو صاف کرنے کے بعد سات بجے مدرسہ جانیکی تیاری ہوتی ہے اس سے پیشتر ہی وہاں دو لڑکیاں مدرسہ کھول کر تمام سامان درست کر دیتی ہیں اور مدرسہ کھولنا اور بند کرنا بھی ان کا فرض ہے۔ ساڑھے سات بجے مدرسہ کی صفائی ہوتی ہے اور آٹھ بجے تمام لڑکیاں دعا میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

جاپان میں تعلیم تین حصوں میں منقسم ہے۔ چھ سال کی لڑکی کو پانچ سال تک ابتدائی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد پانچ سال تک ثانوی تعلیم ہوتی ہے جس میں ہر لڑکی تین یا چار مضامین انتخاب کرنے پڑتے ہیں۔ بعد ازاں دو سال تک اعلیٰ تعلیم کا نصاب ہے اور انیس برس کی عمر کی لڑکیاں فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ چھوڑ دیتی ہیں۔ مسز ہانی کے مدرسہ میں لڑکیاں دو سال اور رہ کر منتظمین کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم ۹ بجے سے سہ پہر تک رہتی ہے جس میں بیس منٹ کا وقفہ ہوتا ہے۔ شام کو بعض لڑکیاں موسیقی سیکھتی ہیں اور بعض ورزش وغیرہ کرتی ہیں۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد نو بجے تک پڑھنا لازمی ہے۔

کھانے کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی ہے جس میں اسٹاف کے چند اراکین کے علاوہ تین لڑکیاں بھی شامل ہوتی ہیں۔ یہی کمیٹی فیصلہ کرتی ہے کہ کیا پکیگا اور جنس وغیرہ کہاں سے خریدی جائے۔ سب حساب لڑکیاں ہی رکھتی ہیں۔ اس معاملہ میں کفایت شعاری کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی جاتی ہے۔ لڑکیوں کی صحت بہت عمدہ رہتی ہے ان سے توقع کیجاتی ہے کہ گھروں پر جاکر وہ انہیں اصولوں پر عمل کریگی

جب ہم تمام مدرسہ کا چکر لگا چکے تو ہماری ایک پستہ قد خاتون سے ملاقات کرائی گئی۔ یہی مسز ہانی تھیں۔ مسز ہانی انگریزی نہیں جانتیں اس لئے تمام گفتگو ایک ترجمان کے ذریعہ ہوئی۔

دوپہر کے وقت ہم دار الطعام میں گئے۔ یہاں تمام لڑکیاں جمع تھیں۔ سب سے پہلے مدرسہ کی خبروں وغیرہ کے متعلق پوچھا گیا اور ہر ایک کی شکایت رفع کی گئی۔ اس کے بعد اخبارات سے اہم خبریں پڑھکر سنائی گئیں، پھر کھانا شروع ہوا۔ ہمارے لئے خاص طور سے مغربی کھانا تیار کیا گیا تھا کھانا کھانے کے بعد ہمیں تقریریں کرنا پڑیں جن کا ترجمہ ایک لڑکی نے جاپانی زبان میں کیا۔ اس وقت میں ہاتھ سے بنے اور کتے ہوئے کپڑوں میں ملبوس تھا اس لئے لڑکیوں نے اس میں بہت دلچسپی لی۔ کاتنا مدرسہ میں حال ہی سے شروع ہوا ہے۔

جب تین ہفتہ بعد مجھے پھر اس مدرسہ میں جانیکا اتفاق ہوا تو لڑکیوں نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ میں انہیں جاپانی اور انگریزی لڑکیوں کی بود و باش میں فرق بتاؤں۔ میں نے ان سے کہا کہ لڑکیاں مجھ سے انگریزی میں سوالات کریں۔ مجھے تعجب ہوا کہ اکثر لڑکیاں بغیر کسی رکاوٹ کے صاف و شستہ انگریزی بول سکتی تھیں۔ یہ پر لطف محفل دیر تک جاری نہ رہ سکی کیونکہ لڑکیوں نے چند گیت سنانیکی خواہش ظاہر کی۔ جاپانی موسیقی میں اگرچہ کوئی لطف نہیں ہے لیکن یہ لڑکیاں بہت خوب گاتی تھیں۔ انھیں موسیقی کی خاص طور سے تعلیم دیجاتی ہے پیانوں پر جاپانی لڑکیوں کی زبانی انگریزی گیت نہایت دلکش اور بھلے معلوم ہوتے تھے۔ ان لڑکیوں کو انگریزی زبان پر بہت عبور ہے اور یہ ہفتہ وار ایک انگریزی رسالہ بھی شائع کرتی ہیں۔

ہر ایک جاپانی فطرتاً ایکٹر ہوتا ہے۔ مسز ہانی بھی اپنے مدرسہ میں ایکٹنگ کی طرف بہت توجہ کرتی ہیں۔ حال ہی میں لڑکیاں نے ایک کامیاب ڈرامہ کیا گیا۔

اول کوئی لڑکی نہ تو شرارت کرتی ہے اور نہ اور کسی قسم کا جرم اگر ایسا واقعہ ہو بھی جائے تو سزا بہت معمولی دی جاتی ہے۔ اتنی معمولی کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدرسہ میں سزا کا رواج ہی نہیں ہے۔

یہ مدرسہ بہت ترقی کریگا۔ ہر ملک میں ایسے مدرسوں کی بیحد ضرورت ہے اس مدرسہ میں صرف یہی نہیں سکھایا جاتا کہ لڑکیوں کو اپنا جسم، ہاتھ پاؤں، اور دل و دماغ سے کیسے اور کیا کام لینا چاہیئے بلکہ یہ بھی سکھایا جاتا ہے کہ وہ سوچیں، غور کریں۔ دوسروں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ اپنی مدد خود آپ کریں کیونکہ خدا انہیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

ہندوستان کی آزاد اسلامی ریاستیں

(مطیع اللہ صاحب متعلم جامعہ)

اس بات کو ہر شخص جانتا ہے کہ تیمور کے بعد ہندوستان کے طول و عرض میں بہت سی اسلامی ریاستیں قائم ہوگئیں۔ تیمور کے بعد دہلی کی سلطنت کو برابر زوال ہوتا گیا۔ بایں ہمہ ہندوستان پر اسلامی تہذیب کے رواج کے لئے ان کا وجود بہت ہی مفید ثابت ہوا۔

سلاطین بنگال کی بدولت اسلام خلیج بنگالہ کے انتہائی مشرقی کناروں تک پہنچ چکا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی بنگال میں آج تک مسلمانوں کی آبادی ہم کو بکثرت ملتی ہے۔ اور یہ ہی مسلمان تھے جنہوں نے لکھنوتی، فیروزآباد اور ڈھاکہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کو پھیلایا۔ جونپور مشرقی بادشاہوں کے زیر حکومت تھا۔ علی ہذا القیاس گجرات بھی اسی حالت میں تھا۔ جب گجرات پر افغان سرداروں کی حکومت تھی اسوقت گجرات اپنے زمانہ میں علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا۔

سندھ اور کشمیر میں اسلام کو جو ترقی حاصل ہوئی وہ تمامتر ان بڑے بڑے اولیا اور علما کی محنتوں کا نتیجہ ہے جنکو یہاں کے حکمرانوں کی قدر دانی نے دور دور سے کھینچ کر لایا تھا سندھ اور کشمیر دونوں اسلامی علوم وفنون کے مرکز ہیں۔ شمالی وسطی ہندوستان اور دکن میں اسلام کو جو فروغ ہوا وہ زیادہ تر بہمنی بادشاہوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے یہ لوگ جیسے اعلی سپہ سالار تھے اسی طرح علم و حکمت کے قدردان بھی تھے۔ دو سو برس کے عرصہ میں گلبرگہ شریف ایرانی شعراء و علماء و فضلاء کا مرکز قرار پایا۔ بہمنی سلطنت کے بعد پانچویں اسلامی سلطنت خاص طور سے قابل ذکر ہے چونکہ اس زمانے میں علوم فنون کو خاص قسم کی ترقی ہوئی اور دکن کی مشہور ترین عمارتیں ان ہی بادشاہوں کی تعمیر کردہ ہیں جن کو دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے۔ ان عمارتوں کو دیکھ انسان ایک دوسری دنیا کا خیال کرتا ہے۔ اور اس زمانہ کے ہر ایک آدمی کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور ان ہی عمارتوں سے ہم اسوقت کی کاریگری اور حسن صنعت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

انتقام

ابو داؤد صاحب متعلم مدرسۃ الاصلاح

۲۴ نومبر ۱۹۱۸ء کو نہایت مضبوط قوی ہیکل بدن گندمی رنگ کا ایک جوان فرانس کے موقع کارزار سے واپس ہوکر قاہرہ پہنچا۔ تین برس تک اسٹریلیا فوج میں بھرتی رہا۔ پانچ زخم کاری کھائے اور بالآخر سب مندمل ہوگئے۔ اس کا ارادہ تھا کہ مصر میں ایک قلعہ کے دامن میں ایک چھوٹی سی دودھ گوشت کی دکان رکھے۔ لیکن اس کے ارادے کے بالمقابل قضا وقدر کی کوششیں جاری رہیں۔ اور آخر اپنے ارادہ میں ناکام ہوکر ۱۹۱۹ء میں راہئ ملک عدم ہوا۔ عالم شباب اور اس حسرت بھری موت پر اس کے اعزا واقربا دوست احباب قریب وبعید سب کے سب نے آنسوؤں کا سیلاب بہا دیا اس کا نام - - - . . . بہتر ہوتا کہ خود ہی اپنی زبانی، اپنے اسم حقیقی اپنے کارہائے نمایاں اپنے مراحل حیات اور حوادث زندگی سے بحث کرے . . . . وفات سے آٹھ روز قبل اپنے ایک دوست سے تفریحی باتیں کررہا تھا۔ اثنائے کلام میں اس کی زبان سے کچھ ایسے کلمات صادر ہوئے جس سے اس کے رفیق کے ذہن میں یہ خیال گذرا کہ یہ اسٹریلیا کا باشندہ نہیں۔ اس کا ان سے کوئی نسلی تعلق نہیں۔ تسکین خاطر کے لئے اس سے کہا کہ اپنے سلسلۂ نسب کو بیان کیجئے کہ آپ ہیں کون؟ نوجوان فوجی نے بیان کیا کہ کون میں آسٹریلیا کا باشندہ ہوں، عربی النسل سلسلۂ نسب ان سے ملتا ہے نہ اور کسی قسم کا تعلق ہے بلکہ میں جزیرہ عرب کا باشندہ ہوں۔ عربی النسل ہوں۔ میرے والدین خالص بدوی تھے۔ اسٹریلیا والوں سے میرا نام دریافت کرو تو "اندرموور" ارشور" بتلائیں گے، فرانسیسیوں سے دریافت کیجئے تو "جان مونتور" بتلائیں گے اور اگر تم شام کے عربوں سے پوچھو تو بعضوں کی زبانی سنو گے "کہ شیخ سالم کہ تقریباً تین برس گذرے کہ فلسطین سے جاتے ہوئے ڈاکوؤں نے انہیں قتل کر دیا تھا۔ اپنا جانشیں ایک چار سالہ لڑکا "حمودہ" نامی بطور یادگار کے چھوڑا تھا جس کی پرورش کسی رہبان نے کی میں وہی "حمودہ" ہوں۔ دو برس تک میں اس کے زیر تربیت رہا۔ ایک روز رات کو اٹھا۔ اور ایک طرف چلدیا۔ اور شہر صور پہنچا۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اتنی بعید مسافت میں نے کیسے قطع کی۔ کئی دن تک چلتا رہا۔ کہاں کہاں ٹھہرا۔ کس راستہ سے سفر کیا۔ کچھ معلوم نہیں۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ صور پہنچا وہاں ایک انگریز افسر کی نوکری کرلی۔ وہ مجھے لیکر بیروت گیا، پھر مصر، پھر اسٹریلیا پہنچا۔ وہاں ایک مصائب وآلام کا سامنا ہوا مختلف تجربات حاصل ہوئے اور اس کے بعد ان آلام ومصائب سے اکتا کر بدوی زندگی بسر کرنا چاہا نوکری کو خیرباد کہا۔ اور مالک کے بغیر کہے ہوئے راتوں رات چلا۔ مشرق ومغرب کی سیر کی۔ شہروں شہروں گھومتا رہا، کوچوں اور گلیوں میں چکر لگاتا رہا۔ اور اس حالت میں دس برس گذر گئے کچھ دنوں بعد ایک حسینہ سے شادی کرلی۔ لیکن قضا وقدر نے میرا ساتھ دیا۔ بدبختی وشقاوت اعمال سے میں نے اپنے راز سے اس سے مطلع کر دیا . . . "اچھا عربی تو عربی پر تو بدوی ہے" ایسے ہی لعن طعن کے کلمات سنا کر سنا کر زندگی دوبھر کر دی مجھے حقیر سمجھنے لگی، اپنے کو مجھ سے بلندمرتبہ شریف النسب عالی منصب نہایت عاقل۔ ذہین وفطین سمجھنے لگی بعض اس لئے کہ میں عربی النسل تھا اور وہ یورپین اور اب آہستہ آہستہ میرے خیالات میں بھی جنبش ہوئی میں اس کی نظروں سے گرگیا کیونکہ عربی ہوں۔ انکی زبان میں میرا نام "ارشور اندموور" ہے لیکن یہ میری مادری زبان نہیں۔ میں ان میں زندگی بسر کرتا ہوں لیکن یہ زندگی اور میرے ابنائے قوم کی زندگی مختلف ہے میں ان کے عادات کی تقلید کرتا ہے لیکن یہ میرے عادات نہیں۔ میں ان کے دین کا تبع ہوں لیکن یہ میرا دین نہیں۔ . . . . عزت قومی نے شرم دلائی۔ خون عرب میں جوش آیا۔ میری شجاعت وبہادری نے اس تذلیل کو گوارا نہ کیا۔ میں نے انتقام کی قسم کھائی۔ بیوی کو طلاق دیا، ملک کو خیرباد کہتا ہوا اپنی راہ لی جنگ عظیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔ فوراً فرانس کی فوج میں مصنوعی نام بتاکر نامزد ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد فرانس کی فوج سے نکلکر اسٹریلیا کی فوج میں داخل ہوگئے چار برس تک جانبازی اور بہادری کے جوہر دکھاتا رہا۔ اور ان گنت دشمنوں کو خاک وخون میں ملا دیا۔ کون دشمن . . . ؟ صرف ترک وجرمن نہیں۔ بلکہ روس

مشرقی فیاضی

نواب آصف الدولہ شاہ اودھ بہت فیاض بادشاہ گذرا ہے اس کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں چنانچہ اس زمانے میں عام دکاندار خصوصاً بنئے جب صبح اپنا کاروبار شروع کرتے تھے تو پہلے آصف الدولہ کا نام لے لیتے تھے ان کا یہ خیال تھا۔ اس مبارک نام کی وجہ سے بکری زیادہ ہوتی ہے۔ جاہل اور بد اعتقاد لوگ تو یہ کہتے تھے "جس کو نہ دے اللہ اس کو دے آصف الدولہ"

جب اس کے زمانے میں قحط پڑا اور خلقت بھوک کی مرنے لگی تو اس رعایا پرور بادشاہ نے ایک امام باڑہ کی تعمیر کا حکم دیا یہ امام باڑہ لکھنو میں موجود ہے اور آصف الدولہ کا امام باڑہ کہلاتا ہے۔ جب یہ امام باڑہ تعمیر ہو رہا تھا تو غریب رعایا کو اسی بہانے (بوجھ ڈھوکر) پیٹ پالنے کا موقع مل گیا بزرگ لوگ کہتے ہیں کہ دن کے وقت تو اس عمارت پر عام رعایا کام کرتی اور رات کے وقت مفلوک الحال شرفا مشعلیں ہاتھوں میں لیکر کام کرتے تھے۔

یہ نواب اپنا روپیہ باغوں۔ محلوں۔ گھوڑوں۔ ہاتھیوں وغیرہ پر صرف کرتا تھا۔ مسٹر فاریس نے لکھا ہے کہ "صرف بیس لاکھ روپیہ سالانہ انگیریزی ساخت کی اشیاء پر صرف ہوتا تھا۔ اس کے ایک سو ستائیس عمدہ محلات تھے۔ ایک ہزار دو سو ہاتھی۔ تین ہزار سواری کے گھوڑے۔ ڈیڑھ ہزار بندوقیں۔ اور تیس ہزار شیشے تھے بعض شیشے بڑے بڑے عجیب اور نادر شیشے تھے۔ ایک شیشے میں گھڑی بنی ہوئی تھی یہ اس نے تین لاکھ روپیہ میں خریدا تھا وہ دنیا میں سب سے عجیب اور کمیاب چیز خرید لیتا تھا کل علوم و فنون کے دستکاروں کے اوزار کلیں موجود تھیں۔ اس عجائب خانہ خوب سجا ہوا تھا۔ اس نے ایک بڑی گاڑی بنوائی تھی جسے ہاتھی کھینچتے تھے۔ اس میں دس بارہ آدمی بیٹھکر بخوبی کھانا کھا سکتے۔

صرف جواہرات اس کے پاس آٹھ کروڑ کے تھے"۔

"خوش اقبال بیگ"
از جودھپور

ہمدردی

جمیل الرحمٰن صاحب متعلم مدرسہ شاخ جامعہ دہلی

سردی کا موسم تھا شام کا وقت تھا گھٹا چاروں طرف چھائی ہوئی تھی غضب کی کہر پڑ رہی تھی کبھی کبھی بجلی چمکتی تھی بادل گرج رہے تھے۔ سر شام پرندے اپنے آشیانوں میں منہ دبکر بیٹھ گئے تھے غرض ہر طرف سے معاذ اللہ معاذ اللہ کی آوازیں آ رہی تھیں ایک چمن کی کسی درخت کی ٹہنی پر ایک بلبل اداس بیٹھی تھی اور وہ یوں کہہ رہی تھی۔ کہ میرے مالک اب میں کیوں کر اپنے آشیانے تک پہنچوں کہ ہر چیز پر اندھیرا چھا رہا ہے۔ اور میں نے تمام دن تو اڑنے چگنے میں گذار دیا ہے میرے بچے میرے انتظار میں ہونگے۔ اب ان کی کون خبر گیری کرے گا افسوس میں نے زیادہ کھانے کی ہوس میں تمام دن ضایع کر دیا اب سر شام چلی جاتی تو کبھی اتنی پریشانی اٹھانی نہیں پڑتی۔ افسوس میرے بچے سردی میں اکڑ رہے ہونگے۔ اُف لالچ بھی کتنی بڑی بلا ہے۔ غرض اس نے اتنی ہی آہ و زاری کی تھی کہ ایک جگنو جو قریب ہی تھا یہ آہ و زاری سن کر یوں بولا کہ اے بلبل فکر نہ کر میں تری مدد کو جان دل سے حاضر ہوں اس طرف دھیان نہ کر کہ میں ایک چھوٹا سا کیڑا ہوں کچھ فکر کی بات نہیں جو اندھیری رات ہے اور گھٹا چھائی ہوئی ہے۔ میں ہر طرح تمھاری مدد کو تیار رہوں خدا تعالٰے نے مجھے مشعل دی ہے اور مجھے چمکا کر چراغ بنایا ہے۔ اگر میں اس کو ابھی کام میں نہ لاؤں گا تو یہ کس دن کام آئیگی۔ تو بالکل فکر نہ کر میں تیرے آگے چمکتا ہوا چلونگا اور اس طرح تو اپنے گھونسلے میں پہنچ جائیگی دنیا میں وہی لوگ اچھے ہیں" اور انہی کو اچھا کہا جائیگا۔ جو وقت پر دوسروں کے کام آتے ہیں۔

ہیں وہی لوگ جہاں میں اچھے
کام آتے ہیں جو دوسروں کے

ابر باراں سے بچہ کا خطاب

(مولوی عبدالقدیر صاحب حیرت)

سمندر سے اے ابر آتا ہے تو — گرج کر کڑک کر ڈراتا ہے تو
تڑاتڑ جو اولے گراتا ہے تو — سرا خوف سے دل ہلاتا ہے تو
کہ ڈھلتا ہے سیلاب تیرا غضب — نکلتا ہے دریا سے باہر وہ جب
مگر کام ہیں مجھ کو تیرے پسند — ڈھکا برف سے تو نے کوہ بلند
ہیں انسان و حیوان چرند و پرند — تری آبپاشی کے احسان مند
کیا تو نے کھیتوں کو شاداب ہے — بھرا تو نے پانی سے تالاب ہے
اگر تو نہ اے ابر برسا کرے — تو دنیا میں انسان بھوکا مرے
تو اے ابر رحمت ہے اللہ کی — کہ ہے تجھ سے مخلوق کی زندگی

تو اے ابر باراں بحکم خدا
فرائض کو کرتا ہے اپنے ادا

سقراط کی کہانی

(سید نصیر احمد)

ایک دن سقراط ایک گاؤں کے مدرسہ میں گیا۔ وہاں تمام لڑکے اور لڑکیاں اس کو اچھی طرح سے جانتی تھیں اور سب نے پڑھنا لکھنا چھوڑ کر اس کو دیکھنا شروع کیا۔ سقراط بھی دروازہ میں کھڑا ہو کر سب کو دیکھنے لگا۔

بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے وہ سارے کمرہ میں پھرا اس کے بعد اپنے آپ سے کہنا شروع کیا " کانوں میں بھی میل نہیں۔ ناک بھی صاف، ... کوئی گندی چیز نہیں، ناخن بھی بڑھے ہوئے نہیں ہیں لیکن چند ایسے بھی ہیں۔ اف آہ، لیکن کوئی بات نہیں وہ بالکل نووارد لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ کمرہ کیسا صاف شفاف دکھائی دیتا ہے معلوم ہوتا ہے صفائی کا احساس ہو رہا ہے۔

" یہاں آؤ بڑے میاں۔ منہ میں چپکے چپکے کیا کہہ رہے ہو" چوتھی جماعت کے ایک خوبصورت لڑکے نے کہا "

سقراط یکبارگی چونک سا گیا۔" صبح بخیر۔ میں نے خیال کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں"

" شاید آپ خواب ہی دیکھ رہے ہوں۔ لیکن ہم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے۔ ہم تمام بیدار اور زندہ ہیں"

" تو میرا ایک خواب پورا اور صحیح ہو رہا ہے"

" آہا آہا سقراط ہمیں ایک کہانی سنائیں گے" ایک چھوٹا بچہ چیخ اٹھا۔

" کون سا خواب صحیح ہو رہا ہے، اُستاد نے کہا

" کون سا خواب۔ دیکھیے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کا مدرسہ ہے بغیر گندگی بغیر بیماری اور بغیر کسی قسم کے زیورات کے"

" یہ تو کچھ نہیں" اُستاد نے کہا " ہمارے یہاں مہینوں سے ایسا ہے بعض اوقات کوئی نووارد ہمیں ذرا سی تکلیف دیتا ہے لیکن ہم اُسے فوراً راہ راست پر لے آتے ہیں"

اسی وقت ایک خاتون کمرہ میں داخل ہوئی اور اسے دیکھتے ہی لڑکے اور لڑکیاں علیحدہ ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ کمرہ کے ایک سرے پر تمام لڑکیاں اور کمرہ کے دوسرے سرے پر تمام لڑکے جمع ہو گئے۔ اسی خاتون نے سینے پرونے کے متعلق لڑکیوں کو بتانا شروع کیا۔

سقراط نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر نکل جانا چاہا لیکن چند لڑکوں نے اسے روک لیا۔

" نہیں نہیں سقراط انہوں نے کہا ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے آپ شام کے وقت آدمیوں کو نصیحتیں کرتے رہتے ہیں۔ کیا ہمارا حق نہیں ہے"

سقراط نے کہا " میری یہاں ضرورت نہیں ہے۔ تم اور تمہارا اُستاد مجھ سے کہیں بہتر جانتا ہے۔ میں اس جگہ جاؤں گا جہاں میری ضرورت ہے"

" نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا " اُستاد نے کہا ہم نے آپ سے سب کچھ سیکھا ہے ہمیں کچھ اور بتائیے"

" میں کیسے بتا سکتا ہوں میں کوئی اُستاد تو ہوں نہیں"

" تو پھر ہمیں کوئی کہانی سنائیے " اُسی لڑکے نے کہا

" کہانی کہانی " سب چلا اُٹھے۔

" میں کبھی کہانی سناتا ہی نہیں" سقراط نے کہا

" سناتے کیسے نہیں" بہت سے لڑکوں نے کہا " آپ ہمیں اس طرح کہانی سنائیے جیسے کہ اپنے بچوں کو سنا رہے ہیں"

" بچے۔ اُنکو ان کی ماں کہانیاں سناتی ہے اور تمہاری مائیں تو اپنا وقت بیکار ضائع کرتی ہیں"

"نہیں نہیں" بہت سی لڑکیوں نے کہا "ہماری مائیں اس کو چھوڑ چکی ہیں۔

"بہت خوب۔ بہت خوب" سقراط چلا اٹھا "میں آپ سے معافی مانگتا ہوں"

"ہم اُس وقت تک معاف نہیں کریں گے جب تک آپ ہمیں کہانی نہ سنائیں گے"

"اچھا لو سنو"

ایک مرتبہ ایک دریا میں مگرمچھ رہتا تھا

"نہیں ہم ایسی واہیات کہانیاں نہیں سننے چاہتے۔ ہمیں کوئی اچھی کہانی سنائیے"

"اچھا ایک مرتبہ ایک چھوٹا سا لڑکا تھا"

"نہیں جناب ہمیں ایسی کہانی سنائیے جس میں بادشاہ ملکہ، شہزادہ اور شہزادیوں کا ذکر ہو۔ اگر آپ چاہیں تو آپ سنا سکتے ہیں۔"

"بہت اچھا سنو

"ایک مرتبہ ایک بادشاہ ایک زرخیز مگر چھوٹے سے ملک پر حکومت کرتا تھا اور تمام رعایا اس کو دل سے چاہتی تھی"۔

"ہاں یہ کہانی بہت اچھی ہے"

اسی چھوٹے سے ملک کے قریب ہی ایک ملک تھا جس پر ایک ظالم بادشاہ حکمران تھا۔ یہ بادشاہ اسی چھوٹے سے ملک پر قابض ہونا چاہتا تھا۔ اس نیک بادشاہ کی صرف ایک لڑکی تھی اور اس ظالم بادشاہ کا ایک لڑکا تھا۔ اب ظالم بادشاہ نے خیال کیا اگر میں اپنے لڑکے شادی نیک بادشاہ کی لڑکی سے کردوں تو جب نیک بادشاہ مرجائے گا تو اس کا ملک میرا ہوجائے گا۔

نیک بادشاہ کو تمام حال معلوم ہوگیا اور اس نے شادی سے انکار کر دیا۔ اس بات کو سن کر ظالم بادشاہ بہت خفا ہوا اور مشیروں کو بلا کر تمام ماجرا کہہ ڈالا۔ مشیروں نے کہا اس بادشاہ نے ہماری ذلت کی ہے اس لئے لڑائی سے اس کی خبر لینی چاہیئے۔ فوراً ایک فوج جرار تیار کی گئی۔ جب نیک بادشاہ نے یہ سنا تو اس کو بہت فکر ہوا۔ کیونکہ اس کی فوج بہت تھوڑی سی تھی۔

نیک بادشاہ نے اپنی رعایا کو جمع کیا اور کہا اگر ہم لڑائی کرتے ہیں تو ہماری سلطنت ہم سے چھن جائیگی اور اگر ہم شادی کرتے ہیں تو پھر بھی ہماری سلطنت چھن جائیگی

تمام لوگوں نے کہا ہم لڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن بادشاہ نے کہا اس سے کیا ہوگا۔ ہماری فوج اس فوج کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہے۔

اسی پر تمام لوگ خاموش ہوئے۔

چونکہ تمام لوگ بادشاہ سے بہت محبت کرتے تھے اس لئے ہر ایک نے سوچنا شروع کیا کہ بادشاہ اور سلطنت کے بچاؤ کی کیا صورت ہو، جانوروں تک نے اس پر غور کرنا شروع کردیا

دوسرے دن بادشاہ نے اپنے مشیروں کو جمع کیا۔ اتنے میں مشیر آئے اور انہوں نے کہا ہم ظالم بادشاہ ے کہا اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ گیدڑوں نے کہا ہم تمام گھاس کھاجائیں گے۔ لیکن بادشاہ نے کہا اس سے کچھ نہیں ہوگا۔ اسی وقت ایک مکھی بادشاہ کی ناک پر آکر بیٹھی اور بادشاہ نے اس کو اُڑا دیا۔ وہ پھر آکے بیٹھ گئی۔ بادشاہ نے پھر اُسے اُڑا دیا۔ ایسا تین چار مرتبہ ہوا۔ پانچویں مرتبہ مکھی اس کے کان پر بیٹھ گئی۔ بادشاہ نے خفا ہوکر کہا۔ یہ مکھی مجھے کیوں تنگ کررہی ہے۔ کیا میں پہلے ہی سے تکالیف میں مبتلا نہیں۔ اس وقت اس کان میں آواز آئی۔ میں مدد کے لئے حاضر ہوں۔

کون بولا بادشاہ نے کہا۔ کوئی نہیں اعلیٰ حضرت مشیروں نے کہا اس کے کان میں پھر آواز آئی۔ بادشاہ کود کر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ سمجھا شاید ان پریشانیوں کی وجہ سے وہ پاگل ہوگیا ہے۔ بادشاہ پھر آکر بیٹھ گیا۔ پھر اس کے کان میں آواز آئی۔

"کون بول رہا ہے" بادشاہ نے کہا

"میں مکھیوں کی ملکہ ہوں اور مدد کے لئے آئی ہوں"۔

"بیوقوف مت بنو" بادشاہ نے کہا "تم میری خاک مدد کرسکتی ہو۔ جاؤ"

"نہیں۔ نہیں میں مدد کرونگی اور کرنیکو تیار ہوں اگر ایک شرط پوری ہوجائے"۔

کلو بڑھئی کی سوانح عمری

بڑے آدمیوں کی سوانح عمریاں سب پڑھتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں ان سے بڑے بڑے سبق حاصل ہوتے ہیں۔ کتابیں چھاپنے والے سینکڑوں ہزاروں روپے ان کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتیں معلوم کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ بڑا آدمی واقعی بڑی تعجب کی چیز ہے عموماً ہر بڑا آدمی اپنی صدی کا سب سے بڑا آدمی ہوتا ہے اور اس صدی کے اور سب لوگ انتہائی احمق ہوتے ہیں۔ اس کی زندگی کا لمحہ ان کی اصلاح میں صرف ہوتا ہے۔ اس کے دل میں درد ہوتا ہے جو ہمیشہ رہتا ہے۔ اس سے اسے کبھی نجات نہیں ملتی۔ نہ کوئی حکیم ڈاکٹر اس کا علاج کر سکتا ہے۔ اور ایک بات اور بھی ہے فرصت تو اسے ملتی ہی نہیں، ہمیشہ مصروف۔ ہمیشہ مشغول۔ کسی جگہ مقررہ وقت پر نہیں جا سکتا۔ آج یہاں جلسہ ہے، کل وہاں دعوت ہے۔ ایک وقت میں کئی کئی کام رہتے ہیں۔ اس لئے کوئی پورا نہیں ہو سکتا غرض بڑے آدمی کی ایک خاص ہستی ہوتی ہے۔

کسی بڑے آدمی کی صحیح صحیح پوری سوانح عمری تو کبھی لکھی ہی نہیں جا سکی اس لئے ہم بھی کیوں کوئی فضول کوشش کریں۔ پھر یہ بھی ہے ہمارے کلو بڑھئی کی سوانح عمری تو دو۔ ایک صفحوں میں تو آ بھی جائیگی بڑے آدمی کے لئے دس، بارہ ضخیم ضخیم جلدیں بھی کافی نہ ہونگی۔ کلو بڑھئی میں کوئی خاص خوبی نہ نقص جس کے بیان میں صفحے کے صفحے سیاہ کئے جائیں۔ وہ بس ایسا ہی تھا جیسے ہم آپ۔

بچپن میں بھی عام بچوں کی طرح رہا۔ اس کے بچپن کے حالات لکھتے ہوئے ہم "چکنے چکنے پات" والی مثل نہیں لکھ سکتے۔ ذرا بڑا ہوا تو ماں باپ نے بڑے شوق سے بسم اللہ کرائی۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لڑکا جہاں تک پڑھے گا پڑھائیں گے۔ وہ اپنے لڑکے سے محبت کرتے تھے اس کی ہر ضد پوری کرتے تھے۔ جب کوئی مہمان کلو کے گھر آتا تو وہ اسے دیکھ کر اور بھی شیر ہو جاتا۔ خوب شرارتیں کرتا۔ لیکن اس کے ماں باپ طرح طرح کے بہانے بنا کر اس کی شرارتوں پر پردہ ڈالتے رہتے در اصل انکو کلو سے بڑی ہی محبت تھی۔ اس کے ماں باپ بھی ایسے ہی تھے جیسے ہم سب کے ہوتے ہیں۔

کلو کو پڑھنے کا تو شوق تھا ہی نہیں اسکول کے کھیل اور ورزشوں میں بھی کبھی دلچسپی سے حصہ نہیں لیا۔ اور ساتھیوں میں کبھی کسی بات میں خاص طور سے نمایاں نہ رہا۔ اکثر لڑکوں سے اس کے تعلقات اچھے تھے لیکن کوئی اس کا گہرا دوست نہ تھا۔

بڑے آدمیوں کے سوانح نگار جب ان کی سوانح عمری لکھنے بیٹھتے ہیں تو بچپن ہی سے انہیں ان کی سب خوبیاں نظر آنے لگ جاتی ہیں۔ عالم کو بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق ہوتا ہے، سپہ سالار اپنی عمر کے سب لڑکوں سے زیادہ بہادر ہوتا ہے۔ بچپن میں وہ بعض باتیں ضرور ایسی کر دیا کرتا ہے جنہیں اگر وہ بڑے ہونے پہ کرنا چاہے تو کبھی نہ کر سکے۔ ہمارے کلو بچپن میں اپنے اندر کوئی ایسی خصوصیت نہ رکھتے تھے۔ وہ نہ وکیل ہونا چاہتے تھے کیونکہ وکیل بننے کے لئے قانون پڑھنا ضروری تھا۔ ڈاکٹری بننے کے لئے ڈاکٹری جانا ضروری تھی۔ تجارت بھی اسے پسند نہ تھی کیونکہ اس کے لئے تعلیم اور تجربہ دونوں ضروری تھے، استاد بننا تو اس نے کبھی پسند نہ کیا۔ استادوں کا وہ ہمیشہ مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اسکا دل اگر کچھ بننے کو چاہتا تھا تو یا تو پرنس آف ویلز اور یا رابنسن کروسو۔ لیکن باپ نے اس کو ان دونوں میں سے کچھ نہ ہونے دیا اور ایک بڑھئی کے یہاں کام سیکھنے کو بٹھا دیا۔

کچھ عرصہ بعد کلو نے اپنی دکان علیحدہ کر لی اور اس کے ماں باپ نے اس کی شادی کر دی۔ کلو کے نو بچے ہوئے جن میں سے ایک زندہ رہا۔ شادی کے ایک سال بعد ہی ان کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا تھا

سائنس

مائیکل فریڈے

مطیع اللہ متعلم ثانوی سوم جامعہ، دیگلوری۔ ضلع اورنگ آباد دکن

سوانح عمری کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ دنیا کے مشہور لوگوں کی زندگی کے حالات اس طرح بیان کئے جائیں کہ عام لوگوں کو ان کی مثال پر عمل کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ ذیل کے مضمون سے یہ مقصد اچھی طرح حل ہو سکتا ہے۔ اس مضمون میں مائکل فریڈے کے حالات زندگی پر بحث کی گئی ہے۔

دنیا کے پردہ پر ہر زمانہ اور ہر گھڑی میں مشہور آدمی گذرے ہیں جن کے کارنامے ہمکو تاریخ کے پڑھنے سے معلوم ہوتے ہیں اگرچہ وہ موجودہ زمانہ میں ہماری نظروں سے بالکل غائب ہیں۔ مگر ان کے کارہائے نمایاں کو بڑی عزت وحرمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان آدمیوں میں فریڈے بھی ہے۔

۲۲ ستمبر ۱۷۹۱ء کو بمقام نیوئنگٹن سرے یارک شایر میں ایک لوہار کے گھر پیدا ہوا۔ اسکی پیدائش کے چند دنوں بعد اس کے والدین لندن پر آکر مقیم ہوئے لیکن فریڈے کو اپنے آبائی پیشہ سے کوئی خاص شغف نہ تھا اس لئے اس کے باپ نے اسے ایک جلد ساز کے یہاں ملازم رکھا۔ فریڈے اپنے آقا کی نگرانی میں کام سیکھنے لگا۔ چونکہ اس کو علم سے فطرتاً محبت تھی جو کتاب جلد کے لئے دکان پر آتی یہ اسکو نہایت غور سے دیکھتا اور خاص طور سے سائنس کی کتابوں کا کیڑا تھا۔

مسٹر ڈانس جو ہر وقت دکان پر آتا تھا اس کو فریڈے سے محبت ہوگئی۔ اور وہ ہر وقت اس کی بھلائی کی کوشش میں رہتا تھا اور اس کو ڈیوی کے لیکچروں میں اپنے ساتھ لے جاتا تھا۔ فریڈے اس کو بغور سنتا اور کچھ نکات نوٹ بھی کر لیتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے تمام لیکچرس نہایت ہی ترتیب کے ساتھ پیش کئے جو پسند کئے گئے، مسٹر ڈانس نے ڈیوی سے سفارش کرکے رائل انسٹیٹیوشن کے معمل (لائبریری) میں جگہ دلوادی کچھ دنوں بعد مسٹر ہمفری ڈیوی مختلف مقامات کی سیر وسیاحت کو تشریف لے گئے، اور اپنے ہمراہ فریڈے کو بھی لے گئے

ڈیوی کی توجہ کا نتیجہ کہو یا قدرت کا کرشمہ، فریڈے مشہور سائنسدانوں میں شمار کیا گیا۔ اگرچہ یہ سفر نہایت تھوڑا سفر تھا، لیکن اس نے اس میں بہت کچھ حاصل اور بڑے بڑے سائنسدانوں سے ملاقات ہوئی۔ اور ان سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ فریڈے میں یہ بات فطرت نے پہلے ہی سے عنایت کی تھی کہ جس چیز کو دیکھتا اسکی پوری طرح تحقیق کرتا چنانچہ سفر سے آنے کے بعد اس نے اچھے اچھے لیکچر دئے اور اپنی محنت کی داد پائی۔

اس نے اپنی زندگی میں بہت سے تجربے کئے ہیں۔ اور ہر تجربہ میں کامیاب ہوا شاید ہی کوئی گیس ایسی ہو جسکو اس نے مائع میں تبدیل نہ کر دیا ہو۔ اس نے بجلی سے ایسے تجربے کئے ہیں کہ دنیا حیران و پریشان ہے۔ جب تک دنیا کے پردہ پر یہ چیزیں موجود ہیں۔ فریڈے کا نام صفحۂ دنیا پر سنہری حرفوں میں لکھا رہیگا" فریڈے سائنسداں" ان تجربوں اور تحقیقات کے ساتھ ہی ساتھ فریڈے کی عزت میں اضافہ ہونے لگا اور اس کو عزت ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ساتھ ہی ساتھ اسکو بڑے بڑے منصب بھی عطا ہوئے۔ فریڈے اگر چاہتا تو اپنے ان تجربوں اور نئی نئی تحقیقات سے دنیا کا سب سے بڑا مالدار شمار کیا جاتا لیکن اس نے یہ مناسب نہ سمجھا۔ اس کا مقصد صرف بنی نوع انسان کی خدمت کرنا تھا نہ کہ مال و دولت جمع کرنا۔ اس نے یہ خیال کیا کہ سائنس اور دولت کی خدمت دفعتاً نصیب ہونا مشکل ہے تو اس نے اپنی مفلسی کو دولت پر ترجیح دی اور وہ برابر بنی نوع انسان کی خدمت میں مصروف رہا صبر واستقلال، جفاکشی۔ صداقت اور فرض شناسی غرضکہ تمام باتیں جو ایک سائنسداں میں ہونی چاہئیں موجود تھیں۔

فریڈے اپنا سارا وقت ملک وملت کے کاموں پر صرف کرتا تھا

سب سے بڑی وجہ اس کی شہرت کی یہ ہوئی تھی ابھی وہ اپنے کاموں سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ موت کے فرشتے نے زنجیر کھٹکھٹائی اور یہ علم و فضل کا مجسمہ ۲۵ اگست ۱۸۶۱ء میں ہائی گیٹ کے عالیشان قبرستان میں دفن ہوا۔

فریڈے بچوں کا بہت دلدادہ تھا۔ ان کے ساتھ ہر وقت مہربانی کا برتاؤ کرتا تھا۔ بزرگوں کی عزت اس کا سب سے پہلا فرض تھا۔ اگرچہ فریڈے ایک مشہور آدمی ہو چکا تھا لیکن کبھی کسی کو اس نے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ جب کسی سے ملتا نہایت اچھی طرح سے پیش آتا اپنے سے کمتر کسی کو خیال نہیں کرتا تھا۔ غرور سے اسکو سخت نفرت تھی۔

بقیہ کلو بڑھئی کی سوانحعمری

ماں باپ کے انتقال اور اتنے بچوں کی موت نے اسکو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا۔ اسکو اپنے لڑکے سے بھی بہت کچھ شکایتیں تھیں یہی کہ اس کا لڑکا اس کا کچھ خیال نہیں کرتا۔ دراصل اس کا لڑکا بھی بالکل ہم تم جیسا تھا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ کلو اب بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور اتنا پیسہ پاس نہ تھا کہ نئے کپڑے بناتا۔ صبح چار بجے سے اٹھ بیٹھتا۔ جاڑے میں ٹھٹھر اکرتا اور اپنی موت کی دعائیں مانگتا۔

آخر جاڑوں میں اسے بخار آیا۔ چھ سات دن یونہی بغیر دوا کے پڑا رہا۔ اس کا لڑکا کئی دن سے گھر نہیں آیا تھا۔ نہ معلوم کہاں چلا گیا تھا بیوی اپنی بے بسی پر منہ ڈھانپ کر رونے لگی تو گلی میں سے بہت سے لڑکے لڑکیاں آکر گھر میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک کو رحم آیا۔ فوراً محلہ کے حکیم جی کو بلا لایا۔ کلو کئی دن تک حکیم جی کی دوا پیتا رہا۔ وہ روز صبح کلو کو دیکھنے آتے۔ اپنے ساتھ ہی اپنی دوکان سے نسخہ بھی بنا کر لیتے آتے۔ اور دو پیسے روز اس کی بیوی پر ادھار کر جاتے۔

ایک روز صبح حکیم جی دروازہ پر آئے تو گھر میں سے رونے کی آواز آرہی تھی۔ حکیم جی سمجھ گئے اور چپ چاپ واپس ہو گئے۔

پڑوسیوں نے آکر اس کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیا۔ ملاجی نے نماز پڑھائی اور سب جنازے کو لیکر قبرستان چلے اور مسلمانوں کے دستور کے مطابق اسے دفن کر دیا۔ قبر میں رکھنے کے بعد ملاجی نے اس کا رخ قبلہ کی طرف پھیر دیا کہ اس کی برکت سے اسکی روح جنت میں جائے مگر میرا تو خیال ہے کہ شاید ہی وہ وہاں پہنچی ہو کیونکہ اس نے ہمیشہ بالکل ہماری تمہاری جیسی زندگی بسر کی تھی۔

(ماخوذ)

بقیہ انتقام

دیگر جرمن فرانس و اسٹریلیا کے تمام باشندے ... شیر کی طرح موقع کارزار میں گھس جاتا تھا اور آنکھ بند کر کے لگاتار بائیں دائیں فائر کرتا۔ کسی کی کچھ پرواہ نہ تھی خواہ اپنی فوج کا ہوتا یا مخالف۔ کیونکہ مجھے ان سب سے انتقام لے کر اپنی تشفی قلب و تسکین خاطر منظور تھی..........

یہ میری سوانح حیات سے قلیل زندگی میں میں نے کتنوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ کتنوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے۔ کتنوں کو ان کے اعزا و اقربا سے جدا کر دیا۔ کتنوں کو راہِ عدم کا مسافر بنایا۔ محض ان کلمات کے جوش انتقام سے کہ جنہیں میری بیوی نے مجھے اسٹریلیا میں سنایا تھا۔ اور جن کے سننے کی تاب میری غیرت و حمیت نہ لا سکی مجھے پانچ زخم کاری لگے۔ لیکن بحمداللہ سب سے نجات پائی .... اور آج فائز المرام ہو کر عیش و نشاط کی زندگی بسر کر رہا ہوں.......... میرے نزدیک انتقام ایک اعلیٰ و افضل ترین شے ہے کہ جس پر مجھے نسل عربی اور خون بدوی نے مجبور کیا۔

بقیہ صفحہ ۳

گویا یہ مسلمان بادشاہ ہی تھے جن کی بدولت ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کی صنعتوں اور فنون لطیفہ کو دوسری زندگی نصیب ہوئی۔ بلکہ اگر یوں کہئے تو بیجا نہ ہوگا کہ ہندو قوم کی بیداری اور ترقی مسلمانوں ہی کی ممنون احسان ہے۔ اس سے پہلے ہندوستان کی جو حالت تھی اس کو تاریخ کا ہر طالب علم خوب جانتا ہے۔

جب ہندوستان میں جا بجا اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں تو ان کے اثر سے ہندوؤں میں بھی زندگی کے آثار پیدا ہوئے کیونکہ دنیا میں ہمیشہ قوموں نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے اگر مسلمان ہندوستان میں آتے اور یہاں کے علم و حکمت

[illegible]

حسینہ کا صبر

(از مسز حمید الحق نامی نگرامی)

میں ایک نہایت دردناک اور عبرت خیز افسانہ آپ کی خدمت میں پیش کرتی ہوں امید کہ میرے بھائی اور بہن اسے پڑھکر عبرت حاصل کریں گے سنہ ۱۹۲۴ء کا یہ واقعہ ہے جب کہ میری عمر دس برس کی تھی اور مجھے قصبہ مورادان ضلع اناؤ میں بسلسلہ ملازمت والد صاحب رہنے کا اتفاق ہوا تھا جس مکان میں رہتے تھے اس کے پڑوس میں محمود حسن نامی ایک سب انسپکٹر بھی رہتے تھے انکی بیوی حسینہ بھی اُن کے ہمراہ تھیں جو نہایت سنجیدہ نیک طینت عابد اور پرہیزگار تھیں۔

میرے اور اُن کے درمیان بہت راہ رسم تھی وہ اکثر میرے یہاں آتی اور میں اُن کے یہاں جاتا تھا ان کے بچے بھی تھے جو انکی آئندہ زندگی کا سہارا تھے لیکن محمود زیادہ تر اپنے فعل ناشائستہ میں مبتلا رہتے تھے تھوڑے عرصہ تک تو انھوں نے بیوی کو اپنے پاس رکھا لیکن بعد کو جب ایک بازاری عورت کا جادو اُن پر اثر کر گیا تو بیوی کو مع بچوں کے گھر بھیجدیا اور اُسی عورت سے اپنا دوسرا نکاح کر لیا حسینہ بیچاری کو اس کی خبر کہاں دن گذرتے گئے ہفتوں سے مہینہ اور مہینے سے سال ہوگئے لیکن، محمود نے بیوی کی کوئی خبر نہ لی افسوس کہ وہ خود اور اُنکی نئی رفیقہ عیش و عشرت اور فارغ البالی سے زندگی کے دن گذارتے اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔

لیکن آفت کی ماری مصیبت زدہ حسینہ کی کچھ خبر نہ تھی راز افشا ہونے پر حسینہ کا حال مالک حقیقی پر بخوبی روشن تھا لیکن لب پر مہر سکوت لگاکر نہایت صبر و شکر سے زندگی کے دن پورے کر رہی تھیں اور مارے شرم کے اپنے بے وفا شوہر کی شکایت کسی سے نہ کرتی تھیں۔

حالانکہ ابھی طلاق نہیں ہوئی تھی اور حسینہ کو قانوناً نان و نفقہ کا حق حاصل لیکن حسینہ کے پاس خدا کا دیا ہوا سب کچھ موجود تھا کیونکہ غریب گھرانے کی لڑکی نہ تھیں اُن کے دونوں بیٹے جمیل اور جلیل جوان ہو کر پڑھ لکھ چکے تھے کیونکہ حسینہ نے انتہائی کوشش اور جانفشانی سے اپنے بچوں کو تعلیم دلوائی تھی اب شوہر کے بعد وہ صرف اپنے پیارے اور فرماں بردار بچوں کو دیکھ کر خوش تھی۔

حسینہ کی صرف ایک تمنا تھی اس دنیا میں باقی تھی وہ یہ کہ اس نے پیارے بچوں کا سہرا دیکھے خدا نے یہ تمنا جلد پوری کی اور دونوں بیٹوں کا گھر آباد ہوگیا حسینہ اپنی دونوں بہوؤں کو حقیقی بیٹی سے کم نہ سمجھتی تھی، بہوئیں بھی نہایت لایق اور نیک تھیں۔ اور وہ اسی بات پر نازاں تھیں کہ ایسی روشن خیال اور محبت کرنے والی خوشدامن صرف فضل الٰہی سے مل سکتی ہیں یہ سب کچھ تھا مگر حسینہ کی عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

وہ اپنے پیارے بچوں کی بہار بخوبی نہ دیکھنے پائی تھی کہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئی۔

حسینہ کے انتقال کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی ہر ایک اُسکی نیک مزاجی اور بے وقت موت کا افسوس کر رہا تھا۔ محلہ والے زار قطار روتے تھے مگر سب بے سود۔ ناچار صبر کا دامن ہاتھ میں پکڑنا پڑا۔ اب محمود کا حال سنیے

رشوت ستانی میں ملازمت سے برطرف کر دئے گئے اور دو برس قید سخت میں جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی۔ اُنکی نئی رفیقہ انہیں دغا دے کر اور سب قیمتی مال و اسباب لیکر چمپت ہوگئی اور پھر اُس کا کہیں پتہ نہ چلا قید سے رہا ہونے کے بعد انھیں حسینہ کے انتقال کا حال معلوم ہوا تو اُنکی وفاداری یاد کر کے اپنی بے اعتنائی پر خون کے آنسو روئے۔ مگر سب بیکار۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے کیا جب ہاتھ سے ناوک چھوٹ گیا جب اپنی نادانی پر آنسو بہا چکے تو بیٹوں کا خیال آیا محمود اپنی منزل کو تو پہنچ ہی چکے تھے۔ گرتے پڑتے بیٹوں کے پاس پہنچے، سب سے مل مل کر روئے اور پھر کہا "میرے فرمانبردار بچو میری خطا معاف کرو میں سخت گنہگار ہوں" جس پر لائق بیٹوں نے بجائے باپ سے خود اپنی خطا کی معافی چاہی۔ محمود اپنے کئے پر بہت پشیمان ہوا اور اپنی وفادار اور بے زبان بیوی کے مرنے کا یہاں تک رنج ہوا کہ خود بھی ہمیشہ کے لئے دنیا سے منہ موڑ لیا۔

بچو! یہہ تصویر مہاتما گاندھی کی زمانہ تعلیمی کی ہی — اب وہ ایسی نہیں — وطن کی خاطر انھوں نے
اپنی آرام کی زندگی ترک کردی ہی — نہ انگریزی بال ہیں نہ سوٹ اور نہ ٹائی — ایسی شخص کی زندگی جس نی ہر کسی وجہہ سے
اپنی لئی آرام کی بجائی تکلیف پسند کی ہی ضرور پڑھنا چاہئی — تمہیں تعجب ہوگا کہ انھوں نی ایسی سخت زندگی کیوں پسند کی
اس کا جواب تم کو انکی سوانح حیات میں ملیگا جو خود انھوں نی گجراتی زبان میں لکھی ہی اور اس کا ترجمہ جناب
ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نی

تلاش حق

کی نام سی کیا ہی — اس کتاب میں مہاتما جی کی اس تصویر کی علاوہ اور بھی بہت سی تصویریں ہیں — ضخامت سات سو

صفحات سی زیادہ ہی — یہہ کتاب دو جلدوں میں بہت خوبصورت چھپی ہی اور دونوں جلدوں کی قیمت صرف دو روپیہ ہی —

ملنی کا پتہ

(۱) مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
(۲) انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (سول ایجنٹ جنوبی ہند)
(۳) فرنک برادرس اینڈ کمپنی چاندنی چوک دہلی (سول ایجنٹ یو-پی)
(٤) ایس چند اینڈ برادرس فوارہ دہلی (سول ایجنٹ دہلی)

ایڈیٹر — سعید انصاری طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم-اے-پی-ایچ-ڈی-
مطبع جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی
معاون ایڈیٹر سید نصیر احمد   قیمت سالانہ دو روپی

پیام تعلیم

لیجئے صاحبان پھر ہماری سالانہ رعایت کے دن آگئے
کارخانہ
ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ
دی پنجاب چیمپئن آف سپورٹس شہر سیالکوٹ کی تیرہویں سالگرہ کی خوشی میں
عظیم الشان رعایت کی یادگار کا تیرہواں سالانہ جھونکا
ایک روپیہ کا مال صرف بارہ ۱۲ آنے میں
ساتھ ہی سامان کھیل کے عمدہ مضبوط۔ خوبصورت دیرپا نفیس اور ارزاں ہونے کی گارنٹی
رعایت کے صرف دو ماہ نومبر اور دسمبر ۱۹۳۰ء
ممتاز ناظرین! حسب دستور سابق ہم نے اپنی تیرہویں سالگرہ کی خوشی میں آپ صاحبان کو شامل کرنے کے لئے اپنے تیار کردہ لاثانی سامان کھیل مثلاً کرکٹ۔ فٹ بال۔ والی بال۔ باسکٹ بال۔ ہاکی ٹینس بیڈمنٹن اور جمناسٹک وغیرہ جملہ سامان کھیل کی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت کر دی ہے یعنی میعاد مندرجہ صدر کے اندر اندر ایک روپیہ کا مال بارہ آنے میں دینا منظور کر لیا ہے۔ علاوہ اس کے سامان کے نیا تازہ اور مضبوط ہونے کی گارنٹی یعنی ذمہ داری ہے۔
ہمارا سامان کھیل عرصہ تیرہ سال سے مستقل طور سے ہندوستان بھر کے اسکولوں، کالجوں اور کلبوں میں بکثرت خریدا جاتا ہے جس کی عمدگی اور ارزانی قیمت کی وجہ سے بیشمار سرٹیفکٹ ملنے کے علاوہ ہزارہا مستقل خریدار بن چکے ہیں جو اصحاب ایک مرتبہ بھی ہم سے معاملہ کر چکے ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ دروغ گوئی ہمارا شیوہ نہیں اس لئے ہم اپنے تیار کردہ سامان کھیل کی نسبت تمام تعریفی الفاظ نظر انداز کرتے صرف اتنا لکھنا کافی خیال کرتے ہیں کہ ملک نے یک زبان ہو کر اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ شہر سیالکوٹ کے سامان کھیل سے عمدہ اور بارعایت سامان کھیل کسی دوسری جگہ سے ملنا ناممکن ہے۔ اور پھر آج کل جبکہ ہم بالکل نفت کے برابر نثار رہے ہیں۔ اس لئے ہمارے پرانے گاہکوں اور دیگر نئے اصحاب کو ہمارے اس رعایتی اعلان سے ضرور فائدہ اٹھانا چاہیئے۔
ذیل میں فہرست سامان کھیل درج ہے جس پر سالگرہ کی خوشی میں ۴؍ فی روپیہ کے حساب سے رعایت دیجائیگی حسب ضرورت لکھکر طلب کریں
فہرست سامان ہاکی
فہرست سامان کرکٹ
فہرست سامان فٹ بال
فہرست سامان والی بال
سامان بذریعہ وی پی روانہ ہوگا اور خرچہ ڈاک و پارسل کرایہ ریل وغیرہ بذمہ خریدار
ملنے کا پتہ جنرل منیجر ملک اینڈ کمپنی رجسٹرڈ ملک بلڈنگ شہر سیالکوٹ
تار کا پتہ رجسٹری شدہ
"MALIK" SIALKOT. City
جملہ فرمائشوں میں ہر ایک چیز کی قیمت مطابق اشتہار لکھ کر اخبار ہذا کا حوالہ ضرور دیا کریں

رسالہ
پیام تعلیم

قیمت سالانہ عہ
قیمت فی پرچہ ۱ر

جلد ۱ ۲۱ دسمبر ۱۹۳۰ء نمبر ۴

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین و خریداران "پیام تعلیم" کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنا دے۔ تو ہم اس قابل ہو جائینگے کہ "پیام تعلیم" میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں اور ساتھ کے ساتھ یہ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک خریدار بنانے والے کو ۸ر قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانے والے کے نام ایک سال کے لئے "پیام تعلیم" مفت جاری کیا جائیگا۔

"نیر"

استاد اور والدین کا صفحہ

طریقۂ مجموعی

(سید نصیر احمد)

اچھا استاد ہمیشہ کسی ایسے طریقہ کی تلاش میں رہتا ہے جس میں اُسے گفتگو اور تقریر کم کرنی پڑے اور طلبا فوراً اپنا کام اپنی سمجھ سے کریں۔ ایسا سبق جس میں اُستاد کو بہت کچھ کہنا پڑے اور طلباء صرف سنتے رہیں غیر مفید مانا گیا ہے۔ اس مشکل کو آسان کرنے کے لئے انفرادی طریقۂ تعلیم وضع کیا گیا جس میں ہر طالب علم کو علیحدہ علیحدہ اپنا کام کرنا پڑتا ہے لیکن اس طریقہ میں بھی بہت سی خرابیاں ہیں اور سب سے بڑی خرابی یہ بیان ہوئی جاتی ہے کہ یہ طریقہ بہت انفرادی ہے اور اس میں ایک دوسرے سے تعاون نہیں کیا جاسکتا اس خرابی کو رکھتے ہوئے ماہرین تعلیم نے "طریقۂ مجموعی group method" کو تجربہ کے لئے پیش کیا۔

طریقۂ تعلیم مجموعی کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کو بہت سی گروہوں میں تقسیم کر لیا جائے؛ بجائے اس کے کہ کام کا ایک فرد یا جماعت ایک گروہ کو تصور کر لیا جائے۔

ایک گروہ میں دو یا تین طلبا کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ ہر وقت اور ہر مضمون میں استعمال نہیں ہوتا لیکن اگر اس طریقہ کو صحیح وقت اور صحیح مضمون میں استعمال کیا جائے تو بہت ہی کارآمد مفید اور دلچسپ ہوتا ہے۔ بالخصوص انگریزی یا کسی دوسری زبان میں اور تاریخ اور جغرافیہ میں یہ طریقہ بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔

انگریزی یا دوسری اور کوئی زبان پڑھانے میں سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ اس میں اکثر طلبا کو اس زبان کے بولنے یا دوسرے الفاظ میں استعمال کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ مکالمہ کے گھنٹہ میں کوئی طالب علم بہت ہی خوش قسمت ہوا تو اسے چار پانچ جملے بولنے کے لئے مل جاتے ہیں اور بعض طلبا تو اس سے بھی محروم رہتے ہیں یہی حال پڑھنے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کے طلبا کو انگریزی زبان سیکھنے میں بہت مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔

ہمیں اب دیکھنا یہ ہے کہ مکالمہ میں ہم اس طریقہ کو کس طرح استعمال کر سکتے

The Box A.

Q. What is a box made of ?
A. It is made of wood.
Q. How many sides has a box?
A. It has four sides.
Q. How are the sides joined together?
A. They are join together with nails.
Q. Who can show you how to make a box?
A. The carpenter can show us to make a box.
Q
A.

The Box B.

Q. What do we use a box for?
A. We use a box for keeping things in.
Q. What else has it got?
A. It has got a top and a bottom.
Q. If a box is not good what will happens
A. It will break after two or three days.
Q. What can we cut the wood with?
A. We can cut the wood with knives.

ہیں۔ اس طریقہ کو دلچسپ بنانے کے لئے سب سے پہلے پہلے جماعت کو دو برابر کے گروہوں میں تقسیم کر لینا چاہیئے۔ ایک گروہ کا لایق طالب علم دوسرے گروہ کے لایق طالب علم کے پاس بیٹھے اور ایک کا کمزور لڑکا دوسرے گروہ کے کمزور لڑکے کے ساتھ بیٹھے اسی ترتیب سے دونوں گروہوں کے دوسرے لڑکوں کو بٹھایا جائے۔ اسی حساب سے پوری جماعت کئی گروہوں میں تقسیم ہو جائیگی اور ہر گروہ میں دو برابر کے طلبہ ہوں گے۔ لیکن اصل گروہ دو ہی ہوں گے جب یہ تمام کام مکمل ہو جائے تو استاد ہر ایک لڑکے کو مکالمہ کا رڈ دے الف گروہ کے تمام لڑکوں کے پاس ایک ہی قسم کا کارڈ ہوگا اور ب گروہ کے تمام لڑکوں کے پاس دوسری قسم کا رڈ ہوگا کارڈوں کی ترتیب مندرجہ بالا طریقہ سے ہونی چاہیئے اس کے بعد الف گروہ کا لڑکا اپنے کارڈ میں سے پہلا سوال پڑھتا ہے۔ سوال کا جواب اس کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے اس لئے وہ فوراً معلوم کر لیتا ہے کہ ب گروہ کے لڑکے نے ٹھیک جواب دیا ہے یا نہیں اگر ب ٹھیک جواب دیتا ہے۔ تو اُسے ایک نمبر مل جاتا ہے۔ اگر غلط جواب دیتا ہے تو الف اس کا جواب صحیح کر دیتا ہے اس کے بعد ب گروہ کا لڑکا اسی طرح وہ سوال پوچھتا ہے جو اس کے کارڈ پر لکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک لڑکا کرتا ہے بعد ازاں کارڈ بدل کر یہی طریقہ جاری رکھا جاتا ہے جب تمام کاروائی ختم ہو جاتی ہے تو ہر ایک گروہ اپنے اپنے نمبر جمع کر لیتا ہے۔

اس کام کے دوران میں استاد ہر ایک گروہ کی غلطیاں دیکھتا ہے اور تلفظ درست کرتا ہے اس کی توجہ قدرتاً کمزور لڑکوں کی طرف زیادہ ہوتی ہے تمام گروہ چونکہ ایک ہی وقت میں سوالات وغیرہ پوچھتے ہیں اس لئے

اعتراض ہو سکتا ہے کہ جماعت میں شور بہت ہوتا ہوگا۔ بیشک یہ صحیح ہے لیکن یہ شور مصروفیت کا شور ہوگا۔ اور جماعت کے کام میں کوئی خلل نہ آئیگا

اس دلچسپ اور مفید طریقہ کو شروع کرنے سے پیشتر دو باتوں کی ضرورت ہے اوّل یہ کہ ہر ایک لڑکا سوالات اور جوابات اچھی طرح سے پڑھ سکے۔ اور دوسرے یہ کہ اس میں طلبار کو بہت کافی مشق ہونی چاہئے ایسے سوالات اور جوابات کے کارڈ جو طلبار نے پہلے کبھی نہ پڑھے ہوں نقصان دہ ہے کارڈ بنانے کے لئے استاد کو اسی جماعت کی کتاب سے مدد لینی چاہیے اگر یہ سب ہو جائے تو اسی طریقہ میں کوئی بھی مشکل پیش نہیں آئیگی۔

اس طریقہ سے جماعت کے ہر ایک طالب علم کو زبان استعمال کرنیکا بہت موقعہ ملتا ہے علاوہ ازیں یہ کھیل ہے اور اس میں استاد کو اس مشہور مقولہ سے مدد ملتی ہے کہ لڑکے بہترین کام کھیل کھیل میں کر لیتے ہیں یہ بھی چونکہ ایک کھیل ہے اس لئے لڑکے یقیناً اس میں زیادہ دلچسپی لینگے۔ اس میں صرف ایک مشکل استاد کے لئے ہے اور وہ کارڈوں کا تیار کرنا ہے یقیناً اس میں وقت صرف ہوتا ہے لیکن جب ایک مرتبہ بن جائینگے تو ہمیشہ کام آئینگے اور استاد کو اس تکلیف کا صلہ اس وقت مل جائیگا جب وہ دیکھے گا کہ اسکے شاگردوں کو اس میں کتنی دلچسپی ہے اور وہ کتنی ترقی کر رہے ہیں۔

اگلے پرچے میں ہم یہ دیکھیں گے کہ یہ طریقہ اور مضامین میں کس حد تک دلچسپ اور مفید ہے۔

(ترجمہ)

جناب حسین حسان صاحب جو ہمارے دارالاقامہ میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں اور جو ملک اور قوم کی خدمت کے لئے چند ہفتوں سے جامعہ سے علیٰحدہ ہوگئے تھے۔ آخر کار حکومت کے مہمان بنائے گئے ہم حسین صاحب کو اس عزت افزائی پر مبارکباد دیتے ہیں۔ آپ کا مقدمہ آج کل میں پیش ہونے والا ہے۔

"ج"

کوائف جامعہ

اوکھلا میں جامعہ کے لئے زمین خریدنے کی کوششیں برابر جاری تھیں۔ چنانچہ اب معلوم ہوا کہ معاملہ آخری مراحل تک پہنچ گیا ہے اور چند دنوں میں اس کا فیصلہ ہو جائیگا

مرکزی دارالاقامہ

گذشتہ جمعرات کو انجمن اتحاد کا ایک معمولی جلسہ ہوا جس میں بدرالدین حسن صاحب بیبنی نے مضمون پیش کیا کہ "اتحاد یورپ عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا" عبدالواحد صاحب سندھی نے اس کی مخالفت کی اس کے بعد مختلف حضرات نے اسی مضمون پر روشنی ڈالی۔ آخر میں تجویز مسترد ہوگئی۔

تربیت گاہ بشیر منزل

مدرسہ کے ششماہی امتحانات ۱۰ ستمبر سے شروع ہوں گے اس لئے طلباء بشیر منزل بہت محنت کر رہے ہیں اس ہفتہ بزم ادب کا ایک اہم جلسہ ہوا جس میں تجویز زیر بحث یہ تھی کہ "جامعہ دوسری آزاد درسگاہوں سے بہتر ہے" اس پر بڑی پر جوش اور پرزور تقریریں ہوئیں۔

"م"

تربیت گاہ خاکسار منزل

جناب نگران صاحب اطلاع دیتے ہیں

آفتاب احمد متعلم ابتدائی سوم کے والد صاحب کے خط سے آفتاب احمد کی دادی صاحبہ کی خبر معلوم ہوئی۔

طلبائے خاکسار منزل نے بزم ادب کا ایک غیر معمولی جلسہ کرکے آفتاب احمد اور ان کے والدین سے اظہار ہمدردی کیا اور کلام پاک کی تلاوت کرکے مرحومہ کی روح کو بخشا یہ افسوسناک خبر آج ہی معلوم ہوئی ہے کہ سید عبدالودود متعلم ابتدائی دوم کی چھوٹی بہن کا انتقال ہوگیا ہے۔

ہمیں عبدالودود اور ان کے والدین سے دلی ہمدردی ہے

پانی کی کہانی

پیارے بچو سنو یہ ماجرا
پانی نے اِک دن یہ کہا

جاندار پیتے ہیں سبھی
پیکر وہ جیتے ہیں سبھی

گلزار ہے مجھ سے زمیں
گلنار ہیں پودے کہیں

پستی میں رہتا ہوں سدا
پستی میں بہتا ہوں سدا

بہتا ہوں جب میں دوستو
ہاں زور سے اور شور سے

اُس دم مرے پیشِ نظر
ہوتی ہیں چیزیں جس قدر

ان کو بہا دیتا ہوں میں
آگے بڑھا دیتا ہوں میں

سورج کی گرمی سے میاں
ہوتا ہوا میں ہوں نہاں

جاتا ہوں سوئے آسماں
جا کر بلندی پر جہاں

ٹھنڈی فضا کا یہ اثر
ہوتا ہے میرے حال پر

قطروں میں جاتا ہوں بدل
بادل سے آتا ہوں نکل

بارش ہوں برساتا کہیں
دہقاں کو ترساتا نہیں

کرتا زمیں شاداب ہوں
بھرتا کہیں تالاب ہوں

سیراب ہوتی ہے زمیں
سیلاب آتا ہے کہیں

پودوں کو ہوں میں پالتا
پیڑوں میں ہوں جاں ڈالتا

کھیتی مجھی سے ہے ہری
مجھ سے ہے سبزی اور تری

نہریں مجھی سے ہیں رواں
ہیں کشتیاں مجھ پر دواں

میں کل چلاتا ہوں کہیں
اور نل میں جاتا ہوں کہیں

بجلی بناتا ہوں کہیں
منظر دکھاتا ہوں کہیں

نیّر کا یہ سارا بیاں
ہے ایک سچی داستاں

محمد شفیع الدین نیّر

(خاص) "نیچر موڈرن ہائی اسکول دہلی"

سائنس

ہوا

"ہماری درخواست پر جناب رفعت حسین صاحب صدیقی ایم ایس سی نے پیام تعلیم میں سائنس کے متعلق ایک سلسلہ مضامین شروع کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ یہ مضمون اس سلسلہ کی پہلی قسط ہے۔ امید ہے طلبا اس اہم اور دلچسپ مضمون سے بہت فائدہ حاصل کریں گے۔"

خالق نے ہوا۔ روشنی۔ پانی اور دیگر اشیا ایسی پیدا کی ہیں کہ جن کی جسقدر تعریف کی جائے کم ہے۔ اس وقت صرف ہوا کے متعلق کچھ بیان کیا جائیگا۔ یہ ایسی شے ہے کہ جس کا لگاؤ ہر ذی نفس کی ابتدائے حیات سے شروع ہوکر دم آخر تک قائم رہتا ہے۔ اگر تھوڑی سی دیر کے لئے بھی انسان کو اس نعمت غیر مترقبہ سے محروم کردیا جائے۔ تو زیست محال ہوجائے۔ کسی ڈاکٹر کا قول ہے کہ عمدہ صحت برقرار رکھنے کے واسطے تازہ ہوا۔ صاف پانی۔ سورج کی روشنی۔ سادہ غذا۔ اور کافی ورزش ازحد ضروری ہیں۔ لہذا اس مضمون میں ہم ہوا اور اسکی اہمیت پر غور کریں گے۔ آسانی کے واسطے ہم مضمون کو حسب ذیل عنوانوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) کرۂ ہوائی کے اجزا اور خراب ہوا ہونے کے وجوہات۔

(۲) قدرت کا ہوا صاف کرنے کا انتظام۔

(۳) تازہ ہوا حاصل کرنے کا انتظام و طریقہ رہائش۔

(۴) ہر شخص کے واسطے کم از کم کسقدر جگہ کا ہونا لازمی ہے۔

کرۂ ہوائی کے اجزا اور خراب ہوا ہونیکی وجہ

قبل اسکے کہ ہم اصل موضوع پر بحث کریں یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کا ہوا کی بابت کیا خیال تھا اور اب کیا ہے۔ متقدمین صرف چار چیزوں کو (آب۔ خاک۔ آتش۔ باد) عنصر مانتے تھے۔ لیکن جب سائنس نے ترقی کی اور بہتر آلات تیار ہوئے تو اس خیال نے بھی اٹھارہویں صدی میں آکر اپنا روپ بدلدیا اور سائنسداں اس نتیجہ پر پہونچے کہ ہوا عنصر نہیں ہے۔ اس خیال نے ایک دوسرا اگلی زینہ کھولدیا۔ اور وہ یہ کہ جب ہوا عنصر نہیں ہے تو یہ مرکب ہوگی اور یا آمیزہ۔ نتائج نے بالآخر ثابت کردیا کہ ہوا آمیزہ ہے۔ مرکب نہیں ہے۔ کیونکہ ہوا کی ترکیب بدلتی رہتی ہے۔ بخلاف اسکے مرکبات کی ترکیب میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب مائع ہوا کو (خاص آلہ کے اندر) اڑاتے ہیں تو سب سے پہلے نائٹروجن جو کہ آکسیجن سے زیادہ طیران پذیر ہے اڑتی ہے اور جب آکسیجن کی باری آتی ہے تو پانی اور کاربن ڈائی آکسائڈ منجمد شکل میں ہوجاتے ہیں اور مائع ہوا سے آکسیجن اور نائٹروجن کا کوئی مرکب حاصل نہیں ہوتا۔ تیسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مرکب کے خواص کا اجزا کے خواص سے کچھ واسطہ نہیں ہوتا۔ لیکن آمیزہ میں یہ صورت نہیں۔ چنانچہ ہوا کے اجزا خواہ آزادی کی حالت میں ہوں یا خلوص کی ان کے خواص میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہوا کے آمیزہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آکسیجن اور نائٹروجن پانی میں اپنی طاقت حل پذیری کے مطابق حل ہوتی ہیں اگر ہوا مرکب ہوتی تو اُن کی حل پذیری جداگانہ نہ ہوتی اس بحث کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہوا نہ تو عنصر ہے اور نہ مرکب بلکہ عناصر کا آمیزہ ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس کی ترکیب میں کون سی چیزیں شامل ہیں۔

ا۔ آکسیجن۔ نائٹروجن۔ ہیلیم۔ آرگن وغیرہ۔ ان کا تناسب ہمیشہ ایک رہتا ہے۔

ب۔ حاصلات تحلیل۔ و تنفس۔ احتراق

(Produlo of decomisition respe ration-combrsiion)۔

کاربن ڈائی آکسائڈ۔ آبی بخارات۔ نامیاتی و غیر نامیاتی۔ گرد و غبار۔ ان اجزا کی مقدار ہمیشہ یکساں نہیں ہوتی۔ اور ان کی موجودگی کی وجہ سے ہوا خراب ہوجاتی ہے۔ آکسیجن۔ پریسٹلے اس عنصر کا صاحب انکشاف سمجھا جاتا ہے اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ دوسرے سائنس داں بھی اس سے واقف تھے اسی عنصر کو چینی آٹھویں صدی میں ین (yin) سے موسوم کرتے تھے۔ پریسٹلے سے بہت قبل لیونارڈو دا۔ ونسی نے معلوم کیا کہ ہوا میں دو گیسیں ہیں اسکے بعد میو (mayow) نے ہوا میں آکسیجن کے تناسب کا اندازہ کیا۔ ۱۷۳۰ء میں ہیلس (Hales) نے شورہ کو گرم کرکے اس گیس کو بنایا۔ پریسٹلے کے ساتھ ہی ساتھ شیل نے بھی اس عنصر کے بہت کچھ خواص معلوم کئے۔

یہ عنصر ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ کوئی شے اس سے خالی نہیں۔ پانی میں ۸۹ فیصدی ہے۔ ہوا میں [illegible] چہارم ہے۔ یہ نباتات و حیوانات میں موجود ہے اور معدنیات بھی اس سے خالی نہیں ہیں۔

اگر ہم چاہیں تو تجربہ گاہ میں اسکو مختلف طریقوں سے مثلاً آکسائڈوں یا مرکبات کے گرم کرنے سے تیار کر سکتے ہیں۔ بالعموم دارالتجربہ میں پوٹاشیم کلوریٹ اور مینگنیز ڈائی آکسائڈ کو ایک شیشے کی نلی میں گرم کرکے بناتے ہیں۔ مینگنیز ڈائی آکسائڈ عامل شے ہے۔ (Catalytic agent) جس سے مطلب یہ ہے کہ اسکی وجہ سے پوٹاشیم کلوریٹ سے آکسیجن کم درجہ حرارت پر حاصل ہوتی ہے۔ اسکی نوعیت میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ایسے عمل کو عمل عامل (Catalysis) کہتے ہیں۔

اس عنصر میں نہ تو رنگ ہے۔ نہ کوئی اسکا مزہ ہے اور نہ اس میں کچھ بو ہوتی ہے لیکن اس میں تیزی ہے مثلاً لکڑی، گندھک، فاسفورس، اور دیگر اشیاء خوب تیزی کے ساتھ جلتی ہیں۔ اگر ہوا میں آکسیجن نہ ہوتی تو سارا کام ہرگز نہ ہو سکتا تھا۔ کہیں پھلواری سبزی وغیرہ دیکھنے کو نہ ملتی۔ سب نہ ہوتیں یہ سب اسی کا کرشمہ ہیں۔ روشنی بھی اسکی مدد سے حاصل ہو سکتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہماری زندگی کا یہ اکسیر ہے۔ دنیا کے مریضوں کو مصنوعی طریقوں سے اسکو پہونچاتے ہیں اور وہ شفایاب ہوتے ہیں۔ اگر پانی میں حل نہ ہو تو مچھلیاں وغیرہ سب ختم ہو جائیں۔ انسان سانس کے ذریعہ اس گیس کو اپنے پھیپھڑوں تک پہونچاتا ہے۔ پھیپھڑوں کے اندر داخل ہوکر خون کو ہیموگلوبن (ایک سرخ رنگ کی چیز خون میں شامل ہے) میں جذب ہوکر صاف کرتی ہے۔ جب خون کو صاف کر دیتی ہے تو ایک دوسری گیس میں جسکے مختلف خواص ہیں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور کاربن ڈائی آکسائڈ کہلاتی ہے جب انسان سانس باہر کو لیتا ہے تو یہیں خارج ہو جاتی ہے۔

نائٹروجن۔ اس گیس کے صاحب انکشاف ڈاکٹر رودرفورڈ پروفیسر نباتات ایڈنبرا تھے۔ چونکہ شورہ میں اسکی خاص اہمیت ہے اور لاطینی زبان میں شورہ کو نائٹرم (Nitrum) کہتے تھے لہذا اسکو مدنظر رکھتے ہوئے چپتال (Chaptal) نے اس کا نام نائٹروجن رکھا جو کہ اب ہر جگہ مستعمل ہے۔ اگرچہ لاوازیئے (Lavoisier) نے اس کا نام غیر عامل ہونے کی وجہ سے ایزوٹ (Azote) رکھا مگر وہ مقبول عام نہ ہوا۔ اس نے اسکی عنصرانہ خواص کی بھی تصدیق کی۔ اس سے قبل سویڈش سائنسداں شیل (Scheele) نے یہ معلوم کیا کہ ہوا دو گیسوں کا آمیزہ ہے جس میں ایک اشیاء کے جلنے میں مدد دیتی ہے لیکن دوسری نہیں۔ ۱۸۹۴ء تک یہ خیال تھا کہ کرہ ہوائی کی نائٹروجن ایک عنصر ہے اور اس میں اور عناصر شامل نہیں ہیں لیکن ریمزے اور ریلے نے تجربوں کی بنا پر ثابت کیا کہ اس میں ایک فیصدی آرگن (Argon) ہے اور ہیلیم نیون وغیرہ بھی کم مقدار میں شامل ہیں۔ یہ گیس ہوا میں بکثرت موجود ہے۔ نباتی، حیوانی اور معدنی اشیاء میں بھی کافی مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اسکو ہوا سے نکال سکتے ہیں لیکن عمل میں مرکبات کے گرم کرنے سے اسکو حاصل کر سکتے ہیں چنانچہ امونیم کلورائڈ و سوڈیم نائٹرائٹ کے محلول کو جبکہ حرارت پہونچائی جاتی ہے تو پہلے امونیم نائٹرائٹ بنتا ہے اور پھر یہ تحلیل ہوکر نائٹروجن کو آزاد کر دیتا ہے۔ اسکو امونیم کلورائڈ و امونیم نائٹریٹ کے محلول کو گرم کرنے سے بھی تیار کر سکتے ہیں لیکن اس صورت میں کلورین و نائٹروجن دو گیسیں آزاد ہوتی ہیں۔ خالص نائٹروجن حاصل کرنے کا یہ انتظام کیا جاتا ہے کہ گیسوں کو سوڈیم ہائڈرآکسائڈ کے محلول میں گذارا جاتا ہے۔ یہ محلول کلورین کو جذب کر لیتا ہے اور آزاد نائٹروجن باقی رہ جاتی ہے۔

یہ گیس بھی آکسیجن کی طرح بے رنگ، بے بو اور بے مزہ ہوتی ہے۔ آکسیجن و نائٹروجن گیسوں کو دباؤ کے ماتحت جب بہت زیادہ سردی پہونچائی جاتی ہے تو وہ پہلے مائع صورت میں اور پھر ٹھوس شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ نائٹروجن گیس کی ایک خاص خاصیت یہ ہے کہ غیر عامل ہے۔ یہ نہ احتراق پذیر ہے اور نہ احتراق انگیز اور اسی وجہ سے اسکو حیات افزا۔ جیسا کہ آکسیجن کو کہتے ہیں۔ نہیں کہہ سکتے۔ چونکہ یہ حیات افزا نہیں ہے۔ اسلئے فرانسیسی سائنسداں [illegible] نے اس کا نام ایزوٹ رکھا تھا۔

آرگن۔ شیل کو کچھ شبہہ گذرا تھا کہ نائٹروجن جو ہوا سے بنائی جاتی ہے اور وہ نائٹروجن جو مرکبات سے حاصل کرتے ہیں ان کے خواص میں کچھ فرق ہے۔ لیکن اس نے اپنے اس شبہہ کو کسی قسم کا عملی جامہ نہیں پہنایا۔ ایک مدت کے بعد یہی خیال لارڈ ریلے کے دل میں بھی پیدا ہوا۔ اور چنانچہ اس نے اس فرق کے معلوم کرنے کی دعوت سائنٹفک دنیا کو دی۔

اس کامیابی کا سہرا سر ولیم ریمزے کے سر رہا اور اسکی اس اہم تحقیقات کے سلسلے میں اسکو نوبل انعام عطا ہوا۔ اس نے معلوم کیا کہ مرکبات کی نائٹروجن خالص ہوتی ہے اور اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہوتی لیکن جو کہ ہوا سے

حاصل کی جاتی ہے اس میں آرگن اور دوسری گیس شامل ہوتی ہیں۔ اسکو ثابت کرنے کیلئے اس نے میگنیسیم سے کام لیا میگنیسیم میں یہ خاصیت ہے کہ نائٹروجن سے ملکر نائٹرائڈ بناتی ہے چنانچہ اس نے ہوکو آکسیجن علٰحدہ کرنے کے بعد گرم کی ہوئی نلی میں جس میں میگنیسیم موجود تھا گذارا۔ نائٹروجن نے اس دہات سے ترکیب کھا کر نائٹرائڈ بنا دیا اور اس تعامل کے بعد کچھ گیس باقی رہیں وہ آرگن وغیرہ ہیں۔ یہ گیس بہت ہی زیادہ غیر عامل ہیں کسی چیز کا اثر نہیں ہوتا ہے ہیلیم گیس بہت ہلکی ہوتی ہے اور اسکو ہوائی جہاز کے بھرنے کے کام میں لایا جاتا ہے۔

اس وقت تک ہمنے صرف ان گیسوں کی بابت بیان کیا ہے جو کہ ہوا میں ایک معین مقدار میں موجود ہیں اب ان چیزوں کا ذکر کیا جائیگا جن کی مقدار کا دار و مدار ماحول پر بھی ہے۔ اس سلسلہ میں ہم کاربن ڈائی آکسائڈ کی خواص دریافت کرینگے۔ اس کا دوسرا نام کاربونک ایسڈ گیس بھی ہے۔ یہی وہ گیس ہے جو انسان اپنے پھیپھڑوں سے باہر خارج کرتا ہے اور زہریلی ہوتی ہے۔ روزانہ کے مشاہدہ کی بات ہے کہ اگر بہت سے اشخاص کو ایک تنگ و تاریک کمرہ میں بند کر دیا جائے تو ان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یا کسی جگہ بہت بڑا مجمع ہو تو گرمی محسوس ہوتی ہے یہ اسی گیس کی وجہ سے ہے۔ موجودہ سائنٹفک تحقیقات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ پھیپھڑوں سے اس گیس کے علاوہ ایک اور گیس خارج ہوتی ہے جو کہ زہریلی ہوتی ہے۔ دم وغیرہ گھٹنا اسکی موجودگی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار ہوا میں ۰۳ فیصدی ہوتی ہے۔ شہر کی آب و ہوا میں ۰۶ فیصدی تک ہو جاتی ہے اور ایسے مکانات میں جہاں ضرورت سے زیادہ اشخاص سکونت پذیر ہوں تو اس کی مقدار ۵ فیصدی تک ہو جاتی ہے۔

اگر کسی جگہ اس گیس کا وجود معلوم کرنا ہو تو بہترین ترکیب یہ ہے کہ بیریم ہائڈر آکسائڈ کا محلول کسی کھلے برتن میں رکھدو۔ اگر وہاں یہ ہوگی تو بہت جلد برتن میں محلول کی سطح پر بیریم کاربونیٹ کی تہ بنا دیگی

اس گیس کو جوزف بلیک صاحب نے ۱۷۵۵ء میں سنگ مرمر یا میگنیسیم کاربونیٹ کو گرم کرکے حاصل کیا تھا۔ وجہ یہ ہے کہ تمام کاربونیٹس سوائے سوڈیم یا پوٹاشیم کے کاربونیٹ جب گرم کئے جاتے ہیں۔ تو یہ گیس آزاد ہو جاتی ہے اور دہاتی آکسائڈ باقی رہجاتا ہے۔ بلیک صاحب نے مزید براں یہ بات بھی تحقیق کی کہ جب ترشے کاربونیٹس پر عمل کرتے ہیں تو بھی یہ گیس آزاد ہوتی ہے چنانچہ معمل میں اس گیس کو اسی اصول پر تیار کرتے ہیں۔ ایک بوتل میں کنکر یا سنگ مرمر وغیرہ کوٹ کر رکھتے ہیں اور اسپر ہلکا یا ہوا تمک کا تیزاب ڈالتے ہیں۔ یہ گیس نکلنے لگتی ہے اور اسکو بہت سی استوانیوں میں بھر سکتے ہیں۔

یہ گیس کرہ ہوائی میں موجود ہے۔ بہت سے گرم پانی کے چشموں سے بھی اس کا اخراج ہوتا ہے کہ وہ جگہ وادی موت کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح اٹلی میں نیپلز کے قریب ایک مقام ہے جسکو غار کلب (Grota del cave) کہتے ہیں۔

کرہ ہوائی میں اس گیس کے زیادہ ہونے کے بہت سے ذرائع ہیں اکثر تجربہ ہے کہ اگر کسی ناصاف مقام سے جہاں کوڑا وغیرہ پڑا ہو تعفن اٹھ کر گذرنا مشکل ہو جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ کاربن ڈائی آکسائڈ بمعہ دیگر اجزاے تحلیلی کے جو حیوانی اشیاء کے سڑنے سے بنتی ہیں کرہ ہوائی میں جمع ہو جاتی ہے۔ کوئلہ و لکڑی وغیرہ کے جلنے سے بھی یہ گیس آزاد ہوتی ہے۔ اسکے ساتھ ایک دوسری گیس بھی جسکو کاربن مانو آکسائڈ کہتے ہیں اور جو اس سے زیادہ زہریلی ہے نکلتی ہے۔ اگر کسی کمرہ کو بند کرکے اس میں کوئلہ کی انگیٹھی روشن کی جائے تو دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہ اسی گیس کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اتنا ذکر تو حاصلات تحلیل و احتراق کا ہے۔ حاصلات تنفس کا ذکر آکسیجن کے بیان میں کیا جا چکا ہے کہ ہر متنفس اپنے اندر آکسیجن کھینچتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ باہر نکالتا ہے۔ انسان تقریباً نصف مکعب فٹ گیس خارج کرتا ہے لیکن دیگر جانور مثلاً بیل گھوڑے وغیرہ انسان سے تین گنا زیادہ خارج کرتے ہیں۔

حاصلات تحلیل و احتراق و تنفس ہی کچھ نہیں ہیں جو ہوا کو خراب کرنے میں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جنکی بابتہ اب ہم بیان کرینگے کہ وہ بھی اسکو ناصاف بنانے کی بہت زیادہ حد تک ذمہ دار ہیں۔

آبی بخارات بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہر وغیرہ بہت زیادہ ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اور بخارات گرد و غبار کے ذرات کے اردگرد قطروں کی شکل اختیار کرکے ہوا کو مرطوب کر دیتے ہیں ایسی ہوا میں انسان کی طبیعت بہت مضمحل رہتی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہوا میں تو گنجائش ہوتی نہیں کہ وہ اور بخارات کو لیگی اسلئے تمام عمل تبخیر بند ہو جاتا ہے۔ اور اسلئے جسم کے پانی کی تبخیر رک جاتی ہے اور چونکہ تبخیر ہی دفعیہ حرارت کا اصل ذریعہ ہے اسلئے جسم میں حرارت کا اجتماع شروع ہو جاتا ہے اور اس حرارت سے تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے"

گرد و غبار۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک غیر نامیاتی، دوسرا نامیاتی۔ غیر نامیاتی میں پتھر مٹی۔ دھوئیں۔ وغیرہ کے ذرات شامل ہیں۔ نامیاتی قسم میں عموماً حسب ذیل اجزاء

نما . کئے جاتے ہیں۔

(۱) کوئلے کے ذرات۔

(۲) اون و روئی کے ریشہ

(۳) بھوسہ گھاس پات کے تنکے۔

(۴) سوکھے ہوئے تھوک کے اجزاء۔

(۵) فضلات کے ذرات۔

(۶) جراثیم - یہ آزاد حالت میں اور بگرانیا۔ سے چھٹے ہوئے کرۂ ہوائی میں موجود رہتے ہیں۔ جسقدر بیماریاں ہیں ان سب کے عامل جراثیم ہی ہوتے ہیں۔ لہذا یہ تمام چیزیں ہوا کو خراب کرتی ہیں۔ جب کمرہ میں سورج کی روشنی آتی ہو تو اسکو غور سے دیکھو صد ہا قسم کے ذرات معلوم ہونگے اگر ان کو کسی ایسے آلہ سے دیکھا جائے جو ان کے قد و قامت کو زیادہ صاف و بڑا دکھائے تو متذکرہ بالا بات کی تصدیق ہو جائیگی۔

قدرت کا ہوا صاف کرنیکا انتظام

ایسے تو ہر طرف نیم میں ان چھوٹی چھوٹی ہستیوں کی چہل پہل ہے تو دوسری طرف قدرت نے ان کے دور کرنے کا بھی بہت معقول انتظام کیا ہے۔ حسب ذیل ایسی چیزیں ہیں کہ جو ہوا کو صاف کرتی رہتی ہیں۔

ا - بارش۔

ب - دھوپ۔

ج - پودے۔

د - تیز ہوا۔

ہ - درجہ حرارت کی کمی یا زیادتی۔

ا - بارش کا یہ کام ہے کہ کرۂ ہوائی کے گرد و غبار اور دیگر اشیا و گیسوں کو اپنے ساتھ لے آتی ہے۔ اور اس طریقہ سے ہوا دھل جاتی ہے اور تمام نقصان پہونچانے والی چیزوں کا دفعیہ ہو جاتا ہے۔

ب - دھوپ - جب یہ زیادہ تیز ہوتی ہے تو بہت سے جراثیم کو ختم کر دیتی ہے۔

ج - پودے - انسان سانس لینے میں آکسیجن لیتا ہے اور کاربن ڈائی آکسائڈ نکالتا ہے لیکن پودے کاربن ڈائی آکسائڈ لیتے ہیں اور آکسیجن نکالتے ہیں۔ تو اس طریقہ سے کرۂ ہوائی کی ہوا ہمیشہ صاف ہوتی رہتی ہے۔ اس میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار بہت زیادہ نہیں ہونے پاتی۔

د - تیز ہوا - بھی ایک جگہ کے جراثیم وغیرہ کو بہت دور پھینک دیتی ہے۔ اور اس طریقہ سے اس جگہ کی ہوا کو جہاں کہ وہ تیزی سے چل رہی ہو صاف کر دیتی ہے۔

ہ - ضرورت سے زیادہ گرمی اور سردی میں بھی جراثیم ختم ہو جاتے ہیں۔

تازہ ہوا حاصل کرنیکا انتظام و طریقہ رہائش

یہ ضروری ہے کہ تازہ اور کھلی ہوئی صاف ہوا میں رہنا صحت کے واسطے بہت مفید ہے لیکن تجربہ سے ظاہر ہے کہ ہر موسم میں یہ آسان بات نہیں اور اسی وجہ سے انسان نے اپنے رہایش کے واسطے مکان تعمیر کرائے ہیں۔ مکانوں میں ارتقا نظر آتی ہے۔ کہیں تنگ و بند جھونپڑیاں ہیں تو کہیں ایسے مکان ہیں جہاں ہوا اور روشنی کا گذر بہت دشوار ہے۔ بلکہ ان کو ہوا اور روشنی پسند نہ کہا جائے تو مناسب ہے۔ تو کہیں بڑی بڑی عمارات ہیں جن میں کچھ ایشیائی اور کچھ مغربی فن تعمیر کے آثار نمایاں ہیں۔ بہت سی ایسی بھی دیکھنے میں آتی ہیں جو ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔ لیکن ہمکو یہ دیکھنا ہے کہ کونسی عمارت بہتر ہو سکتی ہے۔ تجربہ سے ظاہر ہے کہ جب ہوا گرم ہوتی ہے تو اوپر کو چلتی ہے اور ٹھنڈی ہوا اسکی جگہ آکر لیلیتی ہے چنانچہ ان کمروں کی ہوا جس میں کہ انسان رہتا ہے تو مختلف وجوہات سے گرم ہوتی ہے اور اوپر اٹھتی ہے قدرتاً اسکے باہر نکلنے کا کوئی انتظام ہونا چاہیے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی بندوبست ہونا چاہیے کہ تازہ و ٹھنڈی ہوا گرم ہوا کی جگہ لے سکے۔ اس کا انتظام دروازوں کھڑکیوں اور روشندانوں سے ہو سکتا ہے اور اسی وجہ سے مکان میں ان کو بنایا جاتا ہے ان کا بڑا کام اصول حفظان صحت کے لحاظ سے بھی ہے کہ خراب ہوا کو نکال کر تازہ ہوا داخل کریں۔ ہر کمرہ میں کم از کم دو راستہ ایسے ہونا لازمی ہیں کہ جن سے ہوا آ اور جا سکے۔ وہ مکان جس میں ہوا داخل نہ ہو سکے صحت کے واسطے بہت ہی برے ہیں۔ مکانوں کی ہوا چمنیوں کے ذریعہ بھی صاف ہوتی ہے۔ کمرہ کی ہوا گرم ہو کر چمنی کے ذریعہ سے باہر نکل جاتی ہے اور ٹھنڈی ہوا اسکی جگہ حاصل کر لیتی ہے چمنی سے ایک فائدہ اور بھی ہے کہ اس میں ہوا کے رخ بدلنے اور بند ہونے کا کوئی ڈر باقی نہیں رہتا۔ ہوا ہر صورت میں گرم ہو کر اوپر چلی جائیگی۔ خواہ سردی کا زمانہ ہو یا گرمی کا۔ سونے کا کمرہ میں تازہ ہوا اندر آنے کا معقول انتظام ہونا چاہیے۔ لہذا وہ مکان بہتر کہلائے جانے کا مستحق ہے جس میں ہوا اور روشنی کی آمد و رفت کے لئے دروازہ۔ کھڑکیاں۔ روشندان و چمنیاں کافی و وافی ہوں۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ سونے کے کمرہ وغیرہ میں ہوا کا انتظام ہوتا ہے لیکن باورچیخانہ وغیرہ اس نعمت عظمی سے محروم رہتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دھواں وغیرہ باورچیخانہ میں جمع ہوتا رہتا ہے اگر ایسی جگہ پکے ہوئے کھانے کو غور سے دیکھا جائے تو کھانے میں دھوئیں کے ذرات ضرور نظر آئینگے۔ یہ تندرستی کے

واسطے نہایت خراب غذا ثابت ہوگی

ہر انسان کا فرض ہے کہ صاف ہوا میں رہے۔ اور بہتر ہے کہ ایک کمرہ میں ایک ہی شخص رہے جب ایک تنگ جگہ میں بہت سے اشخاص رہتے ہیں تو عموماً ان کی صحت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ درد سر۔ اعضا شکنی قبض۔ بھوک نہ لگنا۔ شب کو نیند نہ آنے کی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں مگر وہ بیماروں کو اور بھی حفاظت کی ضرورت ہے اگر وہ اس کی احتیاط نہ کرینگے تو بالآخر ایسے امراض میں مبتلا ہو جائینگے جس سے جانبری مشکل ہوتی ہے مریضوں کو ایسی جگہ رکھنا چاہیے۔ جہاں کہ تازہ ہوا کا بہت ہی بہتر انتظام ہو۔ بخلاف اس کے ہندوستان میں یہ کیا جاتا ہے کہ اس کو تنگ ایک ناصاف جگہ میں مقید کر دیا جاتا ہے اول تو مرض اور اس پر یہ علاج نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی حالت روزانہ گرتی جاتی ہے۔ اس چھوٹے سے کمرہ میں صرف مریض ہی نہیں ہوتا ہے اس کے بہت سے تیماردار بھی ہوتے ہیں۔ جو بجائے دوستی کے حقیقتاً مریض سے دشمنی کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ جب ایک ہی شخص کے واسطے کافی نہیں تو زیادہ کے واسطے کس صورت سے کافی ہو جائیگا۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ کمرہ میں زہر کی مقدار بڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور جو سب سے کمزور اور بالکل اسی جگہ مقید رہتا ہے اس کی حالت خراب کو اور زیادہ ابتر کر دیتا ہے اسی وجہ سے اکثر تیماردار بھی مختلف امراض کا شکار ہو جاتے ہیں

اکثر لوگوں کی ایک اور خراب عادت پڑ جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ سوتے وقت اپنے آپ کو کمبل۔ لحاف چادر وغیرہ میں اس طریقہ سے ڈھکتے ہیں کہ بدنصیب دشمن جاں تازہ ہوا کہیں داخل نہ ہو جائے۔ ذرا غور کیجئے کہ جب آپ سانس لیتے ہیں۔ آکسیجن لیتے ہیں اور اس کے بجائے ایک زہریلی گیس باہر نکالتے ہیں تو جب آپ اپنے آپ کو بہت مضبوطی کے ساتھ بند کر لینگے تو بجائے آکسیجن کے کاربن ڈائی اکسائڈ اور دیگر حاصلات تنفس جو کہ آپنے خارج کر کے باہر نکالدئے تھے انہی اجزا کو پھر سانس سے اندر لیجائینگے تو بجائے فائدہ پہونچنے کے اس سے نقصان پہونچیگا آکسیجن کا کام تو یہ ہے کہ آپ کے [illegible] کا خون صاف کر دے۔ اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بجائے ناک کے منہ سے بہت سے لوگ سانس لیتے ہیں یہ بھی قانون قدرت اور اصول حفظان صحت کے اعتبار سے مضر ہے۔ جب سانس لینے کے واسطے نتھنوں کی [illegible] ہوا ہے تو [illegible]

ناک کو سانس لینے کے واسطے استعمال کرنا چاہیئے۔ لہذا ایک کمرہ میں ایک ہی شخص کو رہنا چاہیئے سونے کے کمرہ میں کھڑکیاں، روشندان وغیرہ کبھی بند نہ رکھنا چاہیئے اور منہ کو کبھی نہیں ڈھکنا چاہیئے ورنہ ناک سے سانس لینا چاہیئے یہ ہدایات صحت برقرار رکھنے کے واسطے از حد ضروری ہیں۔

[illegible] اس سلسلہ میں دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ سونے کے کمرہ میں اکثر پالتو جانور یا پرندے ہیں تو ان سے بھی اکثر بیماریاں پھیلتی ہیں۔ بندر سے دق کا ہونا ممکن ہے۔ طوطے سے ایک ایسی بیماری پھیلتی ہے کہ جس کے جراثیم نمونیہ سے ملتے جلتے ہوتے ہیں گھوڑے سے اکثر بیماریوں کی مثالیں ملتی ہیں بلبلوں سنبل غلام علاوہ کبوتروں سے بیماریوں کی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں۔ تو انسان کو چاہیئے کہ جہاں تک ہو سکے ان سے دور ہی رہے [illegible]

جس کمرہ میں کہ انسان رہے اس میں بہت سے لیمپ وغیرہ روشن نہ ہوں تو بہتر ہے۔ اس لئے کہ ایک لیمپ ہوا کو اس قدر خراب کرتا ہے جتنے کہ سات آدمی رہ کر خراب کرینگے۔ مرہ کو جس میں کہ ٹیمپی وغیرہ ہو بند کر کے انگیٹھی وغیرہ میں روشن کرنا چاہیئے اس لئے کہ کوئلہ کے حاصلات سے بعض ایسی گیسیں پیدا ہوتی ہیں جو صحت کے واسطے بہت مضر ہوتی ہے

ہر شخص کے واسطے کم از کم کس قدر جگہ ہونا لازمی ہے۔ ہم اب اس مضمون کو صرف اتنا بتا کر ختم کرنا چاہتے ہیں کہ ایک انسان کو کم از کم کتنی جگہ کی ضرورت ہے۔ اس کا زیادہ تر انحصار اس پر ہے کہ جگہ سونے کے واسطے ہے یا کام کرنے کے واسطے لیکن حساب سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ایک شخص کے واسطے دس فٹ لمبا۔ دس فٹ چوڑا اور دس ہی فٹ اونچا سونے کا کمرہ ہونا چاہیئے۔

ہمدردی

شفیق نامی ایک شخص شہر نینوا میں رہتا تھا۔ جو رحم اور محبت کا پیکر اور ایثار اور ہمدردی کا مجسمہ تھا اس کی راتیں خدا کی یاد میں بسر ہوتی تھیں اور دن اس کے بندوں کی خدمت گذاری میں، ایک بار ایک مشہور ڈاکو بیس برس کی سزا جھیل کر قید خانہ سے باہر اسی شہر میں پہونچا جاڑے کا موسم تھا ایک پہر رات گذر چکی تھی بھوک اور تھکن سے چور ہو رہا تھا۔ سارے شہر کا بار بار چکر لگایا کہ رات بھر کے لئے کہیں پناہ ملجائے مگر میسر نہ آئی مجبوراً اس نے ایک احاطہ کی شکستہ کوٹھری میں پناہ لینی چاہی کتے کا گھر تھا کتے نے بھی اس کے ساتھ شب باش ہونا گوارا نہ کیا۔ پھر اس نے سوچا میرے لئے صرف قید خانہ ہی میں جگہ نکل سکتی ہے وہ شہر کے قید خانہ کے دروازہ پر پہونچا، اور بڑی عاجزی سے درخواست کی کہ رات بھر کے لئے اسے جگہ دی جائے لیکن محافظ جیل نے کہا کہ سرائے نہیں ہے قید خانہ ہے اگر یہاں آنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے کو گرفتار کراؤ۔ بالآخر اتفاقات اسے شفیق کے دروازے پر پہونچاتے ہیں شفیق کو معلوم ہوا کہ کوئی بندہ خدا ہے آواز دی اندر چلے آؤ یہ مکان میں جاتا ہے شفیق ایک دوست اور بھائی کی طرح اس کا خیر مقدم کرتا ہے" اور ڈاکو سخت متعجب ہوتا ہے جب دیکھتا ہے کہ یہ آدمی اسے گفتگو میں "جناب" کر کے مخاطب کرتا ہے اس نے اپنی زندگی لاکھوں کو جناب کہا تھا لیکن خود اپنے لئے یہ کبھی نہیں سنا تھا وہ حیران ہو کر کہتا ہے "میں رہا شدہ قیدی ہوں اگر تم میرے حال سے واقف ہوتے تو ایسا نہ کہتے" لیکن وہ پیکر سعادت کہتا ہے "میں تم سے واقف ہوں، کیوں کہ تم میرے بھائی ہو" کھانے کے بعد وہ ایک عمدہ کمرہ میں ڈاکو کے سونے کا سامان کرتا ہے۔ اور چاندی کا شمعدان روشنی کے رکھدیتا ہے اور شب بخیر کہکر رخصت ہو جاتا ہے۔ ڈاکو شکر گذار سو جاتا ہے اس لئے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ نرم اور گرم بستر پر سویا ہے اب پچھلے پہر اس کی آنکھ کھلتی ہے اور اچانک حرص و آز کے مجرمانہ جذبات بھڑک اٹھتے ہیں گھبراہٹ میں کچھ چیزیں لیکر باغ کی دیوار پھاند کر روانہ ہو جاتا ہے۔ . . . . . شفیق صبح کو اٹھتا ہے وہ خیال کرتا ہے۔ کہ اپنے مہمان کے لئے گھر کی گائے کا تازہ دودھ مہیا کرے، اتنے میں دروازہ کھلتا ہے، اور پولیس کے سپاہی اسی ڈاکو کو گردن سے پکڑے دکھائی دے۔ یہ موقع شفیق کی ہمدردی کا سب سے زیادہ موثر تصویر پیش کرتا ہے جونہی شفیق کی نظر پڑی، بے تامل آگے بڑھتا ہے اور ڈاکو دیکھکر کلیجہ تھام لیتا ہے۔ دل محبت سے بھر آتا ہے آنکھیں آنسو سے ڈبڈبا جاتی ہیں آنسو روک کر کہتا ہے "ہائے میرے عزیز بھائی اور مخلص دوست تجھے پولیس نے اتنی تکلیف دی۔ . . . . شفیق کے یہ الفاظ سنکر سپاہی متحیر ہو جاتے ہیں کہ یہ ماجرا کیا ہے۔ ہم نے چور سمجھ کر گرفتار کیا تھا، اور یہ شفیق کا مخلص دوست نکلا۔ آخر سپاہیوں نے چھوڑ دیا

شفیق نے کہا ناشتہ کھاؤ اور اب اگر آنا تو بغیر میرے مکان پر ٹھہرے ہوئے۔ یہاں سے گذرنیکی زحمت گوارا نہ کرنا جو نقرئی ظروف اور قیمتی کپڑے لیکر بھاگا جا رہا تھا وہ اور اس کا دو چند سامان اور کچھ روپے دیکر رخصت کر دیا۔

شفیق کی اس ہمدردی کا اثر یہ ہوا کہ ڈاکو ہمیشہ کے لئے اپنے مجرمانہ حرکات سے تائب ہو گیا"

ابو داؤد
متعلم مدرسۃ الاصلاح
سرائے میر اعظم گڈھ

انعام

دسمبر کی تعطیلات میں رسالہ جامعہ کے ایک سال کے لئے خریدار بنانیوالوں کو زر چندہ وصول ہونے پر فی خریدار ایک روپیہ بطور انعام دلیایئگا ہم خریدار بنا کر اپنے نام ایک سال کے لئے مفت رسالہ جاری کرالیں۔
طلبار کے ساتھ خاص رعایت کی جائیگی۔

منیجر

سقراط کی کہانی

گذشتہ سے پیوستہ

(سید نصیر احمد)

"میری شرط یہ ہے کہ میں آپکی مٹھائی پر بیٹھوں اور جہاں دل چاہے وہاں جاؤں"

"منظور، منظور" بادشاہ نے ہنس کر کہا
مکھی نے سلام کیا اور اڑ گئی۔

لوگ جو بادشاہ کے ارد گرد بیٹھے تھے بادشاہ کو ہنستے بولتے بہت حیران ہوئے۔ لیکن مکھی کے جانے کے بعد ہی ایک بوڑھا اٹھا اور کہا "اعلیٰ حضرت آپ نے مکھی کی شرط کو پورا کرکے اپنا ملک ایک زیادہ بڑے دشمن کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔

"خاموش رہو۔ کیا بکواس کرتے ہو" سب لوگ چلا اٹھے۔
بیچارہ بڈھا جبراً بٹھا دیا گیا اور لوگ اٹھ اٹھ کر اپنے گھروں کو چلے گئے۔

یہ کہہ کر سقراط خاموش ہو گیا
"پھر کیا ہوا، پھر کیا ہوا" لڑکوں نے کہا
"جو کچھ ہوا۔ پھر بتاؤنگا۔ میں نے تمہارا کافی وقت ضائع کیا ہے"
یہ کہہ کر سقراط مدرسہ سے رخصت ہوا

کچھ دنوں کے بعد سقراط اپنی کہانی ختم کرنے کے لئے پھر مدرسہ میں آیا کمرہ میں آنے سے پیشتر باہر زمین کی طرف کچھ دیکھنا شروع کیا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کوئی چیز کھو گئی ہے۔ لیکن چند ہی لموں کے بعد وہ کمرہ میں داخل ہوا۔ سب لڑکوں نے پوچھا "وہ جس کی آپ کو تلاش تھی مل گئی ہے یا نہیں۔" "نہیں ملی" سقراط نے کہا۔ ایک لڑکے نے کہا "بہت افسوس ہے آخر کون سی چیز کھو گئی تھی"
"نہیں معلوم کون سی چیز کھو گئی تھی لیکن وہ چیز نہیں ملی جس کی مجھے تلاش تھی اور مجھے اس کی بہت خوشی ہے" سقراط نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"تو یہ چیز کیا تھی" لڑکوں نے تعجب سے پوچھا "کوئی چیز کھوئی بھی نہیں گئی اور آپ کو خوشی بھی ہوئی جب وہ چیز آپ کو نہ ملی۔ یہ تو معمہ ہے"
استاد نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ آپ لوگ اس کو معمہ ہی سمجھ لیجئے مجھے معلوم ہے کہ جناب سقراط صاحب مدرسہ میں گندگی اور کوڑا کرکٹ تلاش کر رہے تھے لیکن یہاں ایسی چیزیں نہیں ہیں"

بالکل ٹھیک" سقراط نے کہا "اور میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں مدرسہ بھر میں ذرا بھی کوڑا کرکٹ نہیں ہے۔ آپ اس کے لئے ایک گڑھا استعمال کرتے ہیں امید ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں جب مدرسہ چھوڑینگی تو اچھی عادتیں اپنے ساتھ لیجائیگی اور ان عادتوں کو چھوڑ نہیں دینگی" "نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا
"نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا" استاد نے کہا صفائی اب انکی عادت ثانیہ ہو گئی ہے۔ وہ گندگی اور کوڑا کرکٹ کو درحقیقت ناپسند کرتے ہیں۔

"بہت خوب" سقراط نے کہا۔
لیکن جناب ہماری کہانی کیا ہوئی۔ آپ تو باتوں میں ٹالنا چاہتے ہیں" بہت سے لڑکوں نے کہا۔
"اچھا تم نے گذشتہ مرتبہ کہانی کہاں ختم کی تھی۔ یہی نہ کہ خوبصورت شہزادی باغ میں پھول توڑنے گئی"
نہیں نہیں یہ خوبصورت شہزادی کہاں سے آگئی لڑکوں نے چیخ کر کہا"
"اچھا تو یہ تھا کہ نوجوان شہزادہ نے اپنی تلوار کھینچ لی"
"نہیں یہ بھی نہیں" آپ تو مذاق کر رہے ہیں۔ مکھیوں کی ملکہ نے نیک بادشاہ کی سلطنت بچانے کا وعدہ کیا"

"اچھا۔ ٹھیک۔ یہ ملکہ اڑکر ظالم بادشاہ کے ملک میں گئی اور ہمیں بھی اس کے ساتھ وہاں جانا چاہیئے تاکہ ہم دیکھیں کہ وہاں کیا ہو رہا تھا۔ وہاں کے بادشاہ نے فوج تیار کرنا شروع کی اور ملک بھر میں منادی کرادی کہ فلاں دن تمام نوجوان ایک میدان میں جمع ہوں جہاں بہت سے کھیلوں اور مقابلوں کے بعد ان نوجوانوں

رجسٹرڈ ایل
پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ ۱/ر

جلد ۱۰ ۲۱ جنوری ۱۹۳۱ء نمبر ۶

فہرست مضامین

آہ مولانا محمد علی

۶ جنوری کو یہ دل ہلا دینے والی خبر ہندوستان پہنچی کہ مولانا محمد علی صاحب ۴ جنوری کو لندن میں دن کے سوا نو بجے انتقال فرما گئے۔ موت ٹل نہیں سکتی۔ اور ایک دن سب کو آئے گی۔ پھر مولانا کے انتقال پر ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام میں کیوں کہرام مچا ہوا ہے۔ ہر جگہ ہر روز جلسے ہوتے ہیں۔ ان کی یادگار ہر شہر میں قایم کی جا رہی ہے۔ ہر شخص کا دل مضطرب اور بے چین ہے۔ کبھی پیام بھائیوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ مولانا محمد علی کے انتقال کا اتنا افسوس کیوں ہے اور مولانا محمد علی تھے کون مولانا محمد علی کا نام تو تم نے ضرور سنا ہوگا۔ اور ان کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ آؤ پھر ہم تمہیں مختصر طور سے بتلائیں کہ مولانا محمد علی کون تھے اور ان میں کونسی خوبیاں اور اچھی باتیں تھیں جن کے انتقال پر ہر ایک شخص رو رہا ہے۔

مولانا محمد علی کے والد مولوی عبد العلی ریاست رامپور میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامور تھے۔ اور اس ریاست میں ۱۸۷۸ء میں مولانا کی ولادت ہوئی چند سال کے بعد جب مولانا ابھی بچے ہی تھے ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ بی اماں مرحومہ نے شوہر کی وفات کے بعد اپنی ساری توجہ اپنے بچوں کی تعلیم پر صرف کر دی۔

بریلی سے انٹرنس پاس کرنے کے بعد مولانا محمد علی اور ان کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی صاحب علیگڑھ کالج میں داخل ہوگئے۔ وہاں سے بی۔ اے پاس کرنے کے بعد مولانا محمد علی انگلستان جاکر وہاں کی اکسفورڈ یونیورسٹی میں داخل ہوگئے۔ یہاں سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد مولانا مرحوم ہندوستان واپس آئے اور پہلے رامپور میں افسر تعلیم مقرر ہوئے اور اسکے بعد ریاست بڑودہ میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوگئے۔ یہاں پر مولانا مرحوم نے ریاست کے لئے بہت سے اچھے اچھے کام کئے۔ لیکن آپ کی طبیعت یہاں پر نہ لگتی تھی۔ اس لئے آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ اسکے بعد آپ ہندوستان اور مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے اور خدمت کرتے کرتے ہی جان دیدی۔ آپ کے سامنے دو کام تھے ایک تو یہ کہ تمام دنیا کے مسلمان آرام اور چین سے رہیں۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان آزاد ہو جائے۔ اگر آپ کے سارے کارناموں کو بیان کیا جائے تو ایک کتاب بن جائے اسلئے ہم چند مشہور مشہور باتیں تمکو بتائینگے۔

۱۹۱۱ء میں آپ نے ملازمت چھوڑنے کے بعد کلکتہ سے ایک انگریزی کا اخبار "کامریڈ" نکالا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں اپنی انشا پردازی کا سکہ بٹھا دیا۔ جب دہلی دارالسلطنت مقرر ہوا تو آپ بھی دہلی چلے آئے اور انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو کا بھی ایک اخبار "ہمدرد" نکالا جو بہت مقبول ہوا۔ ان اخباروں کے ذریعہ سے آپ برابر مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے۔

جب ترکی اور اطالیہ اور اسکے بعد جنگ بلقان شروع ہوئی تو مولانا مرحوم کی تحریک سے ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکوں کی مدد کے لئے بہت سا روپیہ بھیجا اور یہاں سے بہت سے ڈاکٹروں کا ایک وفد بھیجکر بھی مدد کی۔

کانپور کی مسجد کے واقعہ کے بعد جب مسلمانوں کی سیاست نے پلٹا کھایا تو ایک جماعت مسلم لیگ پیدا ہوئی جو اپنے ملک کے حقوق لینے کے لئے کانگریس سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی تھی۔ اس جماعت کی رہنمائی بھی مولانا محمد علی نے کی۔

۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ مولانا مرحوم نے "کامریڈ" میں ترکوں کو حق پر ثابت کرنے کے لئے ایک زوردار مضمون لکھا۔ حکومت نے اس سچی بات کہنے پر مولانا کو پانچ برس کے لئے قید کر دیا گیا۔

۱۹۱۹ء کو جنگ ختم ہونے کے بعد مولانا رہا ہوگئے اور دہلی میں آپ کا شاندار استقبال ہوا۔ اس عرصہ میں امرتسر میں کانگریس کا جلسہ ہو رہا تھا۔ انگلستان اور فرانس نے ترکوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان بہت بے چین تھے۔ مولانا اس میں شریک ہوئے اور بہت سی تقریریں کیں۔ آپ کے رسوخ کیوجہ بہت سے مسلمان کانگریس میں شامل ہوگئے۔ اسکے ساتھ ہی خلافت کی تحریک شروع ہوئی جو سارے ملک میں پھیل گئی۔

ایک سال کے بعد تحریک ترک موالات شروع ہوئی۔ اور اسی زمانہ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنیاد مولانا مرحوم نے علیگڑھ میں ڈالی۔ جو اب دہلی میں ہے اور مسلمانوں کے لئے بہت اچھے اچھے کام کر رہی ہے۔ اسکے بعد مولانا نے علماء کو سیاست میں حصہ لینے پر آمادہ کیا۔ اور جمعیت علماء ہند قایم کی گئی۔

۱۹۲۱ء میں حکومت نے سچی بات کہنے پر مولانا کو پھر دو سال کے لئے جیل میں بند کر دیا۔ ۱۹۲۳ء میں جب رہا ہوئے تو کوکناڈا میں کانگریس کی صدارت کی اسکے بعد مختلف طریقوں سے آپ اسلام کی اور ہندوستان کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس میں آپ کو بلایا گیا۔ اور انھوں نے بیماری کی حالت میں اس سفر کو اختیار کیا۔ ڈاکٹر بہت کہتے رہے کہ آپ نہ جائیے آپکی زندگی خطرہ میں ہے لیکن انہیں تو اپنے ملک کی خدمت کرنیکی دھن تھی وہ اپنی زندگی کی پروا کیا کرتے۔ لندن میں پہونچکر کانفرنس میں شریک ہوئے جب تقریر کرنے کے لئے اٹھے تو کمزوری اتنی تھی کہ کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اسلئے آپ نے بیٹھ کر تقریر کی۔ یہ تقریر آپکی بڑی زبردست تھی۔ اس کے بعد ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود آپ برابر اپنے کام میں مشغول رہے۔ اور اسی میں ہندوستان اور مسلمانوں پر جان قربان کر دی۔ مولانا شوکت علی نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ

"میرا بھائی بہادر سپاہی تھا اور لڑتے لڑتے شہید ہوا ہے"۔

پیام بھائیوں کو اب معلوم ہوگیا ہوگا کہ مولانا محمد علی کون تھے اور آپکے انتقال پر تمام مسلمان اور تمام ہندوستانی خون کے آنسو کیوں رو رہے ہیں۔ درحقیقت مولانا مرحوم جیسا سیاستداں، حق گو، بہادر، پیکر ایثار و قربانی اور تمام ہندوستان کے لئے سراپا رحمت کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ کئی بار حق بات کہنے میں سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں لیکن تمام عمر میں ایک مرتبہ بھی حق سے منہ نہ موڑا۔ آپکی زندگی میں جو چیز نمایاں ہے وہ خلوص نیت اور اسلام اور وطن کی محبت ہے اور زندگی کے آخری لمحوں تک انکو یہی دھن لگی رہی۔

نہیں کہتا ہے مردہ کون تم زندوں کے زندہ ہو
تمہاری خوبیاں باقی، تمہاری نیکیاں زندہ

سائنس

سرایڈورڈ فرینکلینڈ

(ازجناب فرحت جمیل صاحب ایم ایس سی)

یہ انگریز کیمیا دان تھا۔ لینکاسٹر (Lancaster) کے قریب چرچ ٹاؤن (Church Town) میں ۱۸ جنوری ۱۸۲۵ء کو پیدا ہوا۔ لینکاسٹر کے مدرسہ کی تعلیم ختم کرنے کے شہر میں ایک عطار کے یہاں ملازم ہوا۔ ۱۸۴۵ء میں لندن گیا اور لائن پلے فیر (Lyon Playfair) کے معمل میں داخل ہوا۔ بعدازاں ماربرگ (Marburg) میں آر ڈبلو بنسن کے ساتھ کام کیا۔

۱۸۴۷ء میں ہیمشائر کے مدرسہ کوئن ووڈ (Queenwood) میں اسکول ماسٹر مقرر ہوا۔ یہاں جے ٹنڈل (J. Tyndall) صاحب سے اس کی ملاقات ہوئی۔ ۱۸۵۱ء میں فرینکلینڈ مانچسٹر کے اونز کالج (Owens College) میں کیمیا کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس عہدہ پر وہ چھ سال ممتاز رہا۔ بعدازاں لندن واپس ہوا۔ اور سینٹ بارتھولومیو (St. Bartholomew) کے شفاخانہ میں کیمیا کے شعبہ میں بعہدہ لیکچرری اور ۱۸۶۳ء میں رائل انسٹی ٹیوشن بعہدہ پروفیسری سرفراز ہوا۔ فرینکلینڈ کو تحقیقاتی کام سے بہت شوق تھا۔

فرینکلینڈ کا ابتدائی کام تشریحی تھا۔ لیکن بعدازاں اس نے تالیفی کام شروع کردیا۔ اس کا سن پچیس برس کا ہی ہونے پایا تھا جبکہ اس نے کیکوڈائل پر کچھ تجربے کئے اور نامیاتی۔ دھاتی مرکبات کی بنا ڈالی۔

اپلائڈ کیمیا میں فرینکلینڈ کا زیادہ تر کام آب رسانی پر ہے۔ ۱۸۶۸ء میں وہ ایک رائل کمیشن کا جوکہ دریاؤں کے پانی خراب ہونے کی وجہ کو معلوم کرنے کے لئے مقرر ہوا تھا ممبر منتخب ہوا۔ اس کو ایک معمل دیا گیا۔ جہاں کہ اس نے چھ سال پانی کے متعلق تحقیقاتیں کیں اور ثابت کیا کہ غلاظت وغیرہ سے پانی خراب ہوجاتا ہے اور یہ پانی استعمال کے واسطے مناسب نہیں۔ وہ ترکیبیں بھی بتائیں جن سے صاف پانی دستیاب ہوسکتا ہے۔ ۱۸۶۵ء میں پروفیسر ہافمن کی جگہ مقرر ہوا اور تب بھی وہ رجسٹرار جنرل کو اس پانی کے تجربوں کو جوکہ لندن میں استعمال ہوتا تھا برابر بھیجتا رہا۔ اس کام کو اس نے ثابت کیا۔

۱۸۵۹ء میں فرینکلینڈ بہمراہی پروفیسر ٹنڈل بلینک پہاڑ (Mount Blanc) پر کچھ تجربہ کرنے گیا۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ آیا موم بتی کا احتراق (Combustion) کرہ ہوائی کی کثافت کے تابع ہے یا نہیں جس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کرہ ہوائی کی کثافت کم یا زیادہ ہو تو اس کا اثر موم بتی کے احتراق پر کچھ ہوگا یا نہیں۔ اس کا جواب تجربوں کی بنا پر اس نے نفی میں دیا۔ اس نے یہ بھی معلوم کیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر موم کی بتی کی خرچ کم ہوجاتی ہے۔ اسکے متعلق اس نے بعدازاں بہت سے تجربے کئے جس میں اس نے چیزیں مختلف دباؤ پر جلائیں۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ دباؤ تنویر (Luminosity) کو بڑھا دیتا ہے۔ تمثیل کے طور پر ہائڈروجن لیجئے۔ عام طور سے ہائڈروجن سے کوئی روشنی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن دس یا بیس (Atmospheres) دباؤ پر منور شعلہ پیدا ہوتا ہے۔

فرینکلینڈ اور سر نارمن لوکیر (Sir Norman Lockyer) نے یہ بھی معلوم کیا ہے کہ سورج کی باہری حدود میں مائعات اور ٹھوس اشیا نہیں ہیں۔ بلکہ وہاں صرف گیس ہیں۔ ۱۸۶۸ء میں شمسی طیف نما میں ایک چمکدار پیلا خط معلوم کیا جو کہ معلوم اشیا کے خطوط سے مشابہ نہ تھا۔ لہٰذا انہوں نے بتایا کہ یہ عنصر ہیلیم کی وجہ سے ہے۔

فرینکلینڈ کو بہت سے اعزاز حاصل ہوئے اور ۱۸۹۷ء میں کے۔ سی۔ بی کا خطاب ملا۔ ۹ اگست ۱۸۹۹ء کو جبکہ وہ ناروے تفریح کے واسطے گیا ہوا تھا گولا (Golaa) گدبراندس ڈالین (Gudbrandsdalen) میں اسکی وفات ہوئی۔

جان ٹینٹن

یہ انگریز سائنس داں تھا۔ ۳ جولائی ۱۸۲۱ء میں بمقام اسٹراؤڈ

(Stroud) واقع گلاوسیسٹر شائر (Glowcestershire)
میں پیدا ہوا۔ جبکہ اس کا سن انیس سال کا تھا تو وہ ایک شخص کا جو کہ اسپیٹل اسکوئر (Spital Square) لندن کے ایک مدرسے کے ماسٹر تھے۔ محرر مقرر ہوا۔ اس جگہ پر اس نے پانچ سال کام کیا پانچ سال کے اختتام پر خود بھی ماسٹر صاحب کے کام میں شریک ہو گیا۔

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسکی سائنس و فنون کی تعلیم کہاں اور کیسے ہوئی لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ ۱۷۵۱ء میں اس نے رائل سوسائٹی کے سامنے مصنوعی مقناطیس بنانے کے طریق پر ایک مضمون پڑھا۔ اسی مضمون کی وجہ سے وہ سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوا۔ اور اسی کی بناء پر اسے ایک میڈل عطا ہوا۔

بنجمن فرینکلن (Benjamin Franklin) نے ایک مسئلہ میں اپنے اس خیال کہ برق (Electricity) کو کڑکا یا بجلی (Lightning) ایک ہی شے ہے۔ اظہار کیا تھا۔ انگلستان میں جان کینٹن ہی پہلا شخص تھا جس نے اس مسئلہ کی صداقت کی۔ صرف تصدیق نہ کی بلکہ بہت سے اہم نئی انکشافات معلوم کئے۔

جان کینٹن نے ۱۷۶۲ء تا ۱۷۶۴ء اپنا وقت اس فیصلے کے رد کرنے میں جسمیں فلورینٹائن اکیڈمی (Florentine Academy) نے پانی کو ایسی شے قرار دیا تھا جو دب نہ سکے (incompressible) اور جس کو ہر جگہ عام طور سے مانا جاتا تھا۔ صرف کیا۔ لیکن ۱۷۶۸ء میں اس نے ایک چمکدار چیز (Phosphorescent) جو کہ کینٹن کی فاسفورس کے نام سے مشہور ہے گندھک اور سیپی (Oyster Shell) کو گرم کرکے تیار کی باوجودیکہ جان کینٹن نے اس قدر وقت سائنٹفک مشاغل میں صرف کیا لیکن اس نے اپنے مدرسہ کا کام بالکل حرج نہ ہونے دیا مدرسے کے درس تدریس میں بھی بہت جانفشانی کے ساتھ کوشاں رہا۔

۲۲ مارچ ۱۷۷۲ء کو لندن میں راہی ملک بقا ہوا

کوائف جامعہ

(از نامہ نگار خصوصی)

موسم سرما کی تعطیل کے بعد ۱۰ جنوری ۱۹۳۱ء کو جامعہ پھر کھل گئی۔ تقریباً تمام طلبہ اپنے اپنے مکان سے واپس آگئے ہیں اور بدستور ہر جگہ وہی چہل پہل نظر آتی ہے۔

فٹ بال اور ہاکی پھر شروع ہو گئی ہے۔ لیکن طلباء ان کھیلوں میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ رمضان المبارک قریب آرہا ہے۔ اور طلباء کی دلچسپی کا مرکز صرف والی بال ہو گا۔

---

۱۳ جنوری ۱۹۳۱ء کو مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے انتقال پر کتب خانہ میں اساتذہ اور طلباء کا جلسہ ہوا۔ جس میں اساتذہ اور چند چھوٹے اور بڑے طلبا نے مولانا مرحوم کے محاسن اور خوبیاں بیان کیں۔ اور جامعہ سے ان کے گہرے تعلق کو ظاہر کیا۔

---

۱۹ جنوری کو مدرسہ ثانوی میں رمضان المبارک کی وجہ سے ایک مہینہ کی تعطیلات ہو گئیں۔

اس دن شام کو ایک الوداعی دعوت بھی ہوئی۔ اب مدرسہ ۱۸ فروری کو کھلے گا۔

---

۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو انجمن اتحاد کے ایک جلسہ میں عبدالواحد صاحب سندھی نے "امیر عبدالرحمن خاں" پر ایک دلچسپ اور پر از معلومات مضمون پڑھا۔

ظہیرالدین محمد بابر

(سید منیر احمد صاحب)

ابتدائی زندگی - ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ ۱۴۸۳ء میں اپنے آبائی وطن فرغانہ میں پیدا ہوا جیسا کہ بابر نے لکھا ہے۔ فرغانہ آباد دنیا کے انتہائی حدود میں پانچویں اقلیم میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں کاشغر ہے۔ اور مغرب میں سمرقند ہے فرغانہ اگرچہ چھوٹا سا ملک ہے۔ لیکن وہاں غلہ اور پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ بابر اور اس کے ہم وطن تاتاری نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

بابر کی ماں چنگیز خاں کے خاندان سے تھی۔ لیکن باوجود اس کے بابر کو مغلوں سے کوئی خاص محبت نہ تھی۔ باپ کی طرف سے بابر کا سلسلہ نسب ایشیا کے مشہور فاتح امیر تیمور سے ملتا ہے۔ لیکن جب بابر پیدا ہوا۔ تو تیمور کی عظیم الشان سلطنت بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی تھی۔ بابر کے دادا ابوسعید میرزا کے انتقال کے بعد احمد میرزا سمرقند اور بخارا کا حاکم ہوا۔ ملح محمود میرزا کے حصہ میں آیا اور الغ بیگ کابل کا فرمانروا ہوا۔ بابر کا باپ عمر شیخ میرزا بو شروع میں کابل کا حاکم تھا۔ فرغانہ کے زرخیز اور شاداب خطہ پر قابض ہوگیا۔ ۱۴۹۴ء میں عمر شیخ میرزا کا انتقال ہوا۔ اور بابر بارہ برس کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔

بابر کی تخت نشینی کے تھوڑے دنوں کے بعد ترکستان کی مختلف ریاستوں میں انتشار اور بدنظمی کا آغاز ہوا۔ یہ دیکھ کر بابر کے دل میں بھی بڑے بڑے ارادے پیدا ہوئے۔ وہ چاہتا تھا کہ امیر تیمور کی طرح وہ بھی ان تمام علاقوں پر حکومت کرے جو کبھی اس کے آباؤ اجداد کے ماتحت تھے۔ شروع شروع میں بابر کو کامیابی ہوئی۔ اور اس نے سمرقند فتح کرلیا۔ لیکن اس کے عزیز و اقارب کی سازشوں اور ایک ترکی قبیلہ ازبک کی بڑھتی ہوئی طاقت نے اسے موقع نہیں دیا کہ وہ اپنے نو مسخر علاقوں پر اطمینان سے حکومت کرے۔ بابر کی زندگی کا زمانہ طرح طرح کی مصیبتوں اور دشواریوں سے پر ہے اکثر ایسا ہوا کہ وہ فاتحانہ ایک شہر میں داخل ہوا اور چند ہی دنوں کے بعد اپنے رشتہ داروں کی سازش یا ازبکی جرگوں سے مجبور ہو کر وہاں سے بھاگ گیا دو مرتبہ اس نے سمرقند فتح کیا۔ اور دونوں مرتبہ اسے اپنا قدیم دارالسلطنت چھوڑنا پڑا۔ اس حالت میں اسے دس برس طرح طرح کے واقعات دیکھنا پڑے۔ کبھی وہ اپنی جان بچانے کے لئے پہاڑوں میں چھپتا پھرتا تھا اور کبھی ایک جرار فوج کے ساتھ اپنے دشمنوں کے خلاف صف آرا ہوتا لیکن اس نے یہ تمام مصیبتیں ایک غیر معمولی ہمت اور جفاکشی سے برداشت کیں۔ اس کی شجاعت اور بہادری میں کبھی فرق نہیں آیا نہ کبھی فتح کامرانی کے نشہ میں اس نے ظلم سے کام لیا۔ اور نہ شکست و ہزیمت سے اس کے دل میں مایوسی پیدا ہوئی۔ بایں ہمہ بابر جیسے باہمت انسان کو بھی بالآخر اپنا آبائی وطن چھوڑنا پڑا ۱۵۰۴ء میں بابر نے کابل فتح کیا۔ اور اس چھوٹی سی ریاست کی بنا ڈالی۔ جو آگے چل کر ہندوستان کی عظیم الشان سلطنت کا ایک صوبہ ثابت ہوئی۔

تسخیر کابل - اوپر بیان ہو چکا ہے کہ الغ بیگ کابل حاکم تھا ۱۵۰۱ء میں الغ بیگ مر گیا۔ اور اس کا بیٹا اس کا جانشین ہوا۔ اسی اثنا میں ارغونی افغانوں نے کابل پر اپنا تسلط جمالیا۔ کیونکہ اس کا چچازاد بھائی افغانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ بابر کابل کی طرف روانہ ہوا۔ اور ۱۵۰۷ء میں تمام افغانستان کا بادشاہ ہوگیا۔ لیکن اس کے دل میں اپنے آبائی ملک کا فتح کرنے کا خیال مستور موجود تھا۔ اس عرصہ میں اس نے ایک مرتبہ سمرقند کو بھی فتح کیا۔ لیکن ۱۵۱۲ء میں ازبک ہمیشہ کے لئے یہاں کے حاکم ہوگئے تو بابر نے ترکستان کا خیال چھوڑ دیا۔ اور ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔

تسخیر ہند - جس زمانہ میں بابر افغانستان پر حکومت کر رہا تھا۔ ہندوستان کی سیاسی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لودھیوں کی طاقت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ بایں ہمہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں خودسر رئیس حکومت کر رہے تھے ۱۵۱۹ء میں بابر نے باجوڑ (چترال) پر حملہ کیا۔ اور بھیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد سلطان ابراہیم کا چچا عالم خاں علاءالدین کابل اس غرض سے بابر کے پاس آیا۔ کہ وہ ابراہیم کے خلاف اس کی مدد کرے۔ ۱۵۲۴ء میں بابر ہندوستان روانہ ہوا بھیرہ دیپالپور

ملتان اور خوشاب فتح کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ اس زمانہ میں دولت خاں لودھی سلطان ابراہیم لودھی سے باغی ہو چکا تھا۔ اور اس نے حال ہی میں دہلی کی ایک فوج سے شکست کھائی تھی۔ اس لئے بابر نے نہ صرف شاہی فوج کو شکست دی۔ بلکہ علاؤ الدین عالم شاہ کو دیپال پور کا حاکم بنایا۔ ۱۵۲۵ء میں بابر ہندوستان کو فتح کرنے کے خیال سے روانہ ہوا۔ ہمایوں اور خواجہ کلاں جو اس کے سب سے بڑے سپہ سالار تھے۔ اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ اس کی مدد کے لئے پہنچ گئے دولت خاں لودھی جو اب تک بابر کی اطاعت کا دم بھرتا تھا۔ چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ بابر کے مقابلہ کو روانہ ہوا۔ لیکن اسے بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ اس کامیابی کے بعد بابر برابر آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ ۱۲ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کے میدان میں اس کا مقابلہ سلطان ابراہیم لودھی سے ہوا۔

جنگ پانی پت — بابر سلطان ابراہیم کی آمد سے پہلے ہی پانی پت پہنچ گیا۔ اس تاریخی میدان جنگ میں جہاں تین مرتبہ ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس نے اپنا لشکر آراستہ کیا۔ لشکر کے دائیں ہاتھ شہر تھا — بائیں ہاتھ خندقیں کھودی گئیں۔ اور مزید حفاظت کے خیال سے جگہ جگہ باڑ لگا دی گئی۔ بابر کی فوج اگرچہ سلطان ابراہیم لودھی سے کم تھی۔ لیکن اس کی سپہ سالارانہ فوقیت اور توپ خانہ کا سلطان ابراہیم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا بابر کے مقابل فوج کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ جس میں سو ہاتھی شامل تھے۔ ۲۰ اپریل کی شب کو بابر کی فوج نے غنیم کے لشکر پر ایک شب خون مارا اور ۲۱ اپریل کی صبح کو دونوں لشکروں نے آخری لڑائی شروع کی۔ شروع شروع میں دہلی کی فوج کو تھوڑی سی کامیابی ہوئی۔ لیکن بابر نے نہایت ہوشیاری سے دشمنوں کی ساری تدبیریں بیکار کر دیں۔ یہاں تک کہ دوپہر ہونے تک لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ دہلی کی فوج کو کامل شکست ہوئی اور سلطان ابراہیم ۱۵۰۰۰ ہمراہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ اس عظیم الشان فتح کے ساتھ ہی دو دستے روانہ کئے۔ جنھوں نے یکے بعد دیگرے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بابر خود دہلی پہنچا۔ اور ۲۷ اپریل کو جمعہ کی نماز میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یہ اس امر کا اعلان تھا کہ لودھیوں کی حکومت ختم ہو گئی۔

بابر نے ایک شریف بہادر فاتح کی طرح مغلوب سلطان کے اہل و عیال اور اس کے ساتھ نہایت اچھا سلوک کیا۔ اس نے اپنے فوجی سرداروں کو بھی انعام اکرام سے خوش کر دیا صرف ہمایوں کو ستر لاکھ درہم دئے۔ آگرہ اور دہلی کی تسخیر کے ساتھ ہی بہت سے افغان اور راجپوت سرداروں نے بابر کی اطاعت قبول کی لیکن افغان سپاہی گرمی لو، لو کی وجہ سے افغانستان واپس جانے پر مصر تھے۔ اس موقع پر بابر نے نہایت جرات سے کام لیا۔ اور اپنے عمل سے یہ ظاہر کر دیا۔ کہ وہ ہندوستان کو فتح کئے بغیر واپس نہیں جائیگا۔ اسی زمانہ میں دوابہ کے بہت سے شہر فتح ہو چکے تھے۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں ہمایوں جونپور اور غازی پور پر قابض ہو گیا۔

جنگ کنواہہ (فتح پور سیکری) اطلاع پہنچی کہ چتوڑ کا راجہ سانگا کئی ایک راجپوتوں کے ساتھ (۱۲۰ سردار) آگرہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کی فوج میں اسی ہزار سوار اور پانچسو ہاتھی شامل تھے۔ ۱۱ فروری ۱۵۲۷ء کو بابر رانا سانگا کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا۔ اور سیکری پہنچکر رانا سانگا کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

لڑائی شروع کرنے سے پہلے بابر نے ایک پر زور تقریر کی۔ اسنے کہا کہ دوستو! موت برحق ہے۔ جو شخص پیدا ہوتا ہے اس کے لئے ایک نہ ایک روز مرنا ضروری ہے۔ کیوں نہ ہم عزت کی موت کو بے شرمی کی زندگی پر ترجیح دیں۔ خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ہم لڑتے ہوئے مارے گئے۔ تو ہم شہیدوں کی موت مریں گے۔ اور اگر اپنے دشمنوں پر غالب آئے تو غازیوں کی طرح زندہ رہیں گے۔ اور ہم اسی کے نام پر قسم کھائیں۔ کہ جب تک جان میں جان باقی ہے میدان جنگ سے نہیں ہٹیں گے۔ اس ساتھ بابر نے شراب نوشی سے توبہ کی۔ اور تمام سونے چاندی کے برتنوں کو غربا میں تقسیم کر دیا۔ بابر کی اس تقریر سے سپاہیوں کا جوش بڑھ گیا۔ ہر ایک نے قسم کھائی کہ وہ مرتے دم تک لڑیں گے۔ ۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء کو دونوں فوجیں کنواہہ کے میدان میں صف آرا ہوئیں۔ سب سے پہلے راجپوت فوج نے میمنہ پر حملہ کیا۔ لیکن اس کی محفوظ فوج نے بہت جلد اس کو پسپا کر دیا۔ اس ساتھ ہی بابر نے گولہ باری کا حکم دیا۔ اب دست بدست لڑائی شروع ہوئی۔ راجپوت نہایت ہی بہادری سے لڑے لیکن بابر کی جنگی قابلیت اور استاد علی کی گولہ باری نے بہت جلد لڑائی کا خاتمہ کر دیا۔ راجپوت سپاہی ہزاروں کی تعداد میں قتل ہوئے — اور رانا سانگا بھاگ گیا۔ اس فتح کے بعد بابر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور آگے بڑھ کر چندیری پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح تمام راجپوتانہ اور مالوہ کا شمالی علاقہ بابر کی سلطنت میں شامل ہو گیا۔

جنگ کنواہہ سے اگرچہ راجپوتوں کی قوت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی

افغانوں کی مزاحمت باقی تھی۔ رانا سانگا شکست کھا گیا۔ اٹھارہ کروڑ لوگ سامنے دوآبہ میں منتشر ہو کر پھیل گئی تھی۔ ۱۵۲۸ء میں چندیری کی فتح سے فارغ ہو کر بابر قنوج کی طرف بڑھا ۱۴ مارچ کو جب کہ شاہی لشکر دریائے گنگا عبور کر رہا تھا۔ تو افغان سپاہی ایک معمولی جھڑپ کے بعد بھاگ گئے۔ اب سارا دوآب پٹھانوں کی کاوش سے محفوظ ہو گیا تھا۔ لیکن ۱۵۲۹ء کی ابتدا ہی میں یہ خبر ملی۔ کہ سلطان ابراہیم لودھی کے بھائی محمود لودھی نے بغاوت کر دی ہے۔ اور تمام بنگال بہار حتیٰ کہ جونپور پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا ہے۔ اس وقت بابر دھول پور میں مقیم تھا۔ اور سندھ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ لیکن اس اطلاع کے ساتھ آگرہ واپس آیا۔ اور بہار کی طرف بڑھا۔ بابر کی آمد کے ساتھ ہی افغانوں کی جمعیت منتشر ہو گئی۔ محمود لودھی بھاگ گیا اور شیر خاں نے بڑی مشکل سے بنارس سے بھاگ کر جان بچائی۔ جب بابر بکسر پہنچا تو بہت سے افغان سرداروں نے حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کی۔ باوجود اس کے بنگال ابھی تک بغاوت کا مرکز بنا ہوا تھا **جنگ گھاگھرا**۔ اب بابر نے ارادہ کیا کہ اس رہی سہی بغاوت کا بھی خاتمہ کر دے ۲ مئی اور ۳ مئی ۱۵۲۹ء کے درمیان اس نے دریائے گنگا عبور کیا ۶ مئی کو جمعرات کے دن جب شاہی فوج میرزا عسکری کے ماتحت دریائے گھاگھرا عبور کر رہی تھی۔ پٹھانوں سے آخری مقابلہ شروع ہوا۔ تھوڑی ہی لڑائی کے بعد باغی فوج بھاگ گئی۔ اور اس طرح تین فیصلہ کن لڑائیوں کے بعد جیحون سے لیکر گنگا کے دہانے تک تمام ممالک بابر کے قبضہ میں آگئے۔

لیکن بابر کو اتنی مہلت نہیں ملی کہ وہ اپنی نئی سلطنت کی بنیاد پر استوار کرتا۔ ہندوستان ابھی فتح ہوا تھا۔ لیکن اس کا ابھی استحکام باقی تھا پہاڑی علاقوں اور شمالی مغربی سرحد کے باشندوں نے ابھی تک پوری طرح سے اطاعت نہیں کی تھی۔ بہار اور بنگال میں پٹھانوں کا زور تھا۔ سندھ پر ابھی تک پوری طرح سے قبضہ نہیں ہوا تھا۔ ممالک محروسہ کے دور دراز حصوں میں انتظام بہت کمزور تھا۔ پھر کیف جنگ گھاگھرا سے فارغ ہو کر عمر کا باقی حصہ آگرہ میں گزارا۔ یہیں اس نے قلعہ کو اپنی ضروریات کے مطابق بدل دیا۔ یہیں اس نے نہایت خوبصورت باغ اور بارہ دریاں تعمیر کیں۔ لیکن ابھی اس کے قیام کو ڈیڑھ برس نہیں گزرا تھا کہ ۲۶ ستمبر ۱۵۳۰ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔ بابر کی ابتدائی زندگی تکلیفوں اور مصیبتوں میں گزری تھی۔ مسلسل فوج کشی اور پے بہ پے لڑائیوں سے اس کی صحت خراب ہو رہی تھی شراب نوشی کی عادت سے وہ کافی نقصان اٹھا چکا تھا۔ ہندوستان کی گرمی نے اس میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ آخر بابر ۴۸ برس کی عمر میں اپنے محبوب بیٹے ہمایوں کی بڑھتی ہوئی بیماری سے پریشان ہو کر دعا کی کہ خدا اس کے بجائے اس کی جان لے لے بابر کی دعا قبول ہوئی۔ ہمایوں اچھا ہو گیا۔ اور بابر کی طبیعت بگڑتی گئی۔ انتقال پر لوگ اس کی لاش کو کابل لے گئے۔ اور اس کو خوبصورت مقبرہ میں دفن کر دیا جسے بابر نے اپنی زندگی ہی میں تعمیر کیا تھا۔ بابر کا مرقد آج تک لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

بابر کی حکومت اور اس کے اخلاق و عادات۔ دنیا کی تاریخ میں بابر کا درجہ نہایت بلند ہے۔ اس کی بادشاہت کا آغاز فرغانہ کی حکومت سے ہوا۔ لیکن امیر تیمور کے سچے جانشین کی حیثیت میں اس نے پوری کوشش کی کہ اپنے آباؤ اجداد کی عظیم الشان سلطنت کو از سر نو زندہ کرے پر اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن اس نے اپنے دشمنوں کا مقابلہ جس ہمت سے کیا۔ اور جس سرگرمی سے فتح و شکست کے باوجود اپنے ارادوں اپنے مقاصد کے لئے لڑتا رہا ہے اس کی غیر معمولی شجاعت بے مثل اولوالعزمی ثبات و استقلال اور ارادوں کی پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔ بابر اس وقت تک اس خیال سے باز نہیں آیا۔ جب تک اسے یقین نہیں ہو گیا۔ کہ سمرقند پر حکومت کرنا اس کی قسمت میں نہیں لکھا۔ لیکن اگر اس نے سمرقند کی طرف سے منہ موڑ لیا۔ تو اس کے یہ معنے نہیں کہ اس نے کابل کی چھوٹی سی ریاست پر قناعت کی اس دعوہ کی بنا پر کہ ہندوستان تیمور کا فتح کردہ ملک ہے۔ وہ اس زرخیز خطہ پر حملہ آور ہوا۔ ہندوستان کی سرزمین اس کے مذاق کے مطابق نہیں اس نے خود اپنی سوانح عمری میں یہاں کی گرمی کی شکایت کی۔ بابر بہتی ہوئی ندیوں اور پہاڑ کے دلفریب نظاروں کا عاشق تھا۔ وہ چیزیں ہیں جو شمالی ہندوستان کے وسیع میدان میں موجود نہیں۔ بایں ہمہ وہ جانتا تھا۔ کہ کابل کا چھوٹا سا پہاڑی علاقہ کسی مستقل سلطنت کا مرکز نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہمراہیوں کی بددلی کے باوجود ہندوستان کی یورش ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ یہاں اس نے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ جو دولت مغلیہ کے نام سے کم و بیش تین سو سال تک قائم رہی۔

باقی آئندہ"

ننھے ننھے تارے

(عبدالقدیر صاحب حیرت)

تارو چمکنے والو روشن ہو کس قدر تم — آتے ہو آسماں پر کیا خوشنما نظر تم
رکھتے ہو گرم محفل کس شان سے فلک پر — دکھلاتے اپنا جلوہ رہتے ہو رات بھر تم
چمکا دیا ہے تم نے پانی سمندروں کا — حق میں جہاز راں کے ہو بیگماں خضر تم
ہرگز نظر نہ آتا کچھ بے چراغ ہم کو — گر رات میں اندھیری ہوتے نہ جلوہ گر تم
بستر پہ چھوٹا بچہ خوش ہو کے ہے چمکتا — آتے ہو جھلملاتے جس وقت اسے نظر تم
خشکی تری کو تم نے روشن کیا ہوا ہے — ہیرے ہو آسماں کے یا بے بہا گہر تم

خالق کی صنعتوں کو کرتے ہو ہم پہ ظاہر
مشرق سے سوئے مغرب کرتے ہوئے سفر تم

بہادر بیولف

(از محمد رفیق متعلم مدرسہ شاخ جامعہ)

یہاں سے دور دراز ایک ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ جس کا نام ہرتھ گر تھا۔ اس نے ایک بہت بڑا کمرہ بنوایا۔ جو کہ لوہے اور دوسری چیزوں کو ملا کر بنایا گیا تھا۔ جب کمرہ بن کر تیار ہوا تو بادشاہ نے ایک بہت بڑی دعوت کی اور ایک کمرے میں خوب ناچ اور گانا ہوا اس کمرے کے تھوڑے فاصلہ پر ایک جھیل تھی جس کے اندر ایک بہت بڑا گھر بنا ہوا تھا۔ اُس میں ایک عجیب آدمی رہتا تھا جس کا نام گرینڈل تھا اس کا نصف دھڑ آدمی کا اور نصف حیوان کا گرینڈل اس شور کو سُن کر آپے سے باہر ہو گیا اور کمرہ کی طرف آیا۔ جب وہ کمرہ کے پاس پہنچا تو کمرہ سنسان پڑا تھا کیونکہ دعوت وغیرہ ختم ہو گئی تھی۔ وہ ایک دم کمرہ میں آگیا۔ جتنے آدمی کمرہ میں سو رہے تھے سب کو کھا گیا جب صبح ہوئی تو بادشاہ نے یہ تمام ماجرا دیکھا اور سخت پریشان ہوا روزانہ آدمی اس کمرہ میں سوتے اور گرینڈل روز آن کر کھا لیتا۔ اس کی خبر بہت سے ملکوں میں پہنچ گئی۔ وہاں سے قریب ایک ملک تھا جس کے بادشاہ کا نام ہائی گلیس تھا۔ اس کے خاندان میں ایک آدمی تھا جس کو لوگ بیولف کہتے تھے یہ گرینڈل سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا جب اس کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا میں بادشاہ ہائی گلیس کے خاندان میں سے ہوں اور میرا نام بیولف ہے میں نے بہت سے بڑے بڑے آدمی اور بہت سے دیوؤں کو مارا ہے۔ میں گرینڈل سے لڑوں گا۔ اور میں ضرور اس کو شکست دوں گا مجھ کو وہ کمرہ بتا دیجئے بادشاہ نے اس کو وہ کمرہ بتا دیا۔ جب رات ہوئی تو بیولف نے دروازہ کو ٹوٹتا ہوا دیکھا اور ایک دم گرینڈل بیولف کی طرف بھاگا اور اس کے زمرہ پر اپنا پنجہ مارا بیولف نے دونوں ہاتھوں سے اس کا پنجہ پکڑ لیا گرینڈل بہت گھبرایا اس نے بہت جھٹکے دیے کہ ہاتھ چھوٹ جائے لیکن وہ ناکامیاب رہا گرینڈل نے ایک اور جھٹکا مارا جس کے زور سے گرینڈل کا ہاتھ الگ ہو گیا اور بھاگ گیا جب گرینڈل جھیل میں کودا تو پانی سُرخ ہو گیا اور وہ گرتے ہی مر گیا۔ جب صبح ہوئی تو تمام آدمی اپنے گھروں میں سے نکل کر آئے۔ بادشاہ بھی تیجو عن نے آیا جب اس نے یہ سنا کہ گرینڈل مر گیا ہے۔ تو وہ بہت خوش ہوا اور بیولف کو ایک سونے کا بڑا تمغہ بنوا کر انعام میں دیا۔ مستقل مزاجی، ہمت اور شجاعت سے بڑے سے بڑا کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔

فہرست رقم موصولہ از انجمن خدام جامعہ رنگون

تاریخ		رقم
۱۲ دسمبر ۱۹۲۸ء		[illegible]
۲۴	"	[illegible]
۵ جنوری ۱۹۲۹ء		[illegible]
۲۷	"	[illegible]
فروری	"	[illegible]
اپریل	"	[illegible]
جون	"	[illegible]
جولائی	"	[illegible]
اگست	"	[illegible]
ستمبر		[illegible]
نومبر ۱۹۲۹ء		[illegible]
دسمبر	"	[illegible]
جنوری ۱۹۳۰ء		[illegible]
فروری	"	[illegible]
اپریل	"	[illegible]
جون	"	[illegible]
جولائی	"	[illegible]

میزان کل رقم موصولہ [illegible]

ایک عجیب واقعہ

از جناب اقبال الدین احمد صاحب صدیقی منچن آباد (بھاولپور)

یہ بالکل سچا واقعہ ہے کہ افریقہ کے جنگل میں دو انگریز شکاری شکار کھیل رہے تھے۔ تھوڑی دور ایک جھاڑی تھی۔ ایک انگریز نے دیکھا کہ ایک خرگوش جھاڑی کے قریب بھاگ رہا ہے۔ انگریز نے بندوق چلائی۔ جو کہ اس کے خفیف سی لگی اور خرگوش بھاگتا بھاگتا جھاڑی کے دوسری طرف چلا گیا۔ اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ان میں سے ایک انگریز نے سمجھا کہ خرگوش جھاڑی کے پیچھے گر پڑا ہے۔ اس لئے وہ لے لینے روانہ ہوا۔ جب وہ جھاڑی کے پیچھے پہنچا تو دیکھا کہ خرگوش تقریباً چھ فٹ گڑھے میں پڑا ہوا ہے۔ انگریز گڑھے میں اترا اور ابھی خرگوش ہاتھ میں اٹھایا ہی تھا کہ شائیں شائیں کی آواز آئی۔ اوپر جو سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک موٹا سانپ جھاڑی کے اندر سے سر نکالے ہوئے ہے۔ اور اسکا سر گڑھے کے اوپر ہے۔ انگریز بہت عقلمند تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ سانپ خرگوش لینا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے خرگوش کو فوراً اوپر اچھال دیا۔ سانپ نے اسے زمین پر گرنے بھی نہ دیا اور اچھالتے ہی منہ سے پکڑ لیا۔

انگریز جلدی سے گڑھے سے نکلا۔ مگر سانپ نے خرگوش کھا لیا تھا۔ اس لئے اس نے انگریز کو پکڑ لیا۔ اور جھاڑی سے نکلکر انگریز کو دم کی طرف سے لپیٹنا شروع کیا۔ جب سانپ کا سب جسم انگریز کے جسم پر لپٹ چکا تو اتفاق کی بات کہ سانپ کا سر انگریز کے آگے تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے سانپ کا پھن پکڑا۔ اور بندوق سے کہ بھری ہوئی تھی اکا فیر کیا۔ مگر جلدی میں اور دوسرے ایک ہاتھ سے بندوق چلانے میں نشانہ ذرا چوک گیا۔ اور بندوق سانپ کے پھن پر بھی لگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ اسکے انگوٹھے پر بھی لگی۔ جس سے اس کا انگوٹھا مع سانپ کے پھن کے اڑ گیا۔

اس تکلیف سے انگریز بے ہوش ہو گیا اور باقی ماندہ سانپ کا جسم اس کے بدن پر لپٹا رہ گیا

جب دوسرے انگریز نے بندوق کی آواز سنی تو وہ مقام وقوع پر آیا۔

وہ کیا دیکھتا ہے کہ انگریز بے ہوش پڑا ہے اور اس کے الٹے ہاتھ کا انگوٹھا تھوڑا سا غائب ہے۔ اور ایک سانپ جو کہ تقریباً ایک فٹ موٹا ہے اسکے بدن کے چاروں طرف لپٹا ہوا ہے۔ مگر سانپ کا پھن غائب ہے

اب دوسرے انگریز کی عقلمندی ملاحظہ ہو کہ اس نے سب سے پہلے زخمی انگریز کا اسی حالت میں فوٹو لے لیا۔ اور بعد میں تیمارداری کی۔

لطیفے

مالکہ نے اپنی نئی خادمہ کو حکم دیا کہ فلاں کمرے کے تمام دروازے بند کر کے تالہ دے دے۔

خادمہ کمرے تک گئی اور تمام دروازے باہر کی طرف سے بند کر دئے اور ایک دروازے میں اندر کی طرف تالہ دیدیا۔ اور اس طرح خود کمرے کے اندر بند ہو گئی مالکہ نے آواز دی جب نہیں آئی تو جا کر دیکھا کہ تمام دروازوں کے باہر سے کنڈی لگی ہے صرف ایک دروازے کی کنڈی اندر سے لگی ہے۔ اور خادمہ اندر بند ہے۔

ایکدفعہ مالکہ نے کہا کہ فلاں دروازہ میں تالہ لگا دے خادمہ نے جا کر پہلے تالہ لگا دیا پھر کنڈی اوپر سے لگا دی مالکہ نے جا کر دیکھا تو کنڈی اوپر سے لگی ہوئی ہے اور تالہ کنڈی کے نیچے ہے۔

نتیجہ خیز کہانیاں

(۱)

ایک مرتبہ ایک ملازم اپنے آقا کی کوٹھی سے بازار جا رہا تھا۔ رات سخت تاریک تھی اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اس کے پاؤں میں جوتا نہیں تھا اور اچانک اس نے محسوس کیا کہ اس کے پاؤں کے نیچے سانپ ہے۔ اور یہ محسوس کرتے ہی اس نے جان لیا کہ اس کا آخری وقت قریب آ پہنچا ہے لیکن بجلی کی طرح ایک خیال اس کے دماغ میں سما گیا اور اسے پکا یقین ہو گیا کہ اس کا پاؤں سانپ کی گردن پر ہے۔ بس اس نے گردن کو زور سے دبانا شروع کیا اور ساتھ ہی مدد کے لئے بھی چلایا۔ چند ہی منٹوں میں دوسرے ملازم موم بتی لیکر آ پہنچے اور انھوں نے دیکھا کہ وہ ایک زہریلے سانپ کی گردن پکڑے ہے۔ اگر یہ ملازم کود کر بھاگنے کی کوشش کرتا تو ہرگز نہ بچ سکتا کیونکہ سانپ اسے فوراً ہی کاٹ لیتا۔ سانپ کو مار ڈالا گیا اور ہر ایک نے اس ملازم کے ہوش و حواس بجا رکھنے کی تعریف کی۔

(۲)

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی آدمی کو ایک مہاجن کا بہت سا روپیہ دینا تھا وہ ایک وکیل کے پاس گیا اور اس سے مدد چاہی۔ وکیل نے کہا میں تمہیں ایک آسان ترکیب بتاتا ہوں۔

جب تم جج کے سامنے جاؤ تو پاگل بن جانا اور یونہی کچھ بکواس کر دینا۔

جب مقدمہ جج کے سامنے پیش ہوا تو جج نے اس آدمی سے چند سوالات پوچھے۔ اس آدمی نے ایسا ہی کیا جیسا اس وکیل نے بتایا تھا۔

جج نے فیصلہ کیا کہ یہ آدمی پاگل ہے اور مہاجن کو ایسے آدمی کو قرض نہیں دینا چاہئے تھا۔

دوسرے دن وہ وکیل اس آدمی کے گھر گیا اور اس سے کہا میں نے تمہیں اس مہاجن سے نجات دلائی ہے بس مجھے ایک ہزار روپیہ دو۔ اس وقت بھی وہ آدمی پاگل بن گیا اور کچھ واہیات بکنے لگا۔

لیکن دوسرے دن اسے پاگل خانہ بھیج دیا گیا۔

(۳)

ایک لڑکے کے والدین بہت غریب تھے اور اسے اس کی پیدائش کے دن کوئی تحفہ نہیں دے سکتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس سے کہا کہ تم اس دن کیا کرنا چاہتے ہو۔

اس لڑکے نے کہا کہ اس دن مجھے اجازت دیجئے کہ جو چاہوں سو کروں۔

والدین نے بغیر سوچے سمجھے اجازت دیدی۔

اس دن وہ لڑکا مدرسہ نہیں گیا اور جماعت میں پیچھے رہ گیا کسی پرندے کے گھونسلے میں سے انڈے نکالنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا لیکن گر گیا اور سخت چوٹ آئی۔ ایک کتے کو اس قدر پیٹ کہ کتے نے تنگ آکر اسے کاٹ لیا۔ اپنے والد کے چاقو سے باغ میں جاکر چھوٹے چھوٹے پودے کاٹنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ اپنی انگلی کاٹ لی۔ بہت سے کاغذوں کو جمع کر کے آگ جلائی اور اسے کپڑے جلا لئے۔ اور شام کے وقت چند آوارہ لڑکوں کے ساتھ باغوں ہی سے اتنے کچے پھل کھائے کہ سخت بیمار ہو گیا

دوسرے دن اس نے اپنے والدین سے درخواست کی کہ آئندہ سے کبھی بھی اسے اپنی مرضی کے موافق کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور والدین نے بھی اس واقعہ سے نصیحت حاصل کی۔

(۴)

ایک لڑکے کی چند آوارہ اور برے لڑکوں سے دوستی ہو گئی باپ نے لاکھ سمجھایا لیکن اس پر کچھ اثر نہ پڑا۔ آخر اس نے ایک تجویز سوچی جس سے کہ اس کا لڑکا نجات حاصل کرے کہ بری صحبت

کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔

اس نے دوسرے دن نہایت عمدہ بارہ آم خریدے اور اپنے لڑکے کو دکھا کر کہا کہ کل شام کو یہ آم تمہارے ہو جائیں گے

اس نے یہ آم ایک ٹوکری میں رکھدیئے اور ان کے ساتھ ایک سڑا ہوا آم بھی رکھدیا۔

دوسرے دن شام کو اس لڑکے کے والد نے اس سے کہا کہ ٹوکری سے آم لے لو اور جس قدر کھا سکتے ہو کھا لو۔

لڑکا خوشی خوشی ٹوکری کے پاس گیا۔ لیکن جب آم نکالے تو ایک بھی کھانے کے قابل نہیں تھا کیونکہ تمام خراب ہو گئے تھے۔ لڑکے نے تمام واقعہ باپ سے بیان کر دیا۔ اس کے باپ نے کہا کل شام کو ان آموں کے ساتھ میں نے ایک سڑا ہوا آم بھی رکھدیا تھا جس کی وجہ سے یہ تمام آم خراب ہو گئے۔ یہی نتیجہ بری صحبت کا ہوتا ہے۔ لڑکے پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور اس نے آوارہ و بدمعاشوں کی صحبت ترک کر دی۔

(۵)

ایک شیر بہت بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا اور شکار نہیں کر سکتا تھا دو سارا دن اپنی غار کے منہ پر بیٹھا رہتا تھا۔

ایک دن ایک گیدڑ اس طرف سے نکلا شیر نے کہا آؤ میاں آؤ اور میرے ساتھ باتیں کرو۔ میں تمہارے جیسے تعلیم یافتہ اور عقلمند سے ملکر بہت خوش ہوتا ہوں

گیدڑ نے کہا نہیں جناب معاف رکھئے اس ملاقات سے میری صحبت پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔

شیر نے کہا میں بہت ضعیف ہو گیا ہوں اور تم کتنے جانوروں کے قدموں کے نشان دیکھ سکتے ہو جو ہر روز مجھ سے ملنے کے لئے آتے ہیں۔

عقلمند گیدڑ نے جواب دیا بیشک میں بہت سے قدموں کے نشان دیکھ رہا ہوں لیکن تمام کے رخ تمہاری ہی طرف ہیں اور کسی کا رخ دوسری طرف تو میں نہیں دیکھتا۔

(۶)

ایک مرتبہ پانچ چوروں نے ایک آدمی پر حملہ کر دیا کیونکہ اُنکا خیال تھا کہ یہ آدمی منڈی سے واپس آ رہا ہے اور اس کے پاس بہت سا روپیہ ہوگا۔

اس آدمی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دو تین کو زخمی کر دیا۔ لیکن ایک آدمی پانچ کا کہاں تک مقابلہ کرتا۔ چوروں نے اسے رسیوں میں جکڑ لیا اور اس کی تلاشی لی۔ لیکن تلاشی لینے پر صرف ایک روپیہ نکلا۔ چوروں کے سردار نے کہا شکر ہے اس کے پاس پانچ روپے ہی تھے نہیں تو ہم پانچوں کو یہ شخص مار ڈالتا۔

قیمت طلب (وی پی) پیکٹوں کے متعلق قواعد ڈاکخانہ میں ترمیم

ابھی تک جملہ قیمت طلب پارسل دس روز تک ڈاکخانہ میں بطور امانت رکھے جا سکتے تھے لیکن جنوری ۱۹۳۱ء سے افسران ڈاکخانہ نے اس رعایت میں غیر معمولی تخفیف کر دی ہے اور اب تمام وی پی ر[illegible] کے ذریعہ آئی ہوئی چیزیں خواہ وہ اخبارات و رسالوں کے پیکٹ ہوں، یا کتابوں اور دیگر چیزوں کے پارسل۔ دس دن کے بجائے صرف تین دن تک ڈاکخانہ میں بطور امانت رکھے جائیں گے اگر تین یوم کے اندر مکتوب الیہ قیمت دیکر وی پی [illegible] کو نہ چھڑائیگا تو وی پی فرستندہ کے پاس واپس کر دیا جائے گا،

تین دن سے زیادہ امانت رکھوانے کے لئے مکتوب الیہ کو ایک تحریری درخواست اور ڈاک آنہ یومیہ کے فیس بذریعہ ٹکٹ ڈاکخانہ روانہ کرنا ہوگی لیکن دس دن سے زائد کوئی پارسل کسی طرح ڈاکخانہ میں امانت نہ رکھا جا سکے گا۔

اس قاعدہ کے معنی یہ ہیں کہ خریداران صاحبان کو پیامِ تعلیم کا وی پی فوراً وصول کر لینا چاہیئے۔ ورنہ ڈاکخانہ تین دن کے اندر اس کو دفتر ہذا میں واپس کر دے گا۔ اور ہر واپس شدہ رسالہ پر ہمکو ۴ر کا نقصان برداشت کرنا پڑیگا، امید کہ ناظرین اس جدید قاعدہ کو نوٹ فرمالیں گے،

منیجر رسالہ

تمام فرمائشیں بنام منیجر ایس۔ ایم عثمان اینڈ کمپنی واچ و کلاک مرچنٹس نزد پوسٹ آفس چاندنی چوک نمبر ۱ شہر دہلی آنی چاہئیں۔ تار کا پتہ "واچ" دہلی

کالج وناشر — ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی ایچ۔ڈی ایڈیٹر۔ نسیم انصاری

پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
رجسٹرڈ ایل

رسالہ
پیام تعلیم

قیمت سالانہ
دو روپے
عہ

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ چھ پائی
۱۰ر

جلد ۱۰ ۷ر فروری سنہ ۱۹۳۶ عیسوی نمبر

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین و خریدار پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائینگے اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنا دے، تو ہم اس قابل ہو جائیں گے۔ کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں اور ساتھ ساتھ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک خریدار بنانے والے کو ۸ر قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانے والے کو تمام ایک سال کے لیے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائے گا۔

منیجر

"اسکول اور سینما"

(از سید عبدالجبار سابق متعلم اسلامیہ ہائی اسکول رنگون)
(مقیم حال ہانگ کانگ)

شیکسپیر کا قول ہے کہ لڑکے اسکول شوق سے نہیں جاتے بلکہ مجبوراً جاتے ہیں۔ یہ قول اس قدیم زمانے کے طلباء کے متعلق صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر آج کل تو ہمارے ابنائے وطن ممالک غیر مثل فرانس جرمنی اٹلی میں جاکر حاصل کرتے ہیں۔ البتہ زمانہ حال کے طلباء کی ذہنیت میں قدیم زمانے کے طلباء کی نسبت نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ پھر بھی چونکہ قدیم و جدید دونوں کی فطری عادت ایک ہی طرح کی واقع ہوئی ہے۔ لہذا ہم کسی طالب علم کو کسی خاص چیز کے ساتھ دلچسپی لینے کے لئے مجبور نہیں کر سکتے۔ صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ اسی چیز کو کسی اور طریق سے پیش کریں کہ خود بخود ان کی جذبات اور توجہ کو اپنی طرف منعطف کرلیں۔

میرے خیال میں سینما نے طالبعلموں میں ایک ایسی دلچسپی پیدا کردی ہے کہ وہ جو کچھ پیش کرتا ہے طلباء بڑے شوق و ذوق سے قبول کر لیتے ہیں، پھر ہم کیوں ایسے ذرائع کو استعمال نہیں کریں کہ جس سے بغیر جبر و اکراہ کے

ان کی دلچسپی حاصل کر سکتے ہیں۔

متحرک تصاویر ایک انگریز کی ایجاد ہیں، جو بعد میں جاکر امریکہ میں آباد ہوگیا تھا۔ اس کا نام ایڈورڈ موئی برج تھا۔ اور کنگسٹن آن تھیمز میں رہتا تھا بعد میں ترک وطن کرکے امریکہ میں چلا گیا تھا۔ اس فن کو نہایت سادہ طور پر ترقی دیتا رہا۔ وہیں بودو باش اختیار کر لی تھی آخر میں انتقال کر گیا۔

سینما کے فلم کئی قسم کے ہوتے ہیں کوئی تاریخی ہوتا ہے کوئی جغرافی، کوئی سوشل کوئی سائنس کے متعلق ہوتی ہے۔ غرضیکہ فلم ہر قسم کی ہوتی ہے۔ اور جو کچھ ہم فلم میں دیکھتے ہیں وہ دیرپا رہتا ہے۔ اور اس کا اثر جو ہمارے ذہن پر پڑتا ہے جلد زائل نہیں ہوتا۔ لہذا جب وقت ہم تاریخ پڑھتے ہیں وہی تصویر جو سینما میں دیکھی تھی، ہمارے آنکھوں کے سامنے آتی ہے اور ہم واقعہ آسانی سے سمجھ جاتے ہیں۔

فرنسیسی بغاوت، روسی شورش، امریکہ کی خانہ جنگی، جنگ عظیم جیسے مشہور واقعات کتابوں میں حکایات کی صورت میں تحریر کیے گئے اور فنکاران واقعات کو فلم کی صورت میں لیا، اسلئے ہمارے سامنے ہوبہو سی جگہ کا نقشہ پیش کردیا۔ کہ وہ ایک بار دیکھنے کے بعد کسی صورت میں بھلایا نہیں جاسکتا۔ افواج کی پریشانی ہوائی جہاز کا بم گولے برسانا، طیاروں کو فضا پر سے شعلے برسانا، توپ کا دغنا، یہ ہولناک واقعات کئی مختلف صورتوں میں پیش کئے جاتے ہیں جس کا اثر دماغ پر کتاب پڑھنے سے نہیں ہوتا جیساکہ فلم دیکھنے سے ہوتا ہے۔ صرف جنگ کے واقعات ہی کو نہیں بلکہ مشہور ناول کلسے وغیرہ مثل رابن سن کروسو، الف لیلہ وغیرہ وغیرہ جو تماشے میں دکھایا جاتا ہے ہمارے شوق مطالعہ کو زیادہ کرتا ہے۔ اور اس طرح سینما کتب بینی کا ذوق ہم میں پیدا کر دیتا ہے۔ جو کہ جبر سے نہیں ہوسکتا۔ سائنس کے متعلق جو تصاویر کتاب میں نہیں دیکھ سکتے یعنی سائنس کے نتائجات، ایجادات وغیرہ فلم کے ذریعے دکھائے جاتے ہیں۔ جو کہ وسعت اور معلومات کا سبب ہوتے ہیں۔ کوہ ہمالیہ برفانی چوٹی ایورسٹ کے خوشنما منظر کی اصلی تصویر ہمارے سامنے بذریعہ فلم پیش کی جاتی ہے۔ افسوس صرف اس بات کا رہتا ہے کہ اردگرد کی ہوا تنفس کے وقت ایورسٹ کی سی نہیں ہوتی اس سے زیادہ کیا چاہیئے۔ دور دراز ملکوں کے جغرافی حالت ہمارے سامنے یہی سینما پیش کرتا ہے قطب شمالی و قطب جنوبی جہاں پر کہ شدت کی سردی پڑتی ہے۔ رات کا دن کا فرق نہیں معلوم ہوتا وہاں کی تصویریں ہمارے سامنے دکھائی جاتی ہے۔ ان کی معاشرتی اور اخلاقی حالت کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ روئے زمین کے رسم ورواج کے متعلق اطلاع ہم پہونچائی جاتی ہے۔ یہی سینما کمپنی روئے زمین کے متعلق معلومات عامہ کا ذخیرہ پیش کرتی ہے۔ دنیا کی دلچسپ خبریں مع دلچسپ تصاویر دکھائی دیتی ہیں۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ملک سے دوسرے ملک پر کو دتے پھرتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں ساری دنیا کی سیر کر لیتے ہیں۔ بعض نوجوان جو اخبار بینی سے پرہیز کرتے ہیں اس طرح ان کے دلوں میں اخبار بینی کی عادت اور شوق پیدا ہو جاتا ہے جو کہ جبر سے نہیں ہوتا ہے۔

اگر کوئی سست یا رنجیدہ ہو تو عجیب قسم کی تصاویر اس کو خوش کر دیتی ہے۔ مردہ دل میں زندہ دلی اور تازگی پیدا کر دیتی ہیں۔ تفریح طبع کے لئے جو تصویر پیش کی جاتی ہے وہ ہمیشہ مضحکہ خیز نہیں ہوتی بلکہ بعض مرتبہ اس سے اچھی باتیں اخذ کر سکتے ہیں۔ الغرض سینما واقعات کو ایک ایسے عمدہ پیرایہ میں پیش کرتا ہے کہ لوگ خواہ مخواہ اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ اب یہ سینما کمپنی کا فرض ہے کہ ان کے دلوں میں نیک خیالات اور نیک جذبات پیدا کرنے کے لئے اچھی اور نیک باتیں پیش کرے کہ خراب تصاویر دکھائے جس سے معاشرت اور اخلاق پر برا اثر پڑے۔

جب روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سینما اس قدر مقبول عام ہے اور سینما میں اس قدر علمی فوائد مضمر ہیں تو چاہیئے کہ اس سے کوئی خاص فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی جائے بیشک سینما کی اصلاح کی بہت کچھ ضرورت ہے اگر یہ کمی پوری ہوگئی تو امید ہے کہ یہ سینما بہت سود مند ثابت ہوگا۔

ضروری اطلاع:۔ اب ڈاکخانہ نے جدید قاعدہ یہ مقرر کرلیا ہے کہ تین دن سے زیادہ وی پی رکھانے کی صورت میں ۲ر پیسہ کا ڈیمرج چارج کرتا ہے اس لئے التماس ہے کہ جس قدر جلد ہوسکے تین یوم کے اندر وی پی وصول کرلیا جائے۔

ظہیر الدین محمد بابر

جناب منیر احمد متعلم جامعہ

گذشتہ سے پیوستہ

یہ بابر کا سپاسی کارنامہ ہے جس سے ہر شخص آسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ شاہانِ مغلیہ کا مورث صرف ایک اعلیٰ درجہ کا سپاہی، غیر معمولی طور سے بہادر اور جفاکش، جنگجو، بے مثل سپہ سالار اور فاتح ہی نہیں تھا۔ بلکہ ایک مستقل سلطنت کا بانی تھا۔ دنیا کی تاریخ بہت کم ایسے فاتحین کے نام پیش کر سکتی ہے جن کی فاتحانہ مہموں سے کسی سلطنت کی بنیاد پڑی ہو ـــ بابر کی فوجی مہمیں محض اظہارِ قوت کے لئے نہیں تھیں۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ مختلف علاقوں یا مختلف قوموں کو باہم ملا کر ایک واحد حکومت کی بنا رکھے۔ اور وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوا۔

لیکن بابر ایک کامیاب فاتح اور باہمت سپہ سالار ہی نہیں تھا۔ قدرت نے اس کو ایک نہایت ہی فیاض اور دردمند دل دیا تھا۔ وہ اپنی رعایا سے کمال شفقت سے پیش آتا تھا۔ اس کو یہ تمنا نہ تھی کہ لوگ اس کے سامنے غیر معمولی عجز اور بندگی کا اظہار کریں وہ ان کا بادشاہ تھا۔ لیکن اس کو بادشاہت سے بڑھکر اپنی قوم کی "سرداری" میں لطف آتا تھا۔ اُسے دولت کی بھی کوئی حرص نہ تھی سوائے اس کے اگر اسے مال و زر میسر آئے تو اُسے رعایا میں تقسیم کر دے وہ اپنی فوج کا محبوب ترین سپہ سالار مہربان سرپرست اور اپنی قوم کا ہردلعزیز سردار تھا۔ اس کی فیاضی کی کوئی انتہا ہی نہیں تھی جب کبھی وہ فتح حاصل کرتا۔ تو جس قدر مال و دولت میسر آتا ـــ تو اُسے اپنے ہمراہیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ لوگوں کے درمیان قلندر بادشاہ کے نام سے مشہور ہوا۔

بابر کے ذاتی اوصاف اور بے مثل جسمانی قوت بھی کچھ کم قابلِ تعریف نہیں ہے ـــ وہ اس قدر شہزور تھا کہ اس کی ہم قوموں نے اس کو بابر (شیر ببر) کا لقب دیا تھا۔ وہ بے انتہا جفاکش واقع ہوا تھا۔ اور اس کے تحمل و برداشت کی کوئی حد ہی نہ تھی۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی مہم میں مصروف رہتا تھا۔ دشمنوں کی کثرت، راستوں کی دشوار گزاری، فاصلوں کی زیادتی، اور دنیا کی تمام مخالف و موافق چیزیں اس کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھی۔ جس طرح اس کی ہمت اور ارادوں میں کوئی فرق نہیں آیا، اسی طرح مسلسل جد و جہد میں بھی آخر دم تک کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ تلوار کا دھنی تھا، اور ایک سچے سپاہی کی طرح ہمیشہ آمادہ کار رہتا تھا۔ وہ خود لکھتا ہے۔ "میں نے ہندوستان کے تمام دریاؤں کو تیر کر پار کیا.... ایک گنگا باقی تھا سو ایک روز اس میں بھی تیرا..... تیس ہاتھوں میں دوسرے کنارے پر پہنچ گیا ـــ وہ ایک ایک دن اسی اسی میل سواری کر لیتا تھا۔ اسکا قاعدہ تھا کہ وہ، اکثر قلعہ کی فصیل پر دونوں بغلوں میں ایک ایک آدمی لے کر دوڑا کرتا تھا

بابر کی ذہنی قابلیتیں بھی ایسی ہی تعجب انگیز اس امر پر حیرت ہوتی ہے کہ ایک ایسا شخص جس کی ساری عمر فوجی مہموں میں گزری۔ نہ صرف علوم و فنون کا قدردان اہلِ علم کا سرپرست اور علمی صحبتوں کا شائق تھا بلکہ خود بھی علم کی دولت سے مالا مال تھا ـــ اس نے خود اپنی زندگی کے حالات لکھے ہیں (توزک بابری) جس کے ہر ہر لفظ سے اس کی بے مثل شخصیت کی طرح اس کی اعلیٰ قابلیت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ترکی اس کی مادری زبان تھی۔ لیکن اُسے فارسی پر ویسی ہی قدرت حاصل تھی۔ اور جس طرح وہ اپنی زبان میں پاکیزہ نثر لکھ سکتا تھا...... بابر کا شمار ترکی کے بہترین ادیبوں میں ہوتا تھا...... اسی طرح وہ فارسی میں بھی اعلیٰ درجہ کے شعر کہہ سکتا تھا

تزک بابری پڑھ کر صرف انسان یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ وہ ایک بلند ہمت اور پاکیزہ طبیعت انسان کی سوانح زندگی پڑھ رہا ہے۔ بلکہ تحریر کی شگفتگی اور طرز بیان کی خوبی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ ایک خوش مذاق اور مشہور ادیب کی تصنیف ہے۔ کہ جس میں مصنف کی ذاتی حالات کے علاوہ نہ صرف اس کے جذبات اور حسن مذاق کا اظہار ہوتا ہے۔ بلکہ ان تمام ممالک سے متعلق جو بابر نے دیکھے ہیں۔ نہایت قیمتی معلومات ملتی ہیں۔ اثنائے تحریر میں بابر نے ہمیشہ اس امر کا خیال رکھا ہے۔ کہ اس کے سوانح حیات کا مطالعہ لوگوں پر گراں نہ گذرے۔ اس لئے صرف انہیں باتوں کا ذکر کیا ہے جس سے ہر شخص کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔ وہ جہاں کہیں کسی ملک کی تسخیر کا حال لکھتا ہے۔ وہاں اس کی جغرافی، اقتصادی اور اجتماعی حالت پر بھی نظر ڈالتا ہے۔ ہندوستان میں اس کا قیام اگرچہ بہت کم رہا لیکن تزک بابری اس ملک کے تذکرے سے بھی خالی نہیں۔ بابر نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کا نہایت ہی قیمتی خیالات میں اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کو اس امر کی شکایت رہی کہ ہندوستان میں مناظر قدرت کی کمی ہے۔

مناظر قدرت کی یہی محبت تھی جس سے ہندوستان میں ایک نئی فن تعمیر کی بنا پڑی اس میں کوئی شک نہیں کہ بابر نے اس طرز تعمیر میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا۔ لیکن کوئی شخص جہانگیر و شاہ جہاں کے تعمیری کارناموں کو دیکھ کر اس سے انکار نہیں کرے گا۔ کہ ان سب میں بابر کی ان چند دریوں، محلات، اور باغوں کی جھلک پائی جاتی ہے۔ جنہوں نے اس قسم کی عمارتوں کے لئے تمہید کا کام دیا بابر فنون لطیفہ کا عاشق تھا۔ اس کی صحبتوں میں ہمیشہ علم و فن کا چرچا رہتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ انسان کو اپنی چند روزہ زندگی خوشی اور مسرت میں گزار دینی چاہیئے وہ خود کہتا ہے۔ کہ

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنا وقت زندگی کی ادنیٰ عشرتوں میں گذارتا تھا۔ اس کے نزدیک سچی مسرت وہی تھی۔ جس سے انسان کے عملی اخلاق میں فرق نہ آئے بلاشبہ اس کی شراب نوشی ہر اعتبار سے قابل اعتراض ہے۔ لیکن بابر کے متعلق کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرتا تھا اس کی ذات نقائص سے پاک تھی۔ باایں ہمہ اس امر کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ بابر نہ صرف ایک زبردست فاتح، کامیاب سپہ سالار اور ایک عظیم الشان سلطنت کا بانی تھا۔ بلکہ وہ ایک بیدار مغز بادشاہ، بہادر جنگجو اور بلند حوصلہ انسان تھا۔ ہر شخص اس کی عزت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جب ہم اس کے عزم و استقلال، ہمت و جفاکشی، مروت اور احسان اور اس کی خوش مزاجی اور علم پروری کو پیش نظر رکھتے ہیں، تو تعجب ہوتا ہے کہ ایک ایسا جامع اوصاف شخص کیونکر پیدا ہو گیا۔ جب تک دنیا باقی رہے گی بابر کا نام ہمیشہ عزت و احترام سے لیا جائیگا۔ اور اس کے اخلاق و اوصاف اور اس کی پاکیزہ زندگی کے مطالعہ سے ہر شخص اس کی قدر کرے گا۔

جغرافیہ

عرب

جناب محمد اسلم عمر صاحب کمشنر ریلیف/بحالیات گونڈہ

بچو! آج ہم ملک عرب کی بابت تمھیں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ — قدیم تاریخ و جغرافیہ کی کتابوں میں ملک عرب کو ایک جزیرہ لکھا گیا ہے یعنی جس کے چاروں طرف پانی ہے اور شمال و مشرق کی طرف دجلہ و فرات کے پانیوں کو اس کی سرحد بتایا گیا ہے۔ — اس طرح عراق اور شام عرب کے جزیرہ میں شامل ہیں۔ یہ ملک پرانی دنیا یعنی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بیچوں بیچ میں واقع ہے۔ — اس کا ایک تہائی حصہ ریگستان ہے۔ یہ ملک خدا کے پیغمبر حضرت ابراہیم کے بیٹے حضرت اسمٰعیل کی نسل سے آباد ہوا ہے۔ —

بلقیس۔ — تو کیا ہمارے اسلام کے پیغمبر حضرت محمدؐ بھی ان ہی کی اولاد میں ہیں؟

ہاں اللہ نے اپنے اس آخری رسول کو حضرت ابراہیم کی دعا قبول فرما کر ان ہی کی نسل میں پیدا کیا۔ اس ملک کی سب سے بڑی پیداوار کھجور ہے اور اونٹ یہاں کا سب سے زیادہ مفید جانور ہے۔ — عربی گھوڑے دنیا بھر میں سب سے زیادہ تیز اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ — یہ ملک پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عراق کا صوبہ شمال و مشرق میں بہت سرسبز و شاداب ہے۔ دار الحکومت بغداد دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں واقع ہے۔ بغداد عباسیوں کے عہد میں دنیا کا سب سے بڑا شہر اور تعلیمی مرکز تھا جیسا کہ اس وقت لندن ہے۔ کربلا اور کاظمین یہاں سے قریب ہیں۔ — موٹر کا راستہ ہے۔ — یہاں سے دمشق ایک ہزار میل ہے۔ — بہت تیز رفتار موٹر جاتے ہیں۔ — تیس گھنٹے کا سفر ہے۔ — دوسرے مشہور شہر بصرہ اور کوفہ ہیں۔ یہ دونوں عمر اعظم کے وقت میں آباد ہوئے تھے۔ عراق میں کھجوریں بہت اچھی ہوتی ہیں اور بہت سلیقہ سے پیک ہو کر بمبئی میں کثرت سے فروخت کے لئے آتی ہیں۔ ۲۔ — جزیرہ عرب کا شمالی حصہ شام کے نام سے مشہور ہے۔ — یہ بہت زرخیز اور خوبصورت ملک ہے۔ یہاں انگور کثرت سے پیدا ہوتا اور ایک آنہ سیر بکتا ہے۔ آب و ہوا ٹھنڈی ہے باشندے توانا تندرست، خوبصورت اور صاف رنگ کے ہوتے ہیں۔

اسی علاقے میں کوہ سینا واقع ہے جس کا دوسرا نام طور ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کو خدا نے اپنا نبی بنانے کی خوشخبری سنائی تھی۔ —

طارق۔ — اور ہماری کتاب کے ایک سبق میں جگنو اپنے کو پرندوں کے جہاں کا طور کیوں کہتا ہے؟

حضرت موسیٰ نے طور کے پہاڑ پر ایک روشنی بھی دیکھی تھی جو خدا کی طرف سے تھی۔ جگنو اپنی چمک اور روشنی کی وجہ سے ایسا کہتا ہے۔ شام کا سب سے بڑا شہر دمشق ہے جو بہت قدیم اور بہت ہی خوبصورت مقام ہے۔ — اور مسلمانوں کی ترقی کے زمانے کی ایک بڑی یادگار ہے۔ یہاں کی صفائی قابل دید ہے۔ چاروں طرف پہاڑ اور جا بجا شیریں چشمے ہیں۔ اکثر پہاڑ برف سے ڈھکے رہتے ہیں شہر میں آٹھ نہریں بہتی ہیں۔ سڑکوں پر اور مکانوں کے اندر حوض ہیں جن میں فوارے چلا کرتے ہیں۔ — تمام راستے پختہ اور دکانیں بہت قرینے سے ہیں۔ —

خالد۔ فوارہ کیسے چلتا ہے جس کا پانی بہت اونچا کیسے جاتا ہے؟

پانی کا دستور ہے کہ وہ اپنی سطح برابر رکھتا ہے۔ پانی کے ایک برتن کو اگر ایک نل کے ذریعے سے کسی دوسرے خالی برتن کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو دونوں برتنوں میں پانی کی سطح برابر رہے گی۔

یعنی دونوں میں پانی ایک ہی اونچائی تک رہیگا۔ فوارے لئے پانی کسی بلند مقام پر رکھا جاتا ہے پھر کسی چیز کے ذریعہ سے فوارے کے ساتھ اس کا تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اب جتنی بلندی پر اس کے پانی کا خزانہ رکھا گیا ہے اتنا ہی اونچا فوارے سے پانی کا جانا ضروری ہے۔ اگر فوارہ اس بلندی سے کم اونچا رکھا جاتا ہے اور اس کے منہ پر جالی لگا دیتے ہیں اس سے پانی بار بار اس بلندی تک جا کر بارش کی طرح نیچے گرتا ہے۔ افسوس ہے آجکل کے بعد شام کا ملک ترکی حکومت سے نکل کر فرانس کے قبضے میں چلا گیا اور اس نئی حکومت کے ہاتھوں دمشق کے خوبصورت شہر کی بڑی تباہی ہوئی ترکی حکومت نے دمشق سے مدینہ تک کے دشوار گذار پہاڑی رستے میں قابل تعریف ریلوے لائن بنائی ہے کہ اس سے انجینیروں کی قابلیت داد سب سمجھی جاتی ہے۔

دمشق سے دو روز کے سفر کے بعد یروشلم کا قدیم شہر آتا ہے جو پہاڑیوں پر آباد ہے۔ یہ جگہ یہودی، عیسائی اور مسلمان تینوں قوموں کی زیارت گاہ ہے۔ حضرت سلیمان کی ہیکل یعنی عبادت گاہ اسی مقام پر تھی۔ حضرت عیسیٰ یہیں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس معبد کا نام اب بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ہے جہاں پیغمبر اسلام نے معراج کی شب میں کچھ قیام کیا تھا۔ اور نماز پڑھی تھی۔ بیت المقدس میں حضرت عیسیٰ کی پیدائش گاہ اور حضرت ابراہیم سے لیکر حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ تک بہت سے نبیوں کے مزارات ہیں۔

بلقیس۔ کیا ہمارے مولانا محمد علی صاحب کا جسم بھی اسی مقدس زمین میں دفن کیا جائے گا؟

ہاں: ان کی مبارک روح پر اللہ کی بیشمار رحمتیں نازل ہوں، ان کی قومی ملکی اور مذہبی سچی اور بے مثل خدمات کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بڑی عزت عطا فرمائی۔ وہ ہمارے ملک کے ایک قابل ترین فرزند تھے اسلام اور ہندوستان کے ایک سچے خادم اور قوم کے ایک بزرگ سردار تھے۔ ہمارا ملک ہمارے اس سید قوم پر ہمیشہ فخر کریگا۔ اور ان کو بڑی عزت اور محبت سے یاد کرے گا۔ خدا ہمارے بچوں میں سے بہت سے محمد علی بنائے۔

حجاز ریلوے پر دمشق سے یروشلم تک کا راستہ بہت دلچسپ اور خوشنما منظر ہے۔ سبزے اور خوشرنگ پھولوں سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں کے درمیان سے سیکڑوں چکر کاٹتی اور آٹھ دس پہاڑی سرنگوں کے اندر سے ہوتی ہوئی گذرتی ہے۔ کئی گھنٹے یہی منظر رہتا ہے اور مسافر بڑے شوق سے کھڑکیوں سے سر نکالے کھڑے رہتے ہیں پھر ایک گھنٹہ تک یہ سارا راستہ ملتا ہے کہ ایک طرف سمندر کا ساحل ہے۔ اور دوسری جانب پہاڑی سلسلہ۔ غرض کہ دلکشی اور خوبصورتی میں یہ راستہ دنیا میں بے نظیر خیال کیا جاتا ہے اور ترکی حکومت کی ایک اعلیٰ درجہ کی یادگار ہے۔ اس ریلوے لائن پر تین اور مقامات قابل ذکر ہیں۔ ایک کا نام تبوک ہے جو رسول اللہ کے زمانے کی ایک جنگ کے لئے مشہور ہے۔ اس لڑائی کا ارادہ اس طرف کے عیسائیوں نے کیا تھا۔ رسول اللہ نے مدینے سے چودہ منزل کے فاصلے پر تبوک میں اپنی فوج کے ساتھ قیام فرمایا مگر دشمنوں نے مسلمانوں کی تیاری معلوم کرکے لڑائی کا ارادہ ترک کر دیا اور حملہ کی ابتدا انہیں کی اس لئے رسول کریم اپنے لشکر کو واپس لے آئے۔ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔ وہ بغیر ستائے جانے کے کسی کو پیشقدمی کی اجازت نہیں دیتا۔ جو کوئی اس کے خلاف عمل کرے وہ بلاشبہ اسلامی تعلیم کے خلاف ورزی کرتا ہے دوسرا مقام حجر وہ جگہ ہے جہاں حضرت صالح نبی کی قوم ثمود آباد تھی جو اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے زلزلہ کے سخت عذاب سے تباہ ہو گئی۔

سارہ۔ زلزلہ کیا ہوتا ہے۔ **طارق**۔ اور وہ کیسے آتا ہے؟

زمین کے ہلنے کو زلزلہ کہتے ہیں۔ شروع شروع میں زمین جب سورج سے اللہ کی مرضی کے مطابق الگ ہوئی تو وہ بہت گرم تھی جیساکہ سورج گرم ہے۔

خالد۔ سورج سے ہم نے پائی گرمی بھی روشنی بھی۔ سورج کا گرم ہونا تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ مگر زمین سورج کے اندر کب تھی۔ سورج بناکے تونے رونق جہاں کو بخشی۔ اللہ نے سورج تو دنیا کی رونق کے واسطے بنایا ہے۔ اور دنیا زمین کو کہتے ہیں۔ پھر زمین کا سورج سے الگ ہونا گرم ہونا کیسا؟

خدا کو جب زمین کا بنانا منظور ہوا تو اس کی مرضی سے سورج کے گول

سے ایک ٹکڑا علیحدہ ہو کر چکر کھانے لگا۔ سورج کی طرح اس کا یہ ٹکڑا بھی آگ سے زیادہ گرم تھا۔ اب چکر کھاتے کھاتے وہ خود ایک کرہ بھی بن گیا۔ اور اس کے اوپر کی سطح رفتہ رفتہ ٹھنڈی بھی ہو گئی لیکن اس کے اندر کی بڑی گہرائی میں جہاں انسان کی پہونچ نہیں ہو سکتی اب بھی بہت زیادہ گرم ہے اور بڑی تیز آگ جل رہی ہے۔ ایسی تیز کہ پتھروں کو پگھلا کر پانی کی طرح بہاتی ہے۔ یہ پگھلا ہوا مادہ جس کو لاوا کہتے ہیں۔ آتش فشاں پہاڑوں کے دہانے سے نکل کر بڑے بڑے دریاؤں کی طرح بہتا اور اپنے راستہ کی بستیوں کو دور تک جلاتا اور تباہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ دھواں بھی ایسی شدت سے نکلتا ہے کہ دن کے وقت بالکل اندھیرا ہو کر رات معلوم ہونے لگتی ہے۔ اپنے اندر کی اسی آگ اور حرارت کے زور سے کبھی کبھی اور کہیں کہیں زمین ہل جاتی ہے۔ تم اگر ایک برتن میں کوئی گیلی چیز رکھ کر اس کے منہ کو اچھی طرح بند کر دو اور اس کو آگ پر چڑھا دو تو خوب گرم ہونے کے بعد اندر کی حرارت اور بھاپ کے زور سے وہ برتن ہل جایا کرے گا۔

ہاں تو اس ریلوے لائن پر دوسرا مقام حجر ہے جس کے پچھم میں سمندر کی طرف کا مقام ہے جہاں کے نبی حضرت شعیب تھے۔ حضرت موسیٰ نبوت سے پہلے کئی سال تک ان کی صحبت اور خدمت میں رہے تھے، ان کی ایک بیٹی سے شادی کی تھی۔ یہاں سے رخصت ہو کر اپنی بی بی کے ساتھ مصر کو واپس جا رہے تھے۔ جب کی طور سینا پر خدا کی تجلی ان کو نظر آئی تھی۔ تیسرا مقام ریلوے لائن سے مشرق کی جانب اور مدینہ منورہ کے شمال میں دو سو میل کے فاصلے پر خیبر ہے۔ جہاں یہودیوں کی حکومت تھی اور بہت مضبوط قلعے تھے۔ سنہ ۷ ہجری میں یہاں ایک جنگ ہوئی تھی جس میں مسلمانوں نے شاندار فتح حاصل کی تھی۔ صلح ہو جانے کے بعد وہاں کی ایک رئیسہ نے پیغمبر اسلام اور چند صحابیوں کی دعوت کی اور کھانا زہر آلود تیار کیا۔ مگر اللہ تعالےٰ کو آپ کو محفوظ رکھنا تھا اس لئے آپ نے پہلا لقمہ اٹھانے کے بعد ہاتھ روک لیا۔ ایک صحابی زہر کے اثر سے فوت ہو گئے۔ رسالت مآب نے اس کی پاداش میں صرف اسی عورت کے لئے قتل کا حکم صادر فرمایا۔ حالانکہ جیسا کہ ثابت ہو گیا تھا یہ ایک ایک سازش تھی جس میں بہت بڑے بڑے یہودی شامل تھے۔ عمر اعظم نے اپنے زمانے میں یہاں کے شریر یہودیوں کو شام کے ملک میں جلا وطن کر دیا تھا۔

ملک عرب کا تیسرا جز حصہ حجاز کا صوبہ ہے جو مغرب میں بحر احمر کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ حصہ ہمیشہ سے سارے ملک میں بڑی عزت کی جگہ خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی آسمانی کتاب توریت میں اس کو فاران کا نام دیا گیا ہے۔ اس میں تین بڑے شہر ہیں۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور طائف۔ مکے کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ اس کی آبادی پچاس ہزار ہے یہاں کا بازار بہت بڑا اور دکانات شاندار ہیں اور ہر قسم کا مال بکثرت ملتا ہے۔ مدینہ کے باشندے بہت مہذب اور نیک خصلت ہیں یہاں کا پانی بہت سرد اور شیریں ہوتا ہے۔ طائف دامن کوہ میں ایک ٹھنڈی اور سب سے خوشنما سرسبز جگہ ہے۔ ٹھنڈے پانی کے چشمے کثرت سے ہیں اور میوے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ حجاز کے بہت سے لوگ گرمی کا موسم یہاں بسر کرتے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلا مکان خدا کی عبادت کے واسطے مکہ میں بنایا تھا جس کی قدیم بنیادوں پر خدا کے ایک بڑے نبی حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادہ حضرت اسماعیل نے خانۂ کعبہ کو تعمیر کیا تھا جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف مسجد بنی ہوئی ہے جو بہت بڑی شاندار اور خوبصورت ہے۔ خدا کے آخری رسول حضرت محمدؐ مکہ میں پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں رسول اللہ نے خود ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ جس کے بنانے میں اس سب سے زیادہ محترم انسان کے مقدس ہاتھ بھی کام کر رہے تھے۔ اس کے ایک حجرے میں رسالت مآب کا مزار اقدس ہے جس کے پاس صدیق اکبر اور عمر اعظم کی مقدس قبریں بھی ہیں۔ یہ بڑا ہی بے نظیر اعزاز ہے جو اللہ تعالےٰ نے ان دو عالی مرتبہ انسانوں کے جسم کو عطا فرمایا۔ اس مسجد کو بعد کے زمانہ میں بہت زیادہ وسعت دے کر ایک بڑی عالیشان اور خوبصورت عمارت بنا دیا گیا ہے "مسجد نبوی" مکہ معظمہ کی "مسجد حرام" اور یروشلم کی "مسجد اقصیٰ" یہ تین مسجدیں اسلام کی نظر میں اس قدر مقدس و محترم ہیں کہ ان کی زیارت کے لئے سفر کرنا بڑی خوش نصیبی اور ثواب کی بات ہے۔

خالد۔ حج کے واسطے سب لوگ کہاں جاتے ہیں؟

حج کا فرض مکہ معظمہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ حاجی لوگ خانہ کعبہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں یعنی اس کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ان میں قریب قریب سب لوگ مسجد نبوی کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کو ضرور جاتے ہیں۔ اور رسالت مآب کے مزار اقدس پر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ حجاز کے دو بندرگاہ ہیں۔ ایک جدہ جہاں سے مکہ کو راستہ جاتا ہے اور دوسرا ینبوع جہاں سے مدینہ کا راستہ ہے۔

سارہ۔ حاجی لوگ جو کھجوریں لاتے ہیں وہ کیسی عمدہ اور میٹھی ہوتی ہے!

ہاں یہ کھجوریں مدینہ منورہ کی ہوتی ہیں جو دنیا میں سب سے زیادہ اچھی بڑی نرم اور شیریں ہوتی ہیں۔

حجاز کا بیان اب ختم ہوا یہ ملک گذشتہ جنگ عظیم سے پیشتر ترکی حکومت میں تھا۔ اب نجدی حکومت میں ہے۔ ترکی حکومت اس کی بڑی خدمت کرتی تھی اور اس پر بہت سا روپیہ صرف کرتی تھی۔

۴۔ چوتھا بڑا اور جنوبی صوبہ یمن ہے جو اس ملک میں سب سے زیادہ سرسبز جگہ ہے۔ سونا چاندی جواہرات اور خوشبودار مسالوں کی تجارت کا مقام ہے۔ قوم عاد کی شاندار سلطنت جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اسی سرزمین پر تھی۔ وہ ٹکڑا احقاف کہلاتا ہے۔ اس کے شمال میں سب سے بڑا ریگستان ہے جہاں سے اس آندھی کا طوفان آیا تھا جس نے عاد کی قوم کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے برباد کر دیا تھا۔ اس قوم کے پیغمبر حضرت ہود تھے۔ یمن کا سب سے بڑا شہر صنعا ہے۔ جس کے شمال میں نجران کا مقام ہے جہاں کے عیسائی وفد رسول اللہ کی خدمت میں آیا تھا اور جس کو رسالت مآب نے اپنی مسجد کے اندر مہمان کیا تھا اور ان کی نماز کے وقت بڑی خوشدلی سے اسی جگہ نماز پڑھنے کو ارشاد فرمایا تھا۔ بڑے وحشی اور جاہل ہیں وہ لوگ جو کسی مسجد میں کسی کو نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ اس ملک کی مشہور بندرگاہ عدن ہے۔ جو انگریزی حکومت کے قبضہ میں ہے۔

۵۔ عرب کا پانچواں بڑا صوبہ نجد ہے جو حجاز کی سرحد سے عرب کے وسط میں مشرق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ یہ حصہ سمندر سے تین ہزار فیٹ بلند ہے اور بہت شاداب و سرسبز ہے۔ یہاں کا دارالحکومت ریاض ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں "باغات"۔ وجہ تسمیہ غالباً وہاں کی سرسبزی اور شادابی ہے۔ نجد کے مغرب، شمال اور مشرق تینوں جانب ریگستان ہے۔ حجاز پر اس وقت یہیں کے سلطان کی حکومت ہے جن کا نام عبدالعزیز ابن سعود ہے۔

اسلم عمر

بسنت کی بہار

سویرے ہی سویرے ہم پہنچ گئے ہیں کھیت پر
بہت سے کھیت اور ہیں قریب ہی ادھر ادھر
بسنت پنچمی کے دن یہاں ہم آج آئے ہیں
ہیں خوشی خوشی جناب دادا ساتھ لائے ہیں
برس کے کھل چکا ہے مینہ۔ زمیں پہ ہے ابھی تری
نظر تمام آ رہی ہیں کھیتیاں ہری بھری
ہیں خوب! زرد زرد پھول ہر طرف کھلے ہوئے
ہیں سبز سبز زرد زرد فرش سے بچھے ہوئے
کہیں مٹر کے کھیت ہیں۔ کہیں ہیں جو کہیں چنے
یہ سب کے سب خدا کے حکم سے ہرے بھرے بنے
ہیں اک طرف کو شلغموں کے زرد پھول کھل رہے
اور ان میں مولیوں کے ہیں سفید پھول مل رہے
ہیں سبز سبز پتیوں پہ قطرے اوس کے پڑے
نظر وہ آ رہے ہیں موتیوں کی طرح سے جڑے
یہ دیکھ کر کہ کھیت پر عجب بہار آئی ہے
خوشی کا حال کیا کہیں خوشی دلوں پہ چھائی ہے
اسی لئے تو اس گھڑی زباں پہ بار بار ہے
بسنت کی بہار ہے بسنت کی بہار ہے

جناب نیر آپ کی یہ نظم لاجواب ہے بسنت کی بہار کا یہ خوب انتخاب ہے

کوائفِ جامعہ

از نامہ نگار خصوصی

۲۲ر جنوری ۱۹۳۱ء کو جامعہ کے ایک قابل فرزند جناب کریم اللہ صاحب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ تشریف لے گئے۔

اسی تاریخ کو گیارہ بجے دن گیمس کمیٹی کا ایک جلسہ جناب شیخ الجامعہ صاحب کی صدارت میں جناب کریم اللہ صاحب کو الوداع کہنے کے لئے کتب خانہ میں منعقد ہوا۔ جس میں مختلف ٹیموں کے منتظمین نے صاحب موصوف کی خدمت کا اعتراف کیا۔

آپ ہاکی، فٹ بال، والی بال اور باسکٹ بال وغیرہ کے اعلیٰ درجہ کے کھلاڑی ہیں۔ اس لئے قدرتاً ہر ٹیم کے کپتان کو اس کا سخت افسوس ہوا۔ اسکے بعد آپ کی خدمت میں ایک گھڑی پیش کی گئی۔ جناب کریم اللہ صاحب نے گیمس کمیٹی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اپنی تعلیم ختم کرنے کے بعد میں جامعہ میں آؤں گا یا نہیں۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر جامعہ کو میری ضرورت ہوئی تو میں ضرور جامعہ میں آؤں گا۔ اس فقرہ پر حاضرین میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی جسکا اظہار پرزور تالیوں سے کیا گیا۔

شب کو اسٹاف کلب کی طرف سے جناب کریم اللہ صاحب کے اعزاز میں دعوت ہوئی۔ اور دعوت کے بعد صاحب موصوف بمبئی اکسپریس سے بمبئی روانہ ہوگئے۔ جہاں سے ۲۷ر جنوری کو جہاز پر یورپ روانہ ہو جائیں گے۔ اسٹیشن پر بہت سے طلباء اور اساتذہ موجود تھے۔

۳۰ر جنوری کو انجمن اتحاد کا جلسہ سند نشینی خاکسار منزل میں جناب شیخ الجامعہ صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ معزز مہمانوں میں سے خواجہ حسن نظامی صاحب۔ جناب حکیم محمد احمد صاحب، پروفیسر حبیب صاحب، جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی اور حکیم فرید احمد صاحب قابل ذکر ہیں۔ یہ جلسہ ٹھیک چار بجے شام شروع ہوا۔ جناب عبدالواحد صاحب سندھی نے سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی اسکے بعد جناب صدر نے جدید عہدیداروں اور اراکین کا تعارف حاضرین سے کرایا۔ امسال مندرجہ ذیل عہدہ دار اور اراکین منتخب ہوئے ہیں۔

نائب صدر۔ محمد حسین صاحب۔
ناظم۔ امتیاز حسین صاحب
ناظم دار المطالعہ۔ احسان اللہ خانصاحب

اراکین مجلس انتظامیہ۔

۱۔ رئیس احمد صاحب
۲۔ عبدالسلام صاحب
۳۔ عبدالغفور صاحب
۴۔ عبدالحق صاحب
۵۔ عبدالسلام خانصاحب

بعد ازاں جدید نائب صدر محمد حسین صاحب نے اپنا معرکۃ الآرا خطبہ صدارت پڑھا۔ جو بہت پسند کیا گیا۔ سید نصیر احمد صاحب نے ایک پرلطف نظم سنا کر حاضرین کو محظوظ کیا۔ اسکے بعد مولانا آزاد سبحانی صاحب کے مواعظ حسنہ اور جناب شیخ الجامعہ صاحب کی زبردست تقریر کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

چونکہ افطار کا وقت قریب تھا اسلئے مہمان روزہ افطار کرکے نماز پڑھنے کے بعد کھانے کے کمرہ میں تشریف لے گئے اور ماحضر تناول فرمایا۔ کھانے کے بعد مولوی عبدالسلام صاحب نے مہمانوں کا مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ مہمانوں کی طرف سے جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی نے مختصر تقریر فرمائی اور یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔

جامعہ میں ہر سال عید الفطر کے موقعہ پر ایک ڈرامہ ہوتا ہے جسمیں مدرسہ کے بچے حصہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اس سال بھی ایک ڈرامہ ہو رہا ہے۔ جناب عبدالغفار صاحب بڑی محنت اور سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ یہ ڈرامہ بہت کامیاب رہیگا۔

سائنس

طاعون اور اسکا جدید علاج

از اقبال الدین احمد صاحب صدیقی منجن آباد (بھاولپور)

مجھے یقین ہے کہ تم چھوٹے کیڑے کو جسے انگریزی میں (FLEAS) کہتے ہیں اور اردو میں پسو کہتے ہیں۔ جانتے ہوگے اور غالباً پسو نے تمہارے کاٹا بھی ہوگا۔ جس سے کہ تمہاری کھال میں سرخ داغ رہ گیا ہوگا۔ اور تھوڑی دیر میں پھر غائب ہوگیا ہوگا۔ سرخ داغ اگرچہ کچھ بےچین کر دیتا ہے مگر کچھ ایسا زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتا۔

پسو کی قسم ایک سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایک قسم عموماً چوہوں کو کاٹتی ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ چوہے ہندوستان میں بہت پائے جاتے ہیں۔

معلومات میں سے ایک عجیب بات جو ڈاکٹروں نے معلوم کی ہے یہ ہے کہ چوہے اور چوہوں کے پسو ہندوستان میں طاعون یا پلیگ لاتے ہیں۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو پلیگ یا طاعون نہ ہو۔ کیونکہ طاعون یا پلیگ چوہوں کی بیماری ہے جو اس سے بڑی تعداد میں مرتے ہیں۔

لیکن بیماری چوہوں سے آدمی میں کیونکر آتی ہے اسکا سبب حسب ذیل ہے:۔

جب چوہے کو طاعون یا پلیگ ہوجاتی ہے۔ تب پسو جو کہ بیمار چوہے سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔ چوہے کا کچھ خون چوس لیتے ہیں۔ اور بیماری اس خون میں ہوتی ہے۔ چوہا جس کو طاعون ہوتا ہے مر جاتا ہے۔ مگر پسو ایسی جلدی نہیں مرتے۔ جب وہ چوہا جس پر پسو ہوتے ہیں مر جاتا ہے تو یہ چوہے کو چھوڑ دیتے ہیں اور قریب ہی کے کسی دوسرے چوہے پر چلے جاتے ہیں اور اسکو کاٹ لیتے ہیں۔

پسوؤں سے وہ خون پیدا ہوتا ہے جس میں کہ بیماری ہوتی ہے اور جب وہ چوہے کو کاٹتے ہیں تو خراب خون تندرست چوہے کے جسم میں داخل ہوجاتا ہے۔ تب اس چوہے کو بھی طاعون ہوجاتا ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح سے چوہے مرتے رہتے ہیں۔

آخرکار ایک وقت آتا ہے۔ جب بہت تھوڑے چوہے زندہ باقی رہ جاتے ہیں۔ مگر پسوؤں کی ایک بہت بڑی مقدار ہوتی ہے جنہوں نے خراب خون پیا ہوتا ہے

یہ پسو زندہ چوہوں کو کاٹنے کے لئے تلاش کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ کسی کو نہیں پاتے تو سخت بھوکے ہوجاتے ہیں

پس ایک وقت آتا ہے کہ پسو آدمیوں کو کاٹنے لگتے ہیں۔ جب پسو آدمی کو کاٹتا ہے۔ تو کاٹنے کے ذریعہ بیماری کا کچھ خون جو پسو نے چوہے سے لیا ہے آدمی کے جسم میں داخل ہوجاتا ہے اور آدمی کو طاعون یا پلیگ ہوجاتی ہے۔

ایک آدمی اپنے آپ کو اور اپنے کنبے کو طاعون سے بہت آسانی سے بچا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ آدمی مکان اور آس پاس کے چوہوں کو مار ڈالے یا جس غذا کو چوہے پسند کرتے ہیں نہ رکھے تو چوہے نہیں رہینگے اور اسطرح بیماری نہیں پھیلیگی۔

لیکن اگر بیماری پھیل چکی ہے تو سب سے آسان اور سادہ طریقہ یہ ہے کہ وہ پلیگ کے کسی ڈاکٹر کے پاس چلا جائے جو کہ صوبے میں گشت کرتے ہیں۔ اور پلیگ کا ٹیکہ لگوالے۔ ٹیکہ آدمی کو پلیگ یا طاعون سے بچا سکتا ہے۔

بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ آدمی بیمار ہونے سے پہلے ہی بچپن میں ٹیکہ لگوالے۔ ٹیکہ لگوانے سے خفیف سی تکلیف اور بخار ہوتا ہے۔ مگر وہ پلیگ یا طاعون میں بیمار ہونے کے بڑے خطرے کو کم کرتا ہے۔ کیونکہ ٹیکہ کے ذریعہ جو دوا انسان کے جسم میں داخل ہوتی ہے وہ بیماری کے خراب خون کو بے ضرر بنا دیتی ہے۔

قصے کہانیاں

جادو کی انگوٹھی

اقبال الدین احمد صاحب صدیقی (بہاولپور)

کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کے ایک لڑکا تھا۔ جب یہ شہزادہ جوان ہوا تو اسے شکار کا بہت شوق تھا۔ جب یہ شہزادہ شکار کو گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک کالا سانپ اور ایک سفید سانپ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ شہزادہ نے تلوار میان سے نکالی اور کالے سانپ کو مار دیا۔ سفید سانپ شہزادے کو بہت پسند آیا کیونکہ وہ سفید رنگ کا تھا۔ اور بہت چمکیلا تھا۔ اسلئے شہزادے نے اسے نہیں مارا۔ سفید سانپ ایکدم زمین پر لوٹا اور ایک خوبصورت آدمی بنگیا۔

اس خوبصورت آدمی نے شہزادے سے کہا "میں جنات کے بادشاہ کا لڑکا ہوں اور یہ کالا سانپ بھی جن تھا۔ یہ مجھ سے زیادہ طاقتور تھا۔ اس لئے اگر آپ آکر اسے نہ مارتے تو وہ مجھے مار ڈالتا۔

اب کیونکہ آپ نے میری جان بچائی ہے اس لئے میں آپ کو اپنے باپ کے پاس لے چلتا ہوں۔ میرا باپ آپ سے بہت خوش ہوگا اور وہ کہے گا کہ مانگ کیا مانگتا ہے۔ آپ اس سے تین دفعہ وعدہ لیکر یہ کہیئےگا کہ میں وہ انگوٹھی مانگتا ہوں جسکے جن تابع ہیں۔ یہ کہہ کر وہ جن شہزادے کو اپنے باپ کے پاس لے گیا۔ اور کل واقعہ سنایا۔

جنات کا بادشاہ شہزادے سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ "مانگ کیا مانگتا ہے"۔

شہزادے نے کہا "جو مانگوں گا دوگے"۔ جنات کے بادشاہ نے کہا "ہاں"۔ شہزادے نے کہ "مجھے وہ انگوٹھی دیدیجئے جسکے جنات قبضے میں رہیں۔

بادشاہ نے کچھ پس و پیش کے بعد "جادو کی انگوٹھی" شہزادے کے حوالے کر دی اور کہا کہ جب تم یہ انگوٹھی کسی پتھر کے ساتھ رگڑو گے تو جن موجود ہو جائیں گے۔ اور جو حکم تم ان کو دوگے مانیں گے"۔

شہزادے نے شاہ جنات کا شکریہ ادا کیا اور چلنے کی اجازت چاہی۔ مگر شاہ جنات نے کہا کہ ابھی دو چار روز یہاں ٹھیرو۔ شہزادہ ٹھیر گیا۔ چلتے وقت شاہ جنات نے اس کی شادی اپنی لڑکی سے کر دی۔ جو کہ بہت خوبصورت تھی۔

شہزادہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر اپنے ملک چلا گیا اور ایک عالیشان محل میں رہنے لگا۔ ایک بار شہزادہ بازار سے گزر رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ایک طوطا اور ایک بلی بیچ رہا ہے۔ شہزادے نے اس آدمی سے دونوں کی قیمت پوچھی تو اس نے ایک ہزار اشرفی بتائی اور کہا کہ یہ دونوں چیزیں مشکل کے وقت کام آسکتی ہیں۔

شہزادے نے دونوں کو خرید لیا۔ شہزادے کے محل کے قریب ایک دریا بہہ رہا تھا ایک مرتبہ شہزادی دریا میں نہانے لگی تو اسکا ایک جوتا بہتے بہتے کسی دوسری بادشاہی میں پہنچ گیا۔ وہاں کا شہزادہ دریا کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ کہ اس کی نظر اس جوتے پر پڑی۔ تو اس نے جوتا نکلوا لیا اور بادشاہ سے جاکر کہا کہ میں اسی سے شادی کروں گا جس کا یہ جوتا ہے۔ ورنہ نہیں کروں گا۔

بادشاہ نے ایک ہوشیار کٹنی کو بلایا اور کہا کہ جا اس لڑکی کو کسی طرح یہاں لا۔ وہ کٹنی ایک کشتی میں سوار ہوکر اس طرف روانہ ہوئی جس طرف سے جوتا آیا تھا۔

آخر کار اسے وہ محل نظر آیا جو کہ دریا کے کنارے تھا۔ کٹنی نے کشتی دریا کے کنارے لگائی۔ اور خود محل میں گئی۔ اور شہزادی سے کہنے لگی کہ میں ایک مصیبت زدہ ہوں۔ مجھے یہاں رہنے دیجئے۔ شہزادی نے کٹنی کو وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔

ایک دن شہزادہ شکار کو گیا اور انگوٹھی شہزادی کو دے گیا۔

کٹنی نے انگوٹھی دیکھنے کو مانگی۔ شہزادی نے دے دی۔ کٹنی نے انگوٹھی پھرائی اور فوراً دو جن حاضر ہوئے۔ کٹنی نے حکم دیا کہ مجھے اور اس شہزادی کو فلاں ملک میں پہنچاؤ۔ جنوں نے فوراً پہنچا دیا۔

وہاں پہونچکر کٹنی نے شہزادی کو بادشاہ کے حوالہ کر دی اور انگوٹھی خود لے لی اور جب سوتی تھی تو انگوٹھی کو مُنہ میں رکھ لیتی تھی تاکہ کوئی لے نہ جائے۔

جب شہزادہ واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ شہزادی غائب ہے شہزادے نے طوطے اور بلی سے کہا کہ کسی طرح انگوٹھی لاؤ۔

دونوں اسطرف روانہ ہوئے جدھر سے کٹنی آئی تھی۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ کٹنی کی کارستانی ہے۔

جب یہ دونوں وہاں پہنچے جہاں کٹنی رہتی تھی تو کیا دیکھا کہ انگوٹھی کٹنی کے مُنہ میں ہے۔ اور وہ سو رہی ہے۔

بلی نے ایک چوہے کو پکڑا اور کہا کہ اپنی دم کٹنی کی ناک میں دے ورنہ میں تجھے مارتی ہوں۔ چوہے نے اپنی دم کٹنی کی ناک میں دی تو کٹنی کو چھینک آئی اور انگوٹھی مُنہ میں سے دور جا پڑی۔ طوطے نے انگوٹھی کو اپنی چونچ میں لیا اور اڑ گیا۔ اور انگوٹھی شہزادے کو لا کر دی۔

شہزادے نے اس انگوٹھی کو رگڑا تو جن حاضر ہوئے تو شہزادے نے جنوں کو حکم دیا کہ شہزادی کو یہاں لاؤ۔ اور کٹنی کو مار ڈالو جنوں نے حکم کو پورا کیا۔ اور شہزادہ اور شہزادی آرام سے رہنے لگے۔

کہانیوں کا بادشاہ

الف لیلیٰ کی کہانیاں شاید تمنے سنی ہونگی۔ ان میں "علی بابا اور چالیس چور" "چار قلندر وں کی کہانی" اور "سوتے جاگتے کا قصہ" بہت مشہور ہیں۔ اس کتاب کی سینکڑوں کہانیوں میں خلیفہ ہارون رشید کا نام جگہ جگہ آیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ بادشاہ بھیس بدل بدل کر بغداد کی گلیوں میں پھرا کرتا تھا اور چھپ چھپ کر اپنی رعیت کا حال دیکھتا اور ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا دیتا اور بے کسوں کی مدد کرتا تھا۔ ان کہانیوں کی وجہ سے یہ بادشاہ عام آدمیوں میں اسقدر مشہور ہوا کہ اگر اس کو کہانیوں کا بادشاہ کہیں تو ٹھیک ہے

خاندان بنو امیہ کے بادشاہوں نے نوّے برس تک اسلامی سلطنت پر حکومت کی۔ اسکے بعد ہمارے نبی ؐ کے چچا حضرت عباس رضؓ کی اولاد نے اُمیہ خاندان سے سلطنت چھین لی۔ اس خاندان عباسیہ نے پانچ سو برس بغداد میں اور پھر تین سو برس مصر میں حکومت کی۔ عباسیوں میں بڑے بڑے زبردست بادشاہ ہوئے ہیں۔ جنمیں سب سے زیادہ مشہور یہی ہارون رشید ہے۔ اس شہنشاہ کے زمانہ میں بڑے بڑے عالم پیدا ہوئے ہندوستان ایران اور یونان کی اچھی اچھی مشہور کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا۔ اور بہت سی نئی علمی باتیں معلوم ہوئیں۔

خود ہارون رشید بڑا عالم فاضل علم کی قدر کرنے والا سخی خوش مزاج، مذہب کا پکا۔ نیک۔ رحمدل۔ انصاف پسند اور بہادر تھا۔ ہر تیسرے برس حج کرتا اور بغداد سے مکہ تک جو ایک ہزار میل کا سفر ہے عرب کی تپتی ہوئی ریت میں پیدل طے کرتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے مذہب کا اتنا پابند تھا لیکن غیر مذہب والے اسکی سلطنت میں بہت آرام سے رہتے تھے۔ اکثر آدمی اسکے دربار سے تنخواہیں اور وظیفے پاتے تھے۔ اسکا خاص طبیب (حکیم) بخیتشوع عیسائی تھا۔ اقبالمند اور بہادر ایسا تھا کہ جدھر چڑھائی کرتا جیت کر آتا قسطنطنیہ کا عیسائی بادشاہ اسکو خراج دیتا تھا۔ اسکی سلطنت بہت دور دور ایشیا اور افریقہ میں پھیلی ہوئی تھی اسکا دارالخلافہ "بغداد" اس زمانہ میں دنیا کا سب سے بڑا اور خوبصورت شہر تھا دنیا میں گھومنے والے جب بغداد میں خلیفہ کے حماموں، مسجدوں، باغوں اور محلوں کی سجاوٹ اور خوبصورتی اور دربار کی شان و شوکت دیکھتے تو حیران رہ جاتے تھے۔

اسکے وزیر "یحییٰ" اور "جعفر" کی سخاوت آج تک دنیا میں مشہور ہے اس کی بیوی "زبیدہ خاتون" ایک دینداری سخی اور بڑی نیک عورت تھی۔ اس کی سخاوت کی نشانیاں اب تک دنیا میں موجود ہیں۔ مکہ میں حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی کی بڑی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ زبیدہ خاتون نے وہاں ایک عمدہ نہر بنوائی جو اب تک اسی طرح کام دیتی ہے۔

ایک دفعہ ہارون رشید کے بیٹے کو کسی نے گالی دی۔ خلیفہ نے بیٹے سے پوچھا کہ اسے کیا سزا دیجائے۔ کسی نے کہا جان سے ماردو۔ کسی نے کہا زبان کٹوا دو۔ خلیفہ نے کہا نہیں زیادہ سے زیادہ یہ کہ شہزادہ بھی اسے گالی دے۔ مگر گالی دینا بھلے آدمیوں کا کام نہیں۔ شہزادہ نے یہ سنکر خوشی سے لڑکے کو معاف کر دیا۔

قیمت ۶/۴/

زنگی قلم

سالہا سال سے ہزاروں زنگی قلم ہندوستان کے ہر حصہ میں ہر قسم کی آب و ہوا میں اور ہر قسم کی نوشت و خواند میں استعمال ہو رہا ہے۔ تقریباً چالیس ہزار زنگی قلم کے استعمال کرنے والے زنگی قلم کے پائیدار اور کارآمد ہونیکا ثبوت دے رہے ہیں۔ زنگی قلم کا ہر ایک پرزہ قلم میں لگائے جانے سے پہلے نہایت غور سے پاس کیا جاتا ہے اور پھر ہر ایک زنگی قلم مکمل ہونے پر تقریباً تیس الفاظ لکھنے کے بعد پاس ہوتا ہے اور اس کے بعد بھی ہر ایک زنگی قلم خریدار کے پاس روانگی سے پہلے دوبارہ آزمایا جاتا ہے کہ وہ خریدار کے خاص کام روش اور ہاتھ کے دباؤ کے لئے مناسب ہے یا نہیں اور ہر ایک خریدار کو حق دیا جاتا ہے کہ تاریخ رسید سے پورے ایک ہفتہ تک بالکل اطمینان سے جس طرح چاہے استعمال کرے اگر ذرا بھی حسب منشا کام نہ کرے تو فوراً کارخانے کو واپس کر دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زنگی قلم کا دشمن کوئی بھی نہیں ہے اور علاوہ اشتہار کے خود استعمال کرنے والوں کی سفارش پر بھی زنگی قلم کی شہرت اور فروخت کا زیادہ انحصار ہے۔ آپ فوراً ہی بالکل اطمینان خاطر سے آج ہی ایک زنگی قلم ایک ہفتہ کی آزمائش پر بشرط پسند وی پی منگائیں کیونکہ راستہ کی ٹوٹ پھوٹ اور ایک ہفتہ تک استعمال کی تمام ذمہ داری کارخانہ پر ہے۔ اس لئے آپ کا کوئی نقصان کسی طرح ہو ہی نہیں سکتا۔ قیمت چھ روپے چار آنے ہے

بہتر ہے کہ زنگی قلم کے ساتھ ہی ایک گروس زنگی دیسی سیاہی کے قرص قیمت ۱۲ / اور ایک زنگی ریور کلپ قیمت چھ آنے منگالیں تاکہ آپ کم از کم ایک سال کے لئے بالکل بے فکر ہو جائیں۔

زنگی قلم کمپنی نمبر ۲۶ ایجرٹن روڈ دہلی

بقائے صحت کی نو ایجاد مشین

زمانہ حال کی خصوصیات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ ہر طرف موت کا مقابلہ بہتر اور زیادہ کامیابی کے ساتھ ہو رہا ہے بلکہ شباب کے قیام اور عمر کی طرف بھی زیادہ توجہ کی جا رہی ہے۔ پچیس برس پہلے جو لوگ پہاڑوں پر جانے کے فائدے سے بالکل ناآشنا تھے، آج وہ ہر سال پہاڑوں پر جا کر شباب اور حیات دونوں کی مدت میں اضافہ کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں۔ سرسبز پہاڑوں پر سورج کی روشنی سے بنفشئی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں وہی اس شباب اور حیات کی توسیع کا باعث قرار دی گئی ہیں۔ پہاڑوں کے پھل اور میوے ہمیشہ سے صحت اور قوت بخش سمجھے جاتے تھے آج یہ راز افشا ہو گیا ہے کہ وہ بھی شعاع بنفشہ کو مہینوں تک جذب کر کے اس قدر مفید ہو جاتے ہیں۔

آج بنفشئی شعاع کے مفید ثابت ہو جانے کے بعد سائنسدانوں نے ہر گھر میں اس کو پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ ایک کل کے آلہ سے اسکو مصنوعی طور پر پیدا کیا جاتا ہے اور نہ صرف قوت، حسن، شباب اور توسیع حیات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بلکہ فالج گٹھیا، ورم، درد، پھوڑے وغیرہ کے علاج میں بھی بے مثل نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے۔ ہر گھر میں ایک مشین کا رہنا نہایت ضروری ہے جہاں بجلی نہیں ہے وہاں بنفشہ شعاع سے مس کی ہوئی اشیاء لگانے اور کھانے سے بھی بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ جن طلباء کو نشو و نما میں کمی ہو یا حافظہ خراب ہو یا نیند اور حافظہ میں کمی محسوس ہو تو ملاقات یا خط کتابت کریں۔

زنگی قلم کمپنی (وایولٹ رے انسٹیٹیوٹ) ایجرٹن روڈ دہلی

پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ
دو روپے
۲/

رسالہ پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ چھ پائی
۱/۶

جلد ۱۲ — ۱۲ فروری سنہ ۱۹۳۰ عیسوی — نمبر ۸

فہرست مضامین

"خریداروں سے گذارش"

امید ہے کہ ہمارے معاونین و خریدار پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں گے، اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنا دے، تو ہم اس قابل ہو جائیں گے، کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں، اور ساتھ ساتھ رعایت کی جاتی ہے، کہ ایک خریدار بنانے والے کو ہر قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانے والے کے نام ایک سال کے لئے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائے گا —

نیجر

ادارہ پیام تعلیم کی طرف سے پیام تعلیم کے سرپرستوں، بہی خواہوں اور ناظرین کی خدمت میں

عید مبارک

اخلاق اور تعلیم

(سید احمد علی صاحب ۔ آزاد بنارسی)

میں اکثر غور کرتا رہا ہوں کہ تعلیم پانے کے بعد اور علم کی روشنی سے منور ہونے کے بعد بھی تعلیم یافتہ لوگ "مجسم اخلاق" اور درست اطوار کیوں نہیں ہوتے اور یہ میرا غور کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک مرتبہ عورتوں کی کانفرنس میں یہ بات پیش ہوگئی کہ مرد عورتوں کو کیوں بہت ذلیل خیال کرتے ہیں اور کیوں ان کی بہت کم عزت کرتے ہیں" تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ ہم عورتوں ہی کا قصور ہے کیونکہ مرد بیٹے تو ہم عورتوں ہی کی گود میں پلتے ہیں لہذا جیسا وہ بنا دیتی ہیں ویسے ہی وہ بن جاتے ہیں ۔ تو اپنے سوال کا جواب بھی انہیں جملوں میں ملگیا کہ یہ ہم استادوں ہی کا قصور ہے جو لڑکوں میں اخلاق اور صحیح اطوار نہیں پائے جاتے کیونکہ بیٹے تو ہم استادوں ہی کی گود میں پلتے ہیں لہذا جیسا ہم بنا دیتے ہیں ویسے ہی وہ بن جاتے ہیں ۔

ممکن ہے کہ میری اس رائے سے اتفاق نہ کیا جائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ملک کے نوجوانوں کو بنانے یا بگاڑنے والے اس ملک کے استاد یا والدین ہو سکتے ہیں اور یہ انہیں اساتذہ اور والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ آج ہندوستان کے باہر دیگر ممالک میں والدین نے اپنے نور نظر کے جہاد اور قومی و ملکی جنگ میں ختم ہو جانے کو لائق تعریف اور لائق تحسین کام سمجھا ہے ان میں مردانہ اور مجاہدانہ جذبات بیدار ہیں ، ان میں ایجاد و اختراع کی قوتیں پیدا ہیں ۔ برخلاف اس کے اگر آپ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی خصلتوں اور عادتوں پر غور کریں گے اور ان کے اخلاق و اطوار کو دیکھیں گے تو آپ کو نظر آئیگا کہ مردانہ و مجاہدانہ جذبات کی جگہ نسوانی اور بزدلی کے جذبات بیدار ہیں ، ایجاد و اختراع کی جگہ نقل و تقلید کی قوت پیدا ہے ۔ ترقی و برتری کے عوض قناعت اور غلامی کے خیالات جاگزیں ہیں ۔ اگر والدین جاہل ہیں اور تعلیم یافتہ نہیں ہیں تو ان کو ذلیل خیال کرتے ہیں ۔ عموماً جھوٹ بولتے ہیں ۔ وقت کے پابند نہیں ہوتے ۔ استادوں کی عزت نہیں کرتے ۔ اپنے بڑوں کا ادب نہیں کرتے ۔ وقت کی قدر نہیں کرتے ۔ ذمہ داری کو محسوس نہیں کرتے ۔ دوسروں کو نقصان پہنچانے اور بے عزت کرنے کی فکر میں ہوتے ہیں ۔ ہمیشہ عیب جوئی کرتے ہیں ۔ اکثر بہانہ کرتے ہیں ۔ دوسروں پر طعنہ کرتے ہیں ۔ بات کا بتنگڑ بناتے ہیں اپنی غلطیوں کو دوسروں پر ڈالتے ہیں ۔ دوسروں کا مذاق اڑانے میں دلچسپی لیتے ہیں ۔ اور انہیں میں کے اکثر ہوتے ہیں جو ذلیل اور مکروہ باتوں میں مبتلا ہوتے ہیں مثلاً چوری ، ڈاکہ ، اغوا ، امانت میں خیانت ۔ ملت فروشی وغیرہ وغیرہ

تو یہ سوال اٹھتا ہے کہ آخر کیوں ! اس وجہ سے کہ استاد اور والدین کے اخلاق ۔ تہذیب ، روش ، پوشش ، پوشاک چال چلن ، رکھ رکھاؤ ، طرز رہائش غرضیکہ ہر ایک چیز جو ان کی زندگی کے ساتھ ان کے کردار اور گفتار میں شامل اور وابستہ رہی ہے غیر معلوم طریقے پر خود اس بچہ کی زندگی پر اثر کرتی رہی ہے جس کا علم والدین اور اساتذہ کو اس وقت اور اس لمحہ ہوتا ہے جب وہ کلفت اور پریشانی اٹھاتے اٹھاتے آنسو بہانے لگتے ہیں ۔

یقیناً والدین ایک حد تک بچے کی سیرت بنانے کی ذمہ دار ہیں لیکن استاد ان سے کہیں زیادہ ذمہ دار ہے ۔ والدین کا اکثر حصہ جاہل ہے لیکن اساتذہ ذی علم ہیں ۔ والدین اگر تعلیم یافتہ ہیں تو عدیم الفرصت ہیں اور اگر وہ اس کی طرف توجہ کریں تو اصول تعلیم اور فن تعلیم سے ناواقف ہیں لیکن اساتذہ بچے کے کیرکٹر بنانے کے فن سے کماحقہٗ واقف ہوتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ بچے کی خصلتوں کو کیسے ابھارنے ترقی دینے اور برسرکار لانا چاہئے ۔ لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ استاد ہی حقیقی حالت میں بچے کا ذمہ دار ہے ۔

لیکن بدقسمتی سے ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ استادوں پر اس کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی ، ہم کو صرف اپنے [illegible] ورک سے کام ہے اور درج شدہ نصاب پر عمل درآمد کرنا نہ صرف یہ بلکہ ہم اس خبط میں بھی مبتلا ہیں کہ چونکہ طالب علم صرف چار یا پانچ گھنٹہ ہماری صحبت میں رہتا ہے اور اس کا باقی وقت ہم سے علیحدہ رہ کر گزرتا ہے لہذا جو کچھ بیج ہم بوتے ہیں یا بوئیں وہ باقی اوقات میں نیست و نابود ہو جائیگا یا ہو جاتا ہے

ہاں حد معقول ہے لیکن بالکل ملازمانہ۔ بالکل تاجرانہ اور زمانہ گذشتہ کی روایات کے بالکل برعکس اور برخلاف، دنیا سے معلمین نے آج تک یہ دعویٰ کیا کہ علم کے معنی چھپی ہوئی قوتوں کا بیدار کرنا ہے، اور تعلیم دینے کا مقصد روحانی، اخلاقی، دماغی اور جسمانی تربیت اور ان قوتوں کا بیدار کرنا اور برسرکار لانا ہے، تو اس قسم کے جواب دینے والے علم کو بدنام کر رہے ہیں اور ساری دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ کاش کہ ان کو معلوم ہوتا کہ کتنے والدین اپنے بچوں کو اسکول میں اس امید پر بھیجا کرتے ہیں کہ ان کا بچہ مدرسہ میں روحانی اور اخلاقی ترقی کریگا اور ان کے لئے باعث زحمت نہیں بلکہ باعث رحمت ہوگا۔ ہماری دلیلیں ہمیں گمراہ کر رہی ہیں اور اس گمراہی کا نتیجہ ہے کہ جس قدر نیکی پھیلانے کی کوششیں کی جا رہی ہے اسی قدر برائیاں پھیلتی رہی ہیں۔ یقیناً بیشمار پڑھے لکھے یونیورسٹیوں اور کالجوں سے برآمد ہوتے ہیں لیکن یہ گارنٹی چند کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ کہ وہ نیک بھی ہوں گے اور وہ جملہ خصائل میں سے چند ایک کے مالک بھی ہوں گے۔ بیشک انھوں نے دماغی حیثیت سے کافی ترقی کی ہوتی ہے لیکن ایسے دماغ روحانی طاقت سے خالی اور اخلاقی قوتوں سے مبرّا ہوتے ہیں۔

ہم ایک سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ طلبا کے کیرکٹر کے بنانے کے صرف ہم ذمہ دار ہیں اور ہماری کوششیں اس پر صرف ہونی چاہئیں۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ تعلیم کے جملہ مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے۔ کہ طلبا میں اعلیٰ درجہ کی سیرت پیدا کی جائے۔ کیونکہ سیرت اور کردار کے بغیر کوئی شخص اپنی قوم کے لئے مفید نہیں ہو سکتا اچھے شہری بننے کے لئے ضروری ہے کہ طلبا میں پختہ سیرت پیدا کی جائے۔ اخلاقی تعلیم اس سیرت اور کردار کے لئے نہایت ضروری ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ مذہبی تعلیم کا بیشتر حصہ اخلاقیات پر مشتمل ہوتا ہے لیکن کتابوں سے ہمدردی، سچائی، دوسروں کی مدد کرنا، والدین کے حقوق پہچاننا، حق اللہ کا پابند ہونا وغیرہ وغیرہ چیزوں پر مضامین سکھا دینا اور طلبا کو اسے پڑھا دینا اس کے معنی مطلب وغیرہ بتا دینا بیکار اور فضول ہے۔ جب تک کہ طلبا میں یہ قوتیں عود نہ کر آئیں اور نہ صرف عود کر آئیں بلکہ برسرکار آجائیں۔ وہ صحیح مضمون میں انسانوں سے ہمدردی کرے، وہ سچ بات کہنے میں کسی حال میں بھی نہ چوکے، خواہ وہ پھانسی پر موت کے قریب ہی کیوں نہ ہو جائے اس کا شیوہ دوسروں کی مدد کرنا، عزت و احترام کرنا اور سب سے بڑھکر ان قوتوں اور طاقتوں کا دوسروں میں پیدا کرنا ہو، خودداری، دیانت داری، تابعداری، تیمارداری، استواری اور پائداری یا اس قسم کے جتنے بھی فضائل ہیں یا ہو سکتے ہیں ان کا وجود بچہ کے عمل میں ہونا چاہیئے اگر ایک اردو یا دینیات کا معلم ان چیزوں کی تعلیم دینے کے بعد اپنے طلبا میں یہ خصائل نہیں دیکھتا تو یقیناً وہ ان کو تعلیم دینے میں ناکام رہا کیونکہ ان چیزوں کا پڑھا دینا ہی کافی نہیں۔

میرے خیال میں اخلاقی تعلیم کی جس قدر ذمہ داری سرکاری مدارس کے مدرسین کے سر ہے اس سے بہت زیادہ قومی مدارس اور اس کے مدرسین کے سر ہے۔ کیونکہ ان کے اپنے مقاصد کے مطابق ان مدارس کا قیام اسی غرض سے ہوا ہے کہ ان میں اخلاقی اور روحانی تعلیم پیدا کی جائے۔

تعلیم دیتے وقت ہم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ بچے کو ٹرین کرنا ہے نہ کہ اسباق کو۔ ممکن ہے کہ ہم اسباق اچھی طرح بچے کے ذہن میں پیوست کر دیں، لیکن اگر بچہ کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے اور اس کے عادات و اطوار میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی ہے تو تعلیم کا مطلب فوت ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جان ڈیوی کہتا ہے کہ تعلیم کا مقصد علم سے واقفیت پیدا کرانا نہیں بلکہ یہ کہ بچہ اپنے آپ کو پہچاننے لگ جائے" کسی بچہ کو تعلیم دیتے وقت ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ روحانی اور اخلاقی پہلو سے بھی ترقی کرے کیونکہ محض واقفیت اور مہارت کافی نہیں اگر ایسا کیا گیا تو بچے کی زندگی تمام خصائل سے مالامال ہوگی۔

مجھے یہ کہنے میں ہرگز باک نہیں کہ بچے کی تعلیم کے اکثر وہ لوگ ذمہ دار ہو جاتے ہیں یا بنا دیئے جاتے ہیں جن کو کہیں کام نہیں ملتا یا جن کے لئے اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ اس خطرناک غلطی نے اور بھی سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ اس خطرناک غلطی میں ایک بہت ہی دلچسپ ترمیم کر دی گئی ہے وہ یہ کہ ایسے ہی استادوں کو ابتدائی جماعتیں تعلیم کے لئے دیدی جاتی ہیں جو بچوں کو تعلیم دینے کی صلاحیت نہ رکھنے کی وجہ سے اس کی آئندہ زندگی اس کے لئے وبال جان بنا دیتے ہیں۔

والدین تو والدین اچھے خاصے تعلیمی اداروں کی ذمہ دار ہستیاں بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں اور نہیں سمجھتے کہ بچوں کی تعلیم کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنا دینا کہاں تک صحیح ہے۔

آج کل مدرسوں اور کالجوں میں ٹرینڈ ٹیچرز کا مسئلہ بہت ہی اہم ہو رہا ہے گویا ایسے استادوں کا کسی مدرسہ میں ہونا بڑی نعمت خیال کیا جاتا ہے اور یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ ایسا استاد طلبا میں اوصاف حمیدہ اور ہمہ صفات پاکیزہ پیدا کر دے گا اور کیوں نہ پیدا کریگا جبکہ وہ ٹرینڈ ہے لیکن افسوس ایسا نہیں ہوتا کیونکہ گو آج کل ٹریننگ کالجوں اور تعلیمی اداروں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے پھر بھی آج کل کے تعلیم زدہ ماغی خوبیوں سے مبرا اور اخلاق اوصاف سے خالی ہوتے ہیں ٹرینڈ سمجھ کر ساری ذمہ داری ان پر چھوڑ دی جاتی ہے لیکن وہ صرف روٹین ورک کے پابند ہوتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ اسباق ٹرین کرتے ہیں۔ لیکن ان کے تخیل اور ذہن میں کچھ نہیں ہوتا جس کا ٹرین کرنا مقصود ہے۔۔۔وہ بچے کو بہت کچھ بتلا دیتے ہیں اور کچھ ان کے طریقہ تعلیم عام اور خاص کے ذریعے بہت کچھ جان جاتا ہے۔ اور اس کی واقفیت بہت کچھ بڑھ جاتی ہے۔ لیکن وہ صرف جانتا ہی جانتا ہے اس کی واقفیت ہی واقفیت ہوتی ہے لیکن ویسے عمل میں وہ بالکل کورا ہوتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ صرف جاننے سے کام نہیں چلتا بلکہ تعلیم کے بعد بہترین کام اس پر عمل کرنا ہے۔ اگر ہماری زندگی عمل سے خالی ہے تو ہم سے اچھے تو معمار اور بڑھئی ہیں۔

آخر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ اخلاقی تعلیم کا تمام دارومدار بہترین اساتذہ پر ہے جن کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہوں اور جو جوش عمل سے بھرپور ہوں جو طلبا کی زندگی میں ایک تبدیلی اور ایک ہیجان پیدا کردیں اس کی چھپی ہوئی قوتوں کو ایسی تربیت دیں کہ وہ اُبھر کر رہیں اور اس کی زندگی عملی ہو جائے جو مدرس جوش عمل سے مبرا ہیں وہ اپنے طلبا میں یہ خوبی نہیں پیدا کر سکتا بچے فطرتاً نقال واقع ہوتے ہیں وہ اپنے استاد کی ہر حرکت کی نگرانی کرتے ہیں اور اس کی ہر خصلت کی نقل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسین کی سیرت کا نامعلوم طور پر اس کے طلبا پر اثر پڑتا ہے۔ اگر اساتذہ پابند اوقات۔ راست گو دلیر اور جری ہیں تو اس کے طلبا میں بھی یہ اوصاف حمیدہ پیدا ہوں گے۔ اور اگر آپ ایسا نہیں ہے تو طلبا میں ہر خرابی کے پیدا ہونے کا امکان ہے جو آئندہ چل کر مہلک صورت اختیار کر سکتی ہے۔

تفریح و معلومات

ڈاکٹر۔ اگر تم سگرٹ اور شراب ترک نہ کروگے۔ تو سال بھر کے اندر مر جاؤگے

مریض لیکن پچھلے سال بھی تو آپنے یہی کہا تھا۔

ڈاکٹر بہر حال کبھی نہ کبھی تو ضرور ہی مرو گے۔

ایک شخص۔ ڈاکٹر صاحب مجھے امید ہے۔ کہ آپکو لالہ صاحب کے لڑکے کی بیماری کے سلسلہ میں اچھی خاصی فیس مل رہی ہوگی۔ لالہ جی بڑے دولتمند آدمی ہیں

ڈاکٹر صاحب اس سے تمہیں کیا۔

شخص۔ غالباً آپ کو معلوم نہیں کہ میرے ہی لڑکے نے لالہ جی کے لڑکے کا سر پھوڑ دیا تھا مجھے بھی تو کچھ حصہ ملنا چاہیئے۔

نیویارک ٹائمز امریکہ کا سب سے زیادہ چھپنے والا روزانہ اخبار ہے۔ اس کے چالیس صفحے ہوتے ہیں۔ جن میں سے پچیس صفحے اشتہارات کے ہوتے ہیں۔ اتوار کے دن جو اخبار نکلتا ہے۔ اس کے سو صفحے ہوتے ہیں۔ اس اخبار کو مسٹر اوکس نے ۱۸۹۶ء میں پچھتر ہزار ڈالر میں خریدا تھا۔ اس اخبار کی سالانہ آمدنی ۱۰ کروڑ ڈالر سے بھی زیادہ اور روزانہ خرچ چالیس ہزار ڈالر ہے۔

ترکی کے دارالسلطنت شہر انگورہ کی اون کی صنعت تمام دنیا میں مشہور ہے اور کہتے ہیں کہ خرگوشوں کی اون سے انگورہ میں اونی چیزیں بنائی جاتی ہیں جو بہت ہی آسان ہوتی ہیں۔ برطانیہ کے سفیر متعینہ انگورہ نے انگورہ کی صنعت اون کا تمام حال تصاویر کے ذریعہ سے سمجھانے اور نمائش کی سیر کرنے والوں کو دکھلانے کے لئے خاص طور سے بھیجا ہے۔ ان میں خرگوشوں کی اون کترنے کے خاص طریقے دکھلائے گئے ہیں۔

گوریلا

ایک خوفناک جانور

تم نے سینکڑوں عجیب وغریب اور خوفناک جانوروں کو دیکھا ہوگا۔ بعض معمولی اور بے ضرر جانوروں کو تو تم روزانہ دیکھتے ہو اور بعض خوفناک جانوروں مثلاً شیر، ریچھ وغیرہ کو چڑیا گھر میں دیکھا ہوگا۔ لیکن ایک ایسا جانور ہے جس کو تم نے آج تک نہیں دیکھا ہے اور شاید اپنی زندگی بھر میں اسے نہ دیکھ سکو۔ اس جانور کو گوریلا کہتے ہیں۔ یہ جانور اس قدر طاقتور اور اس قدر خوفناک ہوتا ہے کہ اس کو زندہ پکڑنا بہت مشکل ہے

یہ جانور آدمیوں سے بہت ملتے جلتے ہیں ان کی دُم نہیں ہوتی۔ ان کے ہاتھ آدمی کے ہاتھ جیسے ہوتے ہیں۔ ان کے دانت بھی اتنی ہی تعداد میں ہوتے ہیں۔ جتنے ہمارے۔ اگرچہ وہ بہت بڑے ہوتے ہیں۔ ان کی ہڈیاں بالکل ہماری ہڈیوں جیسی۔ اور ان کا دماغ بالکل اسی طرح ہوتا ہے جس طرح ہمارا ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بہت چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ جانور نہایت بدصورت اور خوفناک ہوتا ہے بعض اوقات تو دور سے یہ بالکل کسی بہت بوڑھے آدمی کی طرح نظر آتا ہے۔ اگر اس جانور کے جسم پر بال نہ ہوں تو یہ بالکل ایک ننگا دھڑنگا حبشی معلوم ہو کیونکہ اس کا جسم بالکل سیاہ ہوتا ہے۔

دوسرے جانوروں کی نسبت ان میں عقل زیادہ ہوتی ہے۔ اخروٹ وغیرہ توڑنے کے لئے یہ پتھروں کا استعمال کرتے ہیں اور جب شکاری ان کے پیچھے پکڑنے کے لئے دوڑتے ہیں تو یہ درختوں کی شاخیں توڑ کر ان کی طرف پھینکتے ہیں۔

گوریلا مغربی افریقہ کے جنگلوں میں پایا جاتا ہے اور اس کا قد آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ ہاتھوں ہی سے یہ پاؤں کا کام بھی لیتا ہے۔ اس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں۔ گھٹنوں سے بھی نیچے پہنچ جاتے ہیں۔ لیکن اس کی ٹانگیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بازوؤں کے بل چھوٹے بچے کی طرح دوڑتا ہے۔

گوریلا بہت بھاری جانور ہے۔ جب یہ بلندی سے گرتا ہے تو اپنے آپ کو زخمی کر لیتا ہے۔ یہ اپنے رہنے کی جگہ زمین سے کوئی بیس فٹ اونچی بناتا ہے۔ یہ زیادہ بلندی پر رہنا پسند نہیں کرتا کیونکہ سرد ہوا سے گھبراتا ہے۔

اس کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بچوں کو اٹھا کر لے جاتا ہے۔ اور ان سے نوکروں کا کام لیتا ہے لیکن سب باتیں غلط ہیں۔ گوریلا اگرچہ دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور جانور ہے لیکن آدمی پر حملہ نہیں کرتا جب تک خود خطرہ کی حالت میں نہ ہو جب یہ خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ تو اس سے زیادہ خوفناک اور کوئی جانور نہیں ہو سکتا۔ یہ سب سے پہلے اپنی بیوی اور بچوں کو بچانے کی فکر کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے اپنا سینہ پیٹنا شروع کرتا ہے اور یہ آواز ڈھول کی آواز کے مانند ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ آدمی پر حملہ کرتا ہے۔ اور اگر اس وقت اسے گولی نہ ماری جائے تو آدمی کی جان لے کر رہتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک آدمی نے ایک گوریلا کو جو اس کے قریب آگیا تھا گولی ماری لیکن نشانہ خطا کر گیا گوریلے نے سب سے پہلے بندوق چھین لی اور اسے دانتوں میں لے کر اس کو توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آدمی کو پکڑ لیا اور جان سے مار ڈالا۔ زندہ اور جوان گوریلے کو پکڑنا ناممکن ہے۔ بچوں کو پکڑ سکتے ہیں اور انہیں پکڑ کر چڑیا گھر میں رکھا جا

سکتا ہے لیکن یہ بہت کم زندہ رہتے ہیں۔ نیویارک کے چڑیا گھر میں بہت زیادہ احتیاط کے بعد ایک گوریلا ایک سال تک زندہ رہا۔

دنیا کے بڑے بڑے ڈاکٹر

دنیا میں بنی نوع انسان کے لئے ڈاکٹر ایک نعمت ہیں۔ ان کے بغیر انسانوں کی یقیناً بُری حالت ہوتی۔ ہزاروں اور لاکھوں جانیں بیکار ضائع جاتیں۔ اس زمانے میں بھی ڈاکٹروں کے باوجود ہزاروں لوگ مختلف متعدی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ بیماریاں آہستہ آہستہ کم ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے بڑی محنت کوشش اور تحقیقات کے بعد ان بیماریوں پر قابو پانے کی تدابیر معلوم کرلی ہیں۔ ڈاکٹر نہ صرف ہمارا علاج کرتے ہیں جب ہم بیمار ہوتے ہیں بلکہ ہمیں تندرست رہنے کے طریقے بھی بتلاتے ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا زمانہ نہیں رہا ہے جس میں ڈاکٹر، جرّاح اور حکیم نہ رہتے ہوں۔ اگرچہ ہمارے پاس اُس کے ثبوت میں لکھی ہوئی کتابیں موجود نہیں ہیں۔ لیکن ایسی ہڈیاں ملی ہیں جن سے ان باتوں کا ثبوت مل جاتا ہے۔ ایسے آدمیوں کے جسم ملے ہیں جو ہزار سال پہلے اس دنیا میں موجود تھے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے جسم میں کئی گہرے زخم تھے جن کا ڈاکٹروں نے کامیابی سے علاج کیا تھا۔ ایسے سر پائے گئے ہیں جن میں پُرانی ہڈیوں کے بجائے ڈاکٹروں نے نئی ہڈیاں لگائی تھیں۔ اس قسم کی دوسرا چیزیں ملتی ہیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر ہمیں تعجب ہوتا ہے۔ کہ پُرانے زمانے میں بھی نئے اور جدید آلات کے باوجود بھی ڈاکٹر اچھی طرح سے علاج کرتے تھے۔

دنیا میں پہلا ڈاکٹر جس کا نام ہم لے سکتے ہیں ہپوکریٹ تھا جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے چار سو ساٹھ سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ یہ یونانی تھا اور اس کے باپ دادا بھی ڈاکٹر تھے۔ اس نے اس فن میں بہت شہرت حاصل کی۔ ہپوکریٹ سے پہلے ڈاکٹر بالکل نہیں جانتے تھے کہ انسان کے جسم [illegible] کی کیا ساخت ہے۔ ان کا دوران [illegible]

[illegible]

جب کوئی آدمی بیمار ہوتا تو ہپوکریٹ اس بیمار کو اچھی طرح دیکھتا۔ صبح و شام دیکھتا کہ مریض ترقی کر رہا ہے یا اس کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ اس کے چہرہ اور بیماری کی نوعیت سے پہچان جاتا کہ اس کو کس قسم کی بیماری ہو گئی۔ اس طرح وہ اچھی طرح علاج کرتا۔ اس کے پاس ہر مریض کی ایک ڈائری رہتی تھی جس میں ہر روز دکھایا جاتا تھا کہ بیماری کم ہو رہی ہے یا زیادہ۔

سینکڑوں طلبا دن رات ہپوکریٹ کے گرد جمع رہتے تھے۔ اور اس سے یہ علم سیکھتے تھے۔ ہپوکریٹ انہیں سب باتیں بتاتا۔ لیکن ان سے یہ عہد لیتا کہ وہ اپنے اُستاد کا باپ کے برابر ادب کریں گے بیماروں کا اچھی طرح سے علاج کریں گے اور کسی سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔

ہپوکریٹ کی ڈائریاں دنیا کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں۔ ان سے اچھی اچھی باتیں معلوم ہوئیں۔ ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ سینہ کی مختلف آوازوں سے بھی بیماریاں پہچانی جا سکتی ہیں۔

اس کے بعد دوسرا مشہور ڈاکٹر جالینوس ہے۔ جالینوس [illegible] میں ایشیائے کوچک میں پیدا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی تعلیم سمرنا اور [illegible] میں حاصل کی۔ اس نے ہپوکریٹ کی ڈائریوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا اس نے اپنی عقل اور دماغ سے اور بہت اچھی اچھی چیزوں کا [illegible] ایک ہزار برس تک تقریباً تمام دنیا میں جالینوس کا طریقہ ملتا [illegible] جالینوس پہلا آدمی تھا جس نے یہ معلوم کیا کہ انسان کی نبض [illegible] صحت کا پتہ چل سکتا ہے۔

اس کے بعد یہ علم یہودیوں اور عربوں نے حاصل کیا [illegible] میں اور بہت سی باتیں بڑھائیں۔ ہپوکریٹ اور جالینوس کی کتابوں کا [illegible] میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ زمانہ وہ تھا جب یورپ ان باتوں [illegible] چکا تھا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا تھا۔

[illegible] نویں صدی عیسوی میں پتہ چلتا ہے کہ ایک طبی [illegible] شہر سالیرنو میں تھا۔ اس مدرسہ کے اساتذہ تمام [illegible]

میں بہت مشہور کہا جاتا ہے کہ ولیم فاتح اپنا علاج کرانے کے لئے یہیں آیا تھا۔

جب اس علم کے سیکھنے کا شوق زیادہ ہوا تو تیرھویں صدی میں یورپ میں ایسے کئی مدرسے قائم کئے گئے۔ یورپ کے تمام ملکوں سے سینکڑوں کی تعداد میں طلبا ان مدرسوں میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے آتے تھے جیسا کہ آج کل ہمارے ہاں کے طلبا یورپ اور امریکہ جاتے ہیں۔ اُن مدرسوں میں عورتیں بھی داخل کی جاتی تھیں۔

اطالیہ کے ایک ڈاکٹر ولیم نے زخموں کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اُس کا ایک شاگرد پیرس کی یونیورسٹی میں تعلیم دیتا تھا۔ اس کے بعد ایک ڈاکٹر گرے نے ڈاکٹری پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو آج تک مشہور ہے۔

گرے کے بعد دو اور مشہور ڈاکٹروں کا نام ہے جن میں سے ایک پیراسِلسس سوئٹزرلینڈ کا اور دوسرا پیرے فرانس کا رہنے والا تھا۔ ان دونوں نے ڈاکٹری پر عمدہ کتابیں لکھیں ہیں۔ پارے سولہویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوا تھا۔ یہ فوج میں ڈاکٹر تھا۔ اس نے ان زخموں کا بہت اچھی طرح سے علاج کیا جو گولی لگنے کی وجہ سے پیدا ہوتے تھے۔ اس نے خون روکنے کا بھی ایک نیا طریقہ ایجاد کیا۔ اس نے لوگوں کے فائدے کے لئے اپنی ایجادات کو کتابی صورت میں یورپ کے سامنے پیش کر دیا۔

ان دونوں آدمیوں سے بڑا ایک دوسرا شخص تھا جس کا نام وسلیس تھا۔ یہ ۱۵۱۴ء میں برسلز میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے پیرس کے علاوہ اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اس نے بہت سی کتابیں لکھیں اور جالینوس کی باتوں پر بہت سے اعتراضات بھی کئے۔

با وجود تمام آدمیوں کی کوششوں کے جسم انسانی کا اندرونی حصہ ان کے لئے معمہ ہی رہا۔ تھوڑی سی باتیں بیشک ان کو معلوم تھیں لیکن ابھی دریافت باتوں کی ضرورت تھی۔

۱۵۷۸ء میں انگلستان میں ایک شخص پیدا ہوا جس کا نام ولیم ہاروے تھا۔ کیمبرج میں تعلیم ختم کرنے کے بعد اسے ڈاکٹری سیکھنے کا شوق ہوا۔ اس مقصد کے لئے وہ اطالیہ گیا اور اس علم کو بہت اچھی طرح سیکھا۔ اس دوران میں برابر وہ اس مسئلہ پر غور کرتا رہا کہ خون کا دوران کیسے ہوتا ہے۔ آخر ۱۶۱۶ء میں اس نے اس مسئلہ کو حل کر لیا اور طلبا کی ایک جماعت کے سامنے اس پر ایک تقریر کی۔ بہت سے ڈاکٹروں نے اس پر اعتراضات بھی کئے لیکن آخر کار ہاروے کی بات مان لی گئی۔

اس زمانے میں ڈاکٹروں کی دو قسمیں ہوگئیں۔ ایک تو وہ ڈاکٹر تھے جو بیماریوں کا علاج کرتے تھے اور ایک وہ ڈاکٹر تھے جو چیر پھاڑ کا کام کرتے تھے یعنی جراح تھے۔ ہمارے ہندوستان کی طرح چیر پھاڑ، یعنی آپریشن کا کام حجام کرتے تھے۔ ان کو حجام ڈاکٹر کہا جاتا تھا۔ ان میں سے اکثر جاہل ہوتے تھے۔ لیکن بعض اپنے کام میں بہت ماہر ہوتے تھے۔

کسی آئندہ پرچے میں ہم آپ کو بتائیں گے کہ یہ علم کس طرح ترقی کرتا رہا اور کون کون سے مشہور ڈاکٹر پیدا ہوئے اور انھوں نے کیا کیا جدید تحقیقات کیں۔

کوائف جامعہ

(مرکزی دار الاقامہ)

۷ فروری بروز شنبہ پنڈت موتی لال نہرو کے انتقال پر جامعہ میں تعطیل رہی پنڈت جواہر لال نہرو کو ہمدردی اور تعزیت کا ایک تار روانہ کیا گیا۔

---

۱۰ فروری کو انجمن اتحاد کے جدید سال کا پہلا جلسہ محمد علی ہال میں ہوا جس میں شیخ الجامعہ صاحب نے ایک گھنٹہ تک اراکین سے خطاب فرمایا۔ آپ کی تقریر سے اراکین بیحد مستفید ہوئے۔

---

۱۳ فروری کو انجمن اتحاد کا جلسہ مباحثہ محمد علی ہال میں ہوا۔ عبد الواحد صاحب سندھی نے تجویز پیش کی کہ "متحدہ ہندی قومیت کا تخیل محض خواب پریشان ہے۔" اس کی مخالفت سید نصیر احمد صاحب نے کی۔ اراکین نے اس مضمون میں بیحد دلچسپی کا اظہار کیا۔ موافقت اور مخالفت میں تقریباً برابر تقریریں ہوئیں۔ آخر جب رائیں لی گئیں تو وہ بھی برابر تھیں۔ آخر جناب صدر کے کاسٹنگ ووٹ سے تجویز مسترد ہوئی۔

رمضان کی وجہ سے والی بال خوب ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس سال اچھے اچھے کھلاڑی موجود نہیں ہیں لیکن نئے نئے کھلاڑی بھی ترقی خوب کر رہے ہیں۔ اس میں سب سے زیادہ دلچسپی ہمارے ہی دار الاقامہ والوں کو ہے۔ کبھی کبھی بشیر منزل کا بھی ایک آدھ کھلاڑی آجاتا ہے۔ چند ہی دنوں میں طلبا اور استادوں کا ایک مقابلہ بھی ہونے والا ہے جس کے لئے خوب تیاریاں ہو رہی ہیں۔

ہمارے ہاں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جدید نائب صدر اپنا کام شروع کرتے وقت اراکین کو دعوت دیتا ہے چنانچہ اس سال بھی محمد حسین صاحب نے اراکین کو مدعو کیا۔ اس دعوت میں جناب احمد حسن صاحب بھی شامل تھے جو ہمارے جامعہ کے قدیم طالب علم ہیں اور انجمن اتحاد میں بہت دلچسپی لیا کرتے تھے۔ آپ چند ہی دنوں میں ڈیوس کپ میں شرکت کے لئے یورپ تشریف لے جا رہے ہیں۔

رامپور جاتے وقت بیگم صاحبہ مولانا محمد علی نے چند گھنٹے دہلی کے اسٹیشن پر قیام فرمایا۔ اگرچہ گاڑی دو گھنٹے لیٹ تھی، اور بارش بھی ہو رہی تھی لیکن جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبا تعزیت کے لئے اسٹیشن پر گئے۔

(تربیت گاہ بشیر منزل)

۳۰ جنوری کو بزم ادب کے ماتحت بیت بازی کا جلسہ ہوا۔ بیت بازی میں صرف مولانا حالی کے اشعار دئے جاتے تھے۔ یہ جلسہ ایک شاعر کے مخصوص ہونے کی بنا پر انوکھا تھا بہت کامیاب رہا۔

بزم ادب کے پروگرام کے مطابق ۶ فروری کو بشیر منزل کے طلبا سیر و تفریح کے لئے قطب گئے۔ قطب جانے کی ہفتوں پہلے تیاریاں ہو رہی تھیں اس لئے ہر شخص نے قطب کی تاریخی عمارتوں کے متعلق اپنے ذہن میں بہت کچھ محفوظ کر لیا تھا۔ وہاں طلبا نے آثار قدیمہ کی سیر کی اور ان کے متعلق تاریخی معلومات بہم پہونچائی۔ دن بھر وہیں رہے شام کو روزہ کھولنے کے بعد واپس ہوئے۔

طلبا کے ساتھ چند اساتذہ اور جناب شیخ الجامعہ صاحب بھی تشریف لے گئے تھے۔ محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) نے عمارتوں کے متعلق اپنی تاریخی تحقیقات سے طلبا کو مستفید فرمایا۔

صحبت کا اثر

(جناب اصغر حسین صاحب)

(۱)

اسلم نازونعم میں پلا تھا۔ اس نازونعم میں جو بچوں کو ضدی اور ہٹی بنا دیتا ہے۔ اور بعد میں والدین کیلئے وبال جان بن جاتا ہے۔ باپ ڈپٹی کلکٹر تھے۔ جتنے بھی لاڈ چاؤ ہوتے کم تھے۔ اس پر طرہ یہ کہ اکلوتا لڑکا۔ ماں باپ دونوں کی آنکھوں کا تارا۔ ماں تو خیر ماں ہی تھیں۔ باپ ان سے زیادہ بیٹے پرست۔ حکم تھا کہ اسلم کی کوئی ضد ٹالی نہ جائے۔ اگر اسلم رات کے بارہ بجے مچلتا کہ میری چینی کی بلی ٹوٹ گئی مجھے ابھی ۔۔۔۔ یا میں حلوائی کے یہاں کی چیز کھاؤں گا تو فوراً ملازم دوڑایا جاتا کہ لے کر آؤ۔ دوکان بند ہو تو کھلوا کر لاؤ۔ پھر بھی اگر ملازم کی بدقسمتی سے وہ چیز نہ ملتی تو اسلم کے سمجھانے کو ڈپٹی صاحب یہ مذاق کرتے کہ بیچارے ملازم کو مارتے مارتے ہنٹروں کے ادھ مؤا کر دیتے۔ اسلم پٹتا دیکھتا اور ہنستا۔ دوسرے دن وہ ہی مشق ستم ماماؤں اور لونڈیوں کے لڑکوں پر ہوتی ان کے ماں باپ دیکھتے اور غریب دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جاتے۔ ایک دن کہیں نرگس نے اتنا کہہ دیا کہ میاں گو غریب کے بچے ہیں مگر ان میں بھی جان ہے تو ڈپٹی بیگم کو اتنا جلال آیا کہ نرگس کے اس کے لڑکوں کو اسلم سے خوب پٹوایا وہ بیچاری خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ غرض ماں باپ کے اس اندھے لاڈ نے اسلم کو اتنا بدتمیز بنا دیا کہ اب وہ آئے گئے کسی سے سوائے گالی کے بات نہ کرتا۔ آٹھ برس کی عمر تک تو ماں باپ دونوں کو کبھو بھی یہ خیال نہ آیا کہ آخر اس لاڈ کا نتیجہ کیا ہوگا اور اسلم کی آئندہ زندگی کا مقصد کیا ہوگا۔ نویں سال کے ختم پر کچھ احباب کے کہنے سننے سے اور کچھ اسلم کی ان دست درازیوں کے ڈر سے جواب نوکروں کے بچوں سے گذر کر نوکروں تک اور ان سے بڑھکر قبلہ کی داڑھی اور معظمہ کی زلفوں تک پہنچ گئی تھی۔ ڈپٹی صاحب نے ایک مولوی اسلم کے لئے رکھا مگر اس شرط پر کہ اسلم کو آنکھ نہ دکھائیں اسلم کیا جانتا تھا کہ ادب کیا ہے اور استاد کس کو کہتے ہیں مولوی صاحب کو سمجھا کہ ابا نے کوئی کھلونا لاکر دیا ہے جس کے داڑھی بھی ہے اور زلفیں بھی تاکہ آئندہ سے میں ابا اماں کو نہ ستایا کروں۔ مولوی صاحب کی بے دست و پائی نے اسکے یقین کو اور پختہ کر دیا۔ بس پھر کیا تھا اسلم تھے اور مولوی صاحب۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی ہفتہ کے بعد بیچارے مولوی صاحب ــــــــ بوریا بدھنا باندھ ایسے غائب ہوئے کہ پھر پتہ نہ چلا۔ مگر جاتے وقت یہ ضرور کہتے گئے کہ میاں تم معصوم ہو تمہیں کیا بددعا دوں۔ مگر ہاں اتنا ضرور کہونگا کہ راہ راست پر آنے سے پہلے اماں ابا کو دو دو آنسو رلالوگے اس کے بعد کئی مولوی اور کئی ماسٹر آئے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی ہفتہ عشرہ سے زیادہ نہ ٹکا۔ چند دن میں یہ نوبت ہوگئی کہ ڈپٹی صاحب دگنی تنخواہ پر بھی اگر کسی کو بلاتے تو وہ کانوں پر انگلیاں رکھتا۔ اب اسلم کو پھر گھر کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔ پہلے تو چینی کے برتن اور گلاسوں کی نوبت آئی جب اس سے فرصت ملی تو مٹی کے گھڑوں، گھڑونچیوں کی باری آئی۔ ضد کی یہ حالت کہ اگر کسی نے ذرا منع کیا۔ تو وہ مچلتا ــــ وہ ایڑیاں رگڑتا تھا کہ خدا کی پناہ۔ نیا ریشمی کرتا اگر بیابر پکڑا جھٹ سے نوچ کر پھینکدیا۔ دسترخوان بچھا ہے۔ کھانے کھاتے ذرا خلاف مزاج کوئی بات ہوئی۔ وہیں فرش پر لوٹنے لگا۔ دسترخوان الٹا اگالدان گرا۔ ڈپٹی صاحب کا حقہ زمین بوس ہوا۔ دونوں ماں باپ ویسے ہی ادھو ۔۔۔ کے اٹھو گئے۔ ایک دن تو سارے گھر ہی کو پھونکدیا تھا۔ وہ تو کہو خیراتی نے دیکھ لیا۔ گھوڑے کی گھاس ڈھیر کے نیچے رکھی تھی۔ اندر سے چنگا۔۔ ری لااس میں رکھدی غرض یہ اور اس سے کہیں زیادہ تکلیف دہ شرارتیں ایسی نہ تھیں کہ جاندار ان سے زچ نہ ہو جاتا۔ ڈپٹی صاحب اور ڈپٹی بیگم دونوں اب اس حد تک نادم اور عاجز ہوگئے تھے کہ پہلے اسلم کو سمجھاتے اور جب نہ مانتا تو گھڑکتے اور ایک آدھ چانٹا رسید کر دیتے۔ مگر اسلم کی ضد اور شرارت اس حد سے گذر چکی تھی۔ سب سے زیادہ پر لطف سزا جو ماں باپ کو ملی اور جس سے دونوں کی زندگی کچھ دن کے لئے بالکل تلخ ہوگئی وہ یہ تھی کہ اسلم تو رہا ایک طرف آجتک دونوں میاں بیوی میں اونچی آواز سے بات تک نہ ہوئی تھی اب وہ ٹھنی کہ الاماں۔ وجہ یہ تھی کہ جب ڈپٹی صاحب کا کوئی دوست آتا۔ اور اسلم کو پوچھتا۔ اسکی تعلیم کو پوچھتا تو ڈپٹی صاحب پر سیکڑوں گھڑے پانی پڑ جاتا۔ اس سے توں یوں چھپاتے جیسے کوئی اپنی حماقت اور اپنا گناہ چھپاتا ہے۔ اور گھر میں آکر برس پڑتے ــــ یہ سب تمہارا ہی کیا ہے۔ لونڈے کو چوپٹ کر دیا۔

میرے خاندان کو بدنام کرے گا، نہ پڑھنے کا رہا نہ لکھنے کا۔ گٹے کی مزدوری بھی اس مردود کو نصیب نہ ہوگی۔ ڈپٹی بیگم بھی ٹھہریں تیز مزاج وہ کلمہ بہ کلمہ جواب دیتیں اور بڑھتے بڑھتے یہ صورت ہوتی کہ سارا گھر اور سارا مکان اور پھر سارا محلہ اٹھ جاتا۔

ہفتوں کیا مہینوں ڈپٹی صاحب بیوی سے بات نہ کرتے بلکہ اندر نہ آتے بیوی بھی اندر منہ پھلائے بیٹھی رہتیں غرض گھر کا نقشہ جہنم سے بدتر ہو گیا تھا اور مولوی صاحب کی وہ دعا کہ بیٹا ماں باپ کو خون کے آنسو رلائے اس طرح پوری ہورہی تھی۔ دو سال میں ڈپٹی صاحب اور ڈپٹی بیگم کی یہ حالت ہوگئی جیسے کوئی برسوں کا مریض۔ گویا اسلم کی شرارت دق کا مرض بنگئی۔ دل میں دونوں نادم تھے گو بخار نکالنے کے سوائے اس کے کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی۔ یہ نہیں کہ دو سال سے اسلم پر اس کے اثرات نہ پڑے ہوں۔ ڈپٹی صاحب بیوی سے لڑکر باہر جاتے تو وہ اٹھکر سارا بخار اسلم پر نکالتیں۔ دو سال میں ٹھوک ٹھوک کر اسکی ہڈیاں نرم کردی تھیں مگر بجائے فائدے کے اسلم الٹا اور بے غیرت ہوتا چلا جارہا تھا۔ وہ خود پریشان تھا کہ آخر اس مار کی وجہ کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شرارت تو کوئی بڑی چیز نہیں ہے اور یہاں اتنی عقل کس کو تھی کہ وہ تربیت کے اصول پر اس کی اصلاح کرتا۔ غرض اندر باہر ہر طرف اداسی سی چھائی ہوئی تھی مگر ڈپٹی صاحب کو اور انکی بیوی صاحبہ کو اپنی غلطی کی سزا بہت کچھ مل چکی تھی۔ اب وقت آگیا تھا کہ قدرت کوئی ایسا سامان کرے کہ ان دونوں کی مصیبت کٹے ـــــ اور ایک بے گناہ بربادی سے بچے۔

(۲)

عید کا دن تھا ڈپٹی صاحب کے پاس جہاں اور لوگ عید ملنے آئے میر شرافت حسین بھی مع اپنے لڑکے کے آگئے یہ بچارے یوں تو ڈپٹی صاحب کے ساتھ کے کھیلے تھے مگر زمانہ کی گردشوں نے انھیں بالکل گوشہ نشین کردیا تھا اور ملنے جلنے سے کوسوں دور بھاگتے تھے انکی تمام توجہ اب اپنے مایہ ناز لڑکے شفیق کی تربیت و تعلیم میں صرف ہوتی تھی اسی کو وہ سرمایہ حیات سمجھتے تھے اور اس کی اچھائی اور برائی کو اپنی زندگی کی کامیابی اور ناکامی تصور کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ شفیق اس ننھی سی عمر میں نہ صرف چھٹے درجہ میں پڑھتا تھا بلکہ ان تمام اخلاقی خوبیوں سے بھی مزین تھا جو عموماً غریب کے بچوں کا طرہ امتیاز ہوتی ہیں۔ اس کی محبت ہمدردی خوش اخلاقی متانت اور شگفتہ مزاجی ایسی نہ تھی کہ دیکھنے والا پیار سے نہ دیکھے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ شفیق دس سال کی عمر میں ساٹھ سال کا بڈھا تھا۔ شرافت حسین نے کبھی اس کی کوشش نہ کی کہ لڑکے کا وہ جوہر فنا کردیں جسے زندگی کہتے ہیں اور جس کے مفقود ہوتے ہی بچہ ہمیشہ کے لئے مردہ دل اور ناکارہ بن جاتا ہے وہ خوب جانتے تھے کہ بچوں کے اس قدرتی جوہر کی حالت اس چشمہ کی طرح ہوتی ہے جس نے ابھی ابھی سوتے کھولے ہوں۔ اگر ان سے باضابطہ کام لیا جائے تو چند دن میں وہ جنگل کو گلزار بنا دیں گے۔ ہزاروں کی کھیتیاں سیراب کریں گے اور اگر نہیں تو کانٹوں جھاڑیوں سے جنگل کو اور پاٹ دیں گے۔ یہی وہ اصول تھے جن پر شفیق کی تربیت ہوئی تھی۔ غرض ڈپٹی صاحب میر کرامت حسین سے زیادہ اس بچے کو دیکھکر خوش ہوئے۔ بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور رخصت ہوتے وقت کہا میاں جس دن تمہیں چھٹی ہوا کرے ہمارے یہاں آجایا کرو۔ شرافت حسین کو اگر کہیں اسلم کی حالت معلوم ہوتی تو وہ شاید ڈپٹی صاحب ہی سے ملنا چھوڑ دیتے۔ مگر بات بننے والی تھی انھوں نے بھی کہدیا کہ اچھا بھیجدیا کروں گا۔ اس کے بعد شفیق برابر ڈپٹی صاحب کے یہاں آتا رہا

(۳)

آج شفیق اور اسلم کی دوستی کو پورے آٹھ سال ہوچکے ہیں دونوں کالج میں تعلیم پارہے ہیں۔ دنیا حیران ہے کہ یہ کیا معمہ ہے یہ وہی تو اسلم ہیں جنکی ضدوں اور ہٹوں نے ماں باپ کو دق کردیا تھا تکلیف اور شرارتوں نے نوکروں کو بیزار کردیا تھا۔ آج نہ وہ ضد ہے نہ وہ ہٹ نہ وہ غروری نہ فرعونیت انکی جگہ محبت، ہمدردی، منکسر المزاجی نے لے لی ہے۔

بات یہ ہے کہ جس طرح نیکی بدی پر، اچھائی برائی پر غالب آجاتی ہے اسی طرح شفیق اسلم پر چھا گیا اور وہ چیز جسے ماں باپ کی مار پیٹ و بیزاری بھی اسلم سے نہ چھڑا سکی شفیق کی صحبت نے چند سال میں نہ صرف چھڑا دی بلکہ وہ تمام خوبیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھر دیں جو شاید ہی معلم بھر سکے۔ اب بھی جب شفیق کبھی مذاق کہتا ہے اسلم تمہاری زندگی قابل رشک ہے تو اسلم اس تبسم سے جس میں نہ جانے کتنی شکر گذاری بھری ہوتی ہے جواب دیتا ہے، میرے شفیق یہ سب تمہاری بدولت۔

اسٹیشن بھیجا جائے۔ پہلی مرتبہ دن کی گاڑیوں پر پانی کا انتظام اسلم اور رات کے وقت حلیم کریں دوسری مرتبہ دن کو حلیم اور رات کو اسلم پانی پلائیں باقی تین دن سعید و نصیر اس طرح کا الٹ پھیر سے کام کریں۔ اس کام میں ان کا صرف ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہوتا تھا ایک گھنٹہ آنے جانے میں لگتا۔ اور کوئی بیس تیس منٹ پانی پینے پلانے میں اب تو یہ حالت ہوگئی۔ کہ جہاں راستہ میں کسی بچے کو پیاس لگی اور ماں باپ نے کہا ٹھہرو مظفر گڑھ کے اسٹیشن پر ٹھنڈا پانی ملے گا وہاں پی لینا۔ اسٹیشن پڑتا تو پیاسے خوب جی بھر کے پانی پی لیتے۔ اور لوٹوں میں بھر لیتے پیاسی پی پی کر دل ٹھنڈا ہوتا تو ان سب کو دعائیں دیتے۔

عزیز۔ امی یہ تو بڑا اچھا کام ہے ہم بھی کریں گے۔

امی۔ ضرور کرو پیاسوں کی مدد بہت ہی اچھا کام ہے۔

عزیز۔ امی شہریت گنج کے کنڑ پر اترا ہے وہاں سے دیہات کو ایک کے گاڑیاں جاتی ہیں وہیں سبیل کھولیں گے۔

امی یہ سب بچے بہت نیک تھے اور بہت شوق سے دوڑ دوڑ کر مسافروں کو پانی پلاتے تھے۔ ایک دن گاڑی نے سیٹی دیدی مسافر پانی پانی چلا رہا تھا۔ لیکن گاڑی کے چھوٹ جانے کے ڈر سے نیچے آکر پانی نہیں لیتا تھا۔ نصیر پانی لے کر دوڑا۔ پلا کر اتر رہا تھا کہ گر پڑا۔ بڑی چوٹ لگی۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب نے اس کو گاڑی میں بٹھا کر گھر پہنچا دیا۔ حسین اور سعید اس کو ہسپتال لے گئے انہوں نے وہاں دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب وغیرہ بہت پریشان ہیں۔ ایک لاوارث مر گیا تھا جس کے کفن دفن کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ایک بیمار کی حالت بہت خطرناک تھی۔ لیکن اس کا گھر دور تھا خبر کون کرتا۔ گھر کے لوگ اپنے اپنے کام کاج میں لگے ہوئے تھے آتے کیسے۔ نصیر کے دوا لگوا چکے بعد حسین اور سعید چلے آئے لیکن تمام راستے یہ سوچتے آئے کہ یہ تو بہت برا ہے کہ ایک غریب تو مر گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی۔ اور دوسرا اس حالت میں ہے تو ضرور اس کا انتظام ہونا چاہئے۔

عزیز۔ امی بھلا اس کا کیا انتظام ہو سکتا ہے۔

امی۔ تم قصہ سنو تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے کیا کیا۔

عزیز۔ امی انہوں نے کیا کیا۔

امی۔ حسین نے سب کو بلا کر جمع کیا اور سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ جمعہ اور پیر کو حسین اور مسعود شفا خانہ جایا کریں۔ اور سب چندہ کر کے ان کو چھ کارڈ دے دیا کریں جن کو وہ اپنے ساتھ لیجائیں جمعہ کے دن صبح کو جائیں اور پیر کے دن شام کو جا کر مریضوں کے پاس بیٹھا کریں۔ اگر وہ کسی رشتہ دار کو خط لکھوائیں تو لکھ کر ڈاک میں ڈال دیں۔ بیماروں کے پاس بیٹھ کر ان کی تسلی و تشفی کریں۔ ان کی حالت ان کے بھائی بندوں کو بتائیں اور اگر وہ ان کے لئے کوئی چیز دیں تو وہ لے جائیں اور نہیں تو کچھ پھول لیجایا کریں جو ہر بیمار کو دیں جس سے وہ خوش ہوں۔

یہ دونوں شفا خانہ جاتے مریضوں کے پاس بیٹھتے اور کسی کو پھول دیتے۔ کسی کی تسلی کرتے کسی کے گھر سے جو کچھ ملتا وہ لاکر دیتے رفتہ رفتہ یہ ہوگیا۔ کہ جمعہ اور پیر کو مریضوں کی آنکھیں دروازے پر لگی رہتیں۔ جہاں حسین اور سعید کو دیکھا اور باغ باغ ہوئے۔ شفا خانے والے بھی ان سے کہتے رہتے کہ اب حسین اور سعید آئے اور تمھارے لئے کچھ لائے۔

عزیز۔ امی یہ تو بہت ہی اچھا کام ہے۔ پرسوں نرسوں جب مجھے بخار آیا تو بہت تکلیف تھی درد کے مارے سر پھٹا جا رہا تھا۔ ادھر ادھر کروٹیں بدلتا تھا لیکن کسی کروٹ چین نہیں پڑتا تھا۔ آپ نے جو قصہ سنایا تو بہت طبیعت بہل گئی۔ تھوڑی دیر سو لیا۔ یہ تو بڑا نیک کام ہے۔ بیماروں کا دل بہلتا ہوگا۔ دعا رس بندھتی ہوگی۔ امی یہ تو بڑا اچھا کام ہے۔ یہ تو سب سے اچھا ہے۔ میں اسے بھی ضرور کروں گا۔ اور چھٹی کے دن شفا خانے جایا کروں گا۔

امی۔ تم ضرور جایا کرو اور جو کچھ تم سے ہو سکے ان کا دل بہلانے کے لئے کیا کرو تم دعائیں دیں گے تو سے خوش ہوں گے۔

عزیز۔ امی میں پارک سے پھول توڑ کے لیجایا کروں گا۔ اور ایک ایک گلاب کا پھول ہر مریض کو دیا کروں گا۔

امی۔ ان کی تمام باتوں کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کے دل میں بھی خیال پیدا ہوا اور وہ ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ یہ سب کے سب اخبار پڑھنے کے عادی تھے۔ کرتے یہ تھے۔ کہ سب مل کر چندہ جمع کر لیا کرتے جس سے "مسلم" "الجمہور" "اور قوم" اخبار منگایا کرتے ہر شخص فرصت کے وقت اخبار دیکھتا۔

سب لوگ ان کی باتیں بہت غور سے سنتے تھے۔

(باقی)

ہمکو کیا کرنا چاہئے

احمد کا قصہ سنکر عزیز کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ کہ ہم کو ہر طرح ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیے۔ لیکن اس کے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ "ہم غریب ہیں ہم کیا کر سکتے ہیں" امی نے اس سے قصہ کا وعدہ کیا تھا مگر گھر کے کام سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ وہ تھا کہ قصہ سننے کے لئے بے چین تھا ایک ایک دن گنتا۔ خدا خدا کر کے چھٹی ہوئی۔ اور شام ہوتے ہی عزیز امی کے سر ہوا کہ مجھے قصہ سناؤ کہ غریب آدمی کو کیا کرنا چاہیئے اور کیسے کرنا چاہئے۔ کھانے سے فارغ ہو کر امی نے قصہ سنانا شروع کیا۔

رحیم نگر سے بہت دور ظفر گڑھ جہاں ہر مذہب کے لوگ رہتے ہیں۔ ظفر گڑھ ریگستانی علاقہ ہے۔ گرمی بہت سخت پڑتی ہے۔ بارش بہت کم ہوتی ہے۔ گرمی کی وجہ سے لوگ نو دس بجے سے راستہ چلنا چھوڑ دیتے ہیں اور جب تک جھٹ پٹا وقت نہ ہو جائے گھروں سے نہیں نکلتے۔ لیکن کبھی نہ کبھی ضروری کام ہر شخص کو ہو جاتا ہے۔ تو پھر جانا ہی پڑتا ہے بڑی تکلیف ہوتی ہے شہر سے نکلتے ہی پانی کا پتہ نہیں لگتا۔ راستہ چلنے والے پریشان ہوتے ہیں

عزیز امی ظفر گڑھ کی تو وہی حالت ہے جو ہم نے جغرافیہ کی کتاب میں عرب کی پڑھی ہے۔

امی۔ بس ایسا ہی سمجھو جیسا عربستان۔ گرمی بہت زیادہ بارش بہت کم۔ رحیم کی نگر کی شہرت بہت دور دور پھیل گئی تھی۔ ظفر گڑھ کے لڑکے بھی وہاں پڑھنے جاتے اور سنا کرتے تھے کہ ہم کو ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔ وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ وہاں ہر شخص اپنے وقت کا کچھ حصّہ دوسروں کی مدد کے لئے صرف کرتا ہے اور اس طرح نہ تو اس کا کام ہی بند ہوتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ بلکہ ہر ایک خوش رہتا ہے آپس میں میل جول بڑھتا ہے

عزیز امی یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔

امی۔ اس سے بڑھکر کوئی بات ہی نہیں۔ جو دوسروں کی مدد کرتے ہیں ان کا کوئی دشمن ہی نہیں سب دوست ہیں۔

عزیز۔ امی تو پھر کیا ہوا۔

امی۔ محمود[1]۔ نصیر[2]۔ حلیم[3]۔ عظیم[4]۔ سعید[5]۔ مظفر[6]۔ منظور[7]۔ اسلم[8]۔ جمیل[9]۔ حسین[10] یہ دس لڑکے ایک ہی سال رحیم نگر سے پڑھکر آئے۔ شہر کی حالت یہ دیکھی تو بہت گھبرائے تھے سب کے سب غریب کرتے کیا۔ ایک دن حلیم کے گھر جمع ہوئے۔ اور طے کئے کہ شہر میں چار ایسے مقامات دیکھے جائیں۔ جہاں لوگ بہت زیادہ آتے جاتے ہوں۔ وہاں ایک ایک پھوس کا چھپر ڈال کر دو دو تین تین مٹکے پانی سے بھرے رکھے ہیں اور ان میں سے کوئی نہ کوئی وہاں موجود ہو جو پلاتا رہے۔

ہر ایک نے ایک ایک مٹکا اپنے گھر سے دیا۔ منظور کسان کا بیٹا تھا اس نے بہت سا پھوس اپنے گھر سے لادیا۔ جمعہ کے دن سب نے مل کر صبح سے لے کر شام تک کام کیا اور چار چھپر تیار کر لئے۔ شہر کے مقامات پر جہاں آمد و رفت زیادہ تھی سڑیاں ڈال کر سبیلیں کھولیں۔ ان پر دو دو آدمی مقرر ہو گئے۔ دونوں صبح کے وقت اپنی اپنی سبیلوں میں پانی بھر آتے اور دوپہر کا وقت جو فرصت کا ہوتا وہاں باری باری سے بیٹھ کر پیاسوں کو پانی پلاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ تھکا ماندہ راہ گیر اُدھر آنکلتا تو اسی جھونپڑی میں آرام بھی لے لیتا۔ شہر کے تمام لوگ ان سے خوش ہوتے۔ ان کو دعائیں دیتے۔ جگہ جگہ ان کی تعریفیں ہونے لگیں۔

عزیز۔ امی یہ تو بڑا اچھا کام ہے یہ تو ہم بھی کر سکتے ہیں۔

امی۔ تم یہ اور اس کے علاوہ بہت سے کام کر سکتے ہو۔ غریب آدمی کیا کچھ نہیں کر سکتے۔

عزیز۔ امی۔ تو پھر کیا ہوا۔

امی ظفر گڑھ سے دو میل کے فاصلے پر اسٹیشن ہے۔ دو اسٹیشن پہلے اور دو تین اسٹیشن بعد تک پانی نہیں ملتا تھا۔ مسافروں کو بڑی تکلیف تھی۔ انہوں نے یہ ارادہ کیا۔ کہ اسلم اور حلیم کو ہفتہ میں تین دن

(طابع وناشر۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ ایڈیٹر سعید انصاری)

رجسٹرڈ ایل
۱۹۰۱
پیام تعلیم

قیمت سالانہ
دوروپے
عہ

رسالہ

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ چھ پائی
ا ۔ ر

جلد ۱ ۔ ۷ مارچ سنہ ۱۹۳۱ عیسوی ۔ نمبر ۹

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین دخریدار پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنادے۔ تو ہم اس قابل ہوجائیں گے، کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں، اور ساتھ ساتھ رعایت کی جاتی ہے، کہ ایک خریدار بنانیوالے ہم قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانیوالے کے نام ایک سال کے لئے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائے گا۔

منیجر

معلمین و مدرسین

دنیا میں جہاں اور پیشے نظر آتے ہیں، وہاں معلمین بھی ایک پیشہ قرار دیدیا گیا ہے۔ لیکن جہاں دیگر پیشوں کے اختیار کرنے میں آج کل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ وہاں یہ پیشہ بہت آسانی سے میسر آجاتا ہے اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جس کسی نے کوئی سند حاصل کی وہ فوراً دو ایک ٹیوشن لے لیتا ہے بلکہ اکثر دوران تعلیم ہی میں معلمی کے فرائض انجام دینا شروع کردیتے ہیں، پھر کسی سند کے حاصل ہوجانے کے بعد جس آسانی سے معلمی کا پیشہ بن جاتا ہے۔ اس آسانی سے دوسرے پیشے نہیں ملتے، اور بات تو سچی یہ ہے، کہ جیسے معلمی ایک پیشہ تھا۔ اس وقت سے معلمی کی عزت و توقیر بھی فنا ہوگئی، ورنہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اگر والدین جسمانی تربیت کے مالک ہوتے تھے تو روحانی اخلاقی تربیت کے والدین اساتذہ تصور کئے جاتے تھے۔ بلکہ مدرسہ میں استاد کی حیثیت والدین سے زیادہ اہم خیال کی جاتی تھی، اور استاد والدین سے زیادہ اہمیت رکھتے ہوئے تربیت دیتا تھا کہ بطور لازم او دوسرے معنوں میں بچے کا

دوسرا والد ہوتا تھا۔ اگرچہ بچہ والدین سے ناراض ہوتا تھا تو استاد کے پاس پناہ لیتا تھا اور اگر استاد سے پٹتا تھا تو والدین کے پاس فریاد لاتا تھا لیکن دونوں ایک ہی پالیسی پر عمل کرتے تھے تاکہ نہ بچہ والدین سے نفرت کرنے لگے اور نہ استاد سے۔ دونوں کے نزدیک ایک ہی مقصد تھا یعنی یہ کہ بچے کی تربیت اچھی ہو۔

لیکن اب اگر بچہ سکول میں استاد سے پٹتا ہے تو والدین کی گود میں ضرور پناہ لیتا ہے لیکن اگر والدین اس کو سزا دیتے ہیں تو وہ استاد کے پاس پناہ نہیں لیتا بلکہ کلکتے یا بمبئی میں کسی سنیما یا تھیٹر کمپنی کا ایکٹر ہو کر رہ جاتا ہے یا پھر ملازمت کے ازدحام میں سیلن کی کوٹھری میں نظر آتا ہے اور بعد میں یہ والدین بھی اب دنیا سے نرالے ہو گئے لیکن یہ تو ایک دوسری بحث ہے۔ بہرحال اس کی تعلیم خاک میں مل جاتی ہے اور ترقی کہاں باقی رہ۔ ایسی مثالیں ہندوستان میں بہت نظر آتی ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے استادوں کی بے اعتنائی کا اور شاگردوں سے بےلوث طرح کی زندگی بسر کرنے کا۔

بادی النظر میں تو یہی کہا جاتا ہے کہ گذشتہ طریقۂ تعلیم عدد رجہ ناقص اور بہت ہی بھونڈا تھا اور اس کا خوب خوب مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ہاں بھونڈا تھا۔ موجودہ طریقۂ تعلیم کی طرح منظم نہیں تھا لیکن جو بات گذشتہ معلمین نے اپنے بھونڈے اور ناقص طریقۂ تعلیم کے ذریعے بتا دیں وہ موجودہ مدرسین جدید منظم شدہ طریقۂ تعلیم سے بتانے سے قاصر ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ گذشتہ مدرسین بس مارنا جانتے تھے ہاں مارنا جانتے تھے۔ لیکن محبت اور ہمدردی کرنا بھی خوب جانتے تھے وہ جس قدر مارتے تھے اسی قدر محبت اور ہمدردی کرتے تھے اور یہی وہ اصول تھا کہ گذشتہ استادوں کے پڑھے ہوئے شاگرد آج بھی ان کی تعریف میں مدح خواں ہیں۔ ان کی محبت میں وہ تاثیر پوشیدہ تھی کہ ان کی مار فوراً ہی بھول جاتی تھی۔ لیکن آج کل جو تنبیہ اٹھ گئی تو رعب اٹھ گیا اور جو رعب اٹھ گیا تو محبت بھی اٹھ گئی اور جو محبت غائب ہوئی تو عزت اور وقار کا قائم رہنا عبث ہے۔

موجودہ طریقۂ تعلیم کے دلدادہ پہلے مدرسین کا خواہ کتنا ہی مذاق اڑائیں لیکن ان کو ماننا پڑے گا کہ طالب علم کی ترقی کا راز استاد کی روحانی اور اخلاقی طاقت کی نگرانی میں تنبیہ اور محبت کے زیر استعمال تھا۔ نہ کہ موجودہ بےلوث بے اعتنا اور جوش عمل سے خالی معلمین کے برتاؤ ہیں۔ جنھوں نے تنبیہ کی ضرورت کو ایک قلم اڑا دیا ہے۔ موجودہ مدرسین اصول فن تعلیم سے کتنا ہی واقف کیوں نہ ہوں لیکن اگر ان میں عمل نہیں اور وہ خود نمونہ نہیں تو ان کی تعلیم کا اثر بھی عبث ہے۔ پہلے کا شاگرد اگر گردونواح سے بہت کم واقف ہوتا تھا اور اس کی واقفیت کا دائرہ بہت ہی محدود ہوتا تھا اور وہ بادی النظر میں قابل تضحیک خیال کیا جاتا تھا لیکن اس کی گفتگو، چال ڈھال اور جہاں تک اخلاقی اور ادبی باتوں کا تعلق ہوتا تھا وہ نہایت سنجیدہ اور متین ہوتا تھا۔ کم از کم اپنی تعلیمی استعداد سے لوگوں کو بنانے اور مذاق اڑانے کے فن سے نا آشنا ہوتا تھا۔ وہ تعلیم کے مزموم پہلو سے بے بہرہ ہوتا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ جس استاد سے پڑھو اس کو بناؤ۔ برا بھلا کہو۔ اس کی کمزوریوں کا مذاق اڑاؤ اور بس چلے تو بیڑی بھی۔ بہرحال اس میں اخلاقی کمزوریاں نہیں ہوتی تھیں۔ اور یہی ان اخلاقی اور روحانی تعلیم دینے والے معلمین کا اثر تھا اور کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہیں کی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ آج چند روحانی، اخلاقی اور ادبی اوصاف کے معلمین نظر آ رہے ہیں کہ جن کے آگے تار پیڈو اور مادی قسم کی اشیا بنانے والی قومیں سرنگوں نظر آتی ہیں برخلاف اس کے موجودہ زمانے کا طالب علم جانتا تو بہت کچھ ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ گفتگو کیسے کی جاتی ہے۔ چلنا کس طرح چاہئے۔ کپڑے کیسے پہننا چاہئیں۔ کھانا کیسے کھانا چاہئے۔ بیٹھنا کیسے چاہئے۔ سونا کیسے چاہئے وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ اس میں اخلاقی کمزوریاں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں یا ہوں گی۔ وہ گفتگو کرے گا تو بغیر سلابندی کے اور ہنس ہنس کر اب ہنسنے کے لفظ کے اضافے کے ساتھ نہایت بے باکانہ اور پر مذاق طریقے سے۔ وہ کچھ کھویا ہوا ہوگا اور "سوال دیگر جواب دیگر" کے مصداق پر عمل کرتا ہوا نظر آئے گا۔ اور یہی چاہتا ہوگا کہ جلدی ہی اس کا چھٹکارا ہو جائے۔ اس کے بعد جب وہ اپنے دوستوں سے ملے گا تو کہے گا ابے یار اباں ماسٹر صاحب نے پکڑ لیا تھا۔ گھنٹوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ بڑی مشکل سے تو چھٹکارا ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ والد صاحب نے ایک بہت ضروری کام سے بھیجا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

(باقی آئندہ)

نصیر الدین محمد ہمایوں

(سید منیر احمد صاحب)

۱۵۳۰ء مین بابر کا سب سے بڑا اور چہیتا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایون بادشاہ بائیس برس کی عمر مین اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ ہمایون نہایت بہادر اور جری شہزادہ تھا۔ اس مین ذاتی ہمت اور مردانگی حوصلہ اور شجاعت کی کوئی کمی نہ تھی وہ میدان جنگ مین اعلیٰ درجہ کا سپاہی اور بہتر سے بہتر سپہ سالار بن سکتا تھا۔ اسکی تعلیم نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ ریاضی او ہیئت سے اسے خاص شغف تھا لیکن اسکے ساتھ ساتھ دوسرے علوم سے بھی بے بہرہ نہ تھا۔ شعر و سخن مین اس کا مذاق نہایت پاکیزہ تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بادشاہت کی رعایا کی خدمت اور ترقی اور فارغ البالی مین ہے۔ امرائے دربار سے اس کا سلوک نہایت اچھا تھا۔ وہ بڑا شائستہ طبیعت کا سخی اور فیاض متواضع، خلیق، منکسر المزاج نخوت و غرور کا دشمن محبت اور دوستی کا دلدادہ صاحب مروت انسان تھا۔ ایثار اور قربانی اسکی فطرت مین داخل تھی وہ ہر شخص سے شریفانہ برتاؤ کرتا تھا۔ لیکن اس شرافت اور اخلاق اور تدبر اور ذہانت کے باوجود وہ کسی قدر کوتاہ اندیش تساہل پسند اور لاپرواہ آدمی تھا۔

جن لوگوں نے ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہے وہ خوب جانتے ہین کہ جب ہمایون تخت نشین ہوا تو ملک تاسیس اور استحکام کے علاوہ افغانون اور بہادر شاہ سلطان گجرات کی طرف سے خطرہ تھا۔ ہمایون نے جس اولوالعزمی کے ساتھ شیر خاں افغان سردار اور بہادر شاہ سلطان گجرات کے ارادوں کا خاتمہ کیا اس سے اسکی شجاعت و مردانگی، ہمت و استقلال، جفاکشی، اور سپہ سالارانہ قوت کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ اگر ہمایون اپنا بہت سا وقت علمی دقتوں اور عیش و نشاط کی محفلوں مین خرچ نہ کر دیتا اور فوراً گجرات کے استحکام کی طرف متوجہ ہو جاتا تو یہاں فتنہ و سرکشی کا ظہور نہ ہوتا۔ ایسے ہی شیر شاہ جیسے چالاک اور دشمن کو موقع نہین دینا چاہئے تھا۔ کہ وہ حالات سے فائدہ اٹھائے۔ ہمایون مین ہمت اور جرأت کی کمی نہ تھی۔ لیکن شیر شاہ کی طرف سے بالکل غافل ہو جانا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ ہمایون گجرات کی مہم سے فارغ نہین ہوا تھا کہ شیر شاہ نے پھر سر اٹھایا اول تو ہمایون نے احتیاط اور اندیشہ سے کام نہین لیا تھا۔ پھر شیر شاہ کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ صرف اپنی بہادری کے بل پر یہ جو کچھ ہوا تھا۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہمایون نے شیر شاہ کے تعاقب مین اپنا بہت سا وقت غفلت و تساہل اور بزم آرائیوں مین ضائع کر دیا۔ اور جب اسے خطرہ کا پوری طرح سے احساس ہوا اور اس نے مرزا کلک کے لئے دہلی بھیجا۔ بجائے اسکے کہ دار السلطنت سے کوئی مدد پہنچے اُسکی پادشاہت کی خبر ملی۔ ہمایون کے بھائی نہایت نالائق اور سرکش آدمی تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ہمایوں سے بے وفائی کی۔ کامران تو شروع ہی مین باغی تھا۔ لیکن ہمایون کی فطری محبت اور شرافت سیاسی ضرورتوں پر غالب آئی۔ اور اس نے اپنے بھائی کے ساتھ سختی کے بجائے اچھا سلوک کیا۔

اس بات کو ہر شخص محسوس کرتا ہے کہ اگر ہمایون بھی شرافت سے پیش نہ آتا اور اپنے دشمنوں کے مقابلہ پر غفلت، آرام طلبی اور تساہل سے کام نہ لیتا۔ تو اس کا عہد حکومت ہر طرح سے شاندار رہوتا۔ بہرکیف ہندال عسکری اور کامران کی سرکشی اور علحدگی اور شیر شاہ کی چالاکی اور فوجی قوت سے مغلوب ہو کر ہمایون ایک آوارہ وطن کی طرح راجپوتانہ اور سندھ مین گھومتا ہوا ایران کی طرف روانہ ہوا۔ یہ امر بالکل تعجب خیز نہین کہ ان ناکامیوں کے باوجود ہمایون کی قدر و منزلت اور عزت مین کوئی فرق نہین آیا۔ ہمایون کے رفقاء اپنے شریف النفس یا وہ اعلیٰ صفات اور کریمانہ خصائل کے معترف تھے انھوں نے دلی محبت اور خوشی کے ساتھ اپنے پادشاہ کا ساتھ دینا چاہتے تھے کہ ہمایون کی ناکامی کسی جبر و تعدی، نالائقی، کمزوری اور بزدلی کا نتیجہ نہین۔ بلکہ جہاں ایک طرف وہ اپنے باپ کی اس آخری وصیت کو کہ اپنے بھائیوں سے اچھا سلوک کرنا نہایت نیک نیتی کے ساتھ پورا کرتا تھا، وہاں اپنے دشمنوں کے خلاف سوائے حسن ظن اور شریفانہ برتاؤ کے اور کچھ نہین کر سکتا تھا۔ ہمایون کی ناکامی سے ہمایون کی عزت اسکے رفقا کے دل مین اور بھی بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان کا ہر ایک راجہ

اس عظیم الشان بادشاہ کی بلند شخصیت کا قائل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمایون جب ایران مین پہنچا تو اس کا استقبال ایک شکست خوردہ اور ناکام بادشاہ کی حیثیت سے نہین ہوا۔ شاہ طہماسپ اور اسکے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا۔ جو شریف النفس باپ کے شریف النفس بیٹے کے شایان شان تھا

ہمایون کی زندگی اگرچہ ناکامیوں کی مسلسل داستان ہے۔ لیکن یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے کہ بالآخر ہمایون اپنے آبائی ملک پر قابض ہوگیا۔ شاہ طہماسپ کی مدد سے افغانستان فتح کیا پھر شیرشاہ کے نالائق جانشینوں سے ہندوستان چھین لیا۔ عسکری ہندال کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن کامران زندہ تھا۔ اور اسکی مسلسل فتنہ پردازیوں سے تنگ آکر بالآخر ہمایوں نے امراکے اصرار سے اس کو سزا تو دی۔ لیکن نہایت معمولی اور وہ مجبوری۔ دنیا کے تمام بادشاہوں مین ہمایون ہی ایک ایسا بادشاہ ہے جو باوجود ناکامیوں کے بادشاہ نظر آتا ہے سلاطین مغلیہ مین ہمایوں کی سیرت ایک مخصوص درجہ رکھتی ہے۔ اور اگرچہ اس کے حالات زندگی کے مطالعہ سے ہم پر اس رعب و داب یا جاہ وجلال قائم نہین ہوتا۔ لیکن اس کے حسن و اخلاق اور شرافت کے خیال سے ہم بے اختیار اسکی عزت کرنے پر مجبور ہوجاتے ہین

(بقیہ مضمون "ہم کو کیا کرنا چاہیے" ۲۱ فروری ۳۱ء)

ایک دن یہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا کیوں صاحب یہ شور ویسی دیسی کیا ہیں۔ ہم تو اتنے بڑے ہوگئے۔ ہم نے تو کچھ سنا نہیں یہ نئی بات کیا نکالی ہے منظور سمجھانے لگے کہ دیس کی چیزیں ان کو اچھا سمجھنا۔ اور ان ہی کو برتنا سودیشی ہے، وہ تو سن سناکر چلا گیا لیکن محمود منظور میں باتیں ہونے لگیں، انہوں نے یہ طے کیا کہ روز صبح کی نماز کے بعد لوگوں کو روک لیا جائے اور تمام خبریں بتائی جائیں، شام کو ایک کمرہ میں تینوں اخبار رکھدئے جایا کریں، کہ لوگ وہاں جاجاکر خود پڑھیں، انہوں نے یہ طریقہ رکھا کہ ہفتہ میں تین دن صبح کو منظور خبریں سنائیں اور شام کو محمود لوگوں کو بتائیں۔ کہ اخبار کیسے دیکھتے ہیں اور اس میں کیا کیا دیکھتے ہیں، دوسرے تین دن محمود خبریں سنائیں اور منظور اخبار پڑھنا سکھائیں، شروع شروع میں تو ان کو تھوڑی دقت ہوئی، لیکن لوگوں کو شوق ہوگیا اور وہ خود بخود اخبار پڑھنے لگے، جو کسی وجہ سے شام نہ پڑھ سکتے وہ صبح کی نماز کے بعد ٹھہر جاتے اور خبریں سن لیتے، ان سب کو ظفر گڑھ واپس آئے پورے برس بھی نہیں ہوئے تھے۔ مگر ان کے شہر کا تمام میں نام ہوگیا، دلی، لکھنؤ، لاہور، مسلمانوں کے بڑے بڑے شہر ہیں لیکن کسی میں ایسا انتظام نہیں جیسا ظفر گڑھ میں ہے تمام گرمیوں میں جگہ جگہ سبیلیں لگتی ہیں، اسٹیشن میں پانی ہے مسافروں کو پلاتے پھرتے ہیں اسپتال میں جمعہ اور پیر کو جاکر بیمارونکو باقاعدہ دیکھا جاتا ہے، وہ گھر کو خط لکھوانا چاہتے ہیں تو خط لکھا جاتا ہے نہیں تو پھل پھول جو میسر ہوتا ہے ان کو دیا جاتا ہے، تمام شہر کے لوگ روزانہ کی خبریں معلوم کرلیتے ہیں، انکو معلوم ہے کہ دنیا میں کیا ہورہا ہے اور کسطرح ہورہا ہے، آتی عزیز دیکھو عزت [illegible]

کوائف جامعہ

چاندرات کو انجمن کے زیر اہتمام ایک مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی۔ میر مجلس رئیس احمد صاحب تھے۔ مصرعہائے طرح حسب ذیل تھے۔

۱۔ عہد نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا،

۲۔ تو کب تک میرے منہ کو دیکھتا رہے گا،

بہت سے حضرات نے اپنے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ یہ دلچسپ مجلس کوئی دو گھنٹے تک جاری رہی۔

۲۰ فروری کو خاکسار منزل میں ایک ڈرامہ "بچوں کا انصاف" دکھایا گیا۔ ڈرامہ میں اساتذہ اور طلبا کے علاوہ جناب امیر جامعہ اور دوسرے بہت سے حضرات تشریف رکھتے تھے۔ ڈرامہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ ڈرامہ ٹھیک ۹½ بجے شروع ہوکر گیارہ بجے ختم ہوا۔ ڈرامہ کے متعلق ہر شخص کی یہ رائے تھی۔ کہ نہایت کامیاب رہا۔ آخر میں ڈرامہ میں سب سے اچھا کام کرنے والوں میں سے پہلا انعام عبد اللطیف متعلم ابتدائی پنجم اور دوسرا انعام ہارون متعلم ابتدائی چہارم کو ملا۔ یہ دونوں انعامات امتیاز حسین صاحب کی طرف سے رکھے گئے تھے۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے ایک خاص انعام احمد بن سالم کو دیا جنہوں نے ایک نظم نہایت عمدہ طریقہ سے پڑھی تھی۔
یہ ڈرامہ دوبارہ ۲۲ فروری کو بھی دکھلایا گیا۔

گذشتہ ہفتہ پنڈت جواہر لال صاحب نہرو اور جناب ڈاکٹر انصاری صاحب جامعہ تشریف لائے۔ اور تقریباً تین گھنٹہ تک قیام فرمایا۔

گندک یا سلفر

اس پیلے کپاسی رنگ کے عنصر سے ہم پورے واقف ہیں۔ یہ زمین سے آزاد حالت میں ملتا ہے۔ اور آمیزہ و مرکبات کی شکل میں بھی پایا جاتا ہے۔ پروٹین کی ترکیب میں بھی اس کا جزو شامل ہے۔ یہ ان مقامات میں جہاں آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں۔ بہت افراط سے حاصل ہوتا ہے۔ کوہ آتش انگیز کے دہانوں سے اس کے بخارات نکلکر ٹھنڈے ہونے پر اس کی تہہ کی تہہ جما دیتے ہیں۔

جزیرہ سسلی میں اس عنصر کی بہت زیادتی ہے۔ صدیوں سے اس کو وہاں نکالا جا رہا ہے۔ مگر یہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اس جزیرہ کے جنوبی اضلاع میں تقریباً ۱۵۰ مربع میل کے اندر اس کا خطہ ہے۔ وہاں پہاڑ تمام غار و کھوہ و سوراخ اس سے پُر ہیں۔ یہاں کے چپہ چپہ سے اس کے آثار نمایاں ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ گذشتہ میں یہاں آتش فشاں پہاڑ ہوں گے۔ جن کے دہانوں سے خارج ہوکر یہ جمع ہوگئی ہے ایسی زمین میں سلفریٹیڈ ہائڈروجن (H_2S) اور سلفر ڈائی آکسائڈ (SO_2) بہت مقدار میں پائی جاتی ہے۔ اور جب کی یہ دونوں چیزیں ملتی ہیں تو ان کی ترکیب سے گندک اور پانی حاصل ہوتا ہے۔ ہوا کی آکسیجن بھی سلفریٹیڈ ہائڈروجن کی تحلیل کر دیتی ہے۔ دونوں مثالوں کی تشریح حسب ذیل قاعدہ سے ظاہر ہے

$$(1)\quad 2H_2 SO_2 = 3S + 2H_2O$$

$$(2)\quad 2H_2 SO_2 = 2S + 2H_2O$$

ان تاثرات کے تحت گندک ٹھنڈی ہوکر مٹی اور جپسم ($CaSO_4$) کے اوپر کی سطح پر جمع ہو جاتی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ جپسم پر جراثیم کا عمل ہوتا ہے۔ اور اس کو آزاد حالت میں کر دیتے ہیں۔

گذشتہ زمانے میں جبکہ یہ صرف بارود بنانے کے کام میں آتی تھی تو اس کی اس قدر قدر و قیمت نہ تھی۔ لیکن اب یہ سلفیورک ترشہ۔ دلکنا ئزٹے مانع تعدیہ چیزوں اور رنگ کاٹنے والی چیزوں کی صنعت میں کام آتی ہے۔ اور ان ہی وجوہات سے اس کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے۔

سسلی میں یہ بہت کثرت سے نکالی جاتی ہے۔ گذشتہ زمانے میں بھی یہاں اس کی وجہ سے بہت چہل پہل تھی۔ جنوبی سسلی میں جہاں کہ اب شہر گرگینٹم (Girgentum.) واقع ہے پہلے وہاں اگری گینٹم Agrigentum آباد تھا جس کی آبادی آٹھ لاکھ تھی۔ موجودہ شہر کی آبادی صرف انیس ہزار ہے۔ قرب و جوار کے مقامات کی گندک اسی بندرگاہ پر آتی ہے۔ اور یہاں کی سڑکوں پر ہزاروں خچر گدھے گندک سے لدے ہوئے نظر آتے ہیں۔

گندک انگور کے جراثیم مارنے میں بھی بہت کامیاب ثابت ہوئی ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اس کی قیمت پہلے سے اب سہ چند ہوگئی اسی وجہ سے یہاں کے باشندے گندک کی زمین خرید کر کافی مالدار ہوگئے یہاں کے باشندے مٹی میں ملی ہوئی گندک کو نکالنے کے واسطے یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ کہ گندک کے آمیزہ کو گول بھٹیوں میں بھرتے ہیں جن کا قطر ۳۰ فٹ اور اونچائی دس فٹ ہوتی ہے۔ سب سے پہلے گھاس پھوس وغیرہ کی تہہ لگائی جاتی ہے۔ اس کے اوپر گندک دمٹی کے ڈھیلے دتھر اس طرح رکھے جاتے ہیں۔ تاکہ ہوا کے واسطے جگہ رہ جائے۔ اس کے اوپر چھوٹے چھوٹے پتھر رکھے جاتے ہیں۔

بالآخر اوپر سے وہ مٹی بھر دی جاتی ہے۔ جس میں سے گندک نکال لی گئی ہے۔ گھاس وغیرہ کو جلایا جاتا ہے جس کی گرمی سے گندک پگھل جاتی ہے اور بھٹی کے نیچے کے حصے میں جمع ہو جاتی ہے۔ اس طریقہ سے جو گندک حاصل ہوتی ہے وہ ناصاف ہوتی ہے۔ اور اس کو صاف کرنے کے واسطے یہ کرتے ہیں۔ کہ اس کو لوہے کے قرنبیقوں (ا) میں پگھلا کر اس کے بخارات خشتی کمرہ (ب) میں
(ج) کے راستے لیجاتے ہیں یہاں
وہ ٹھنڈی ہوکر جمع ہونا شروع ہوتی ہے۔
اور برادہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ اس وقت اس کو فلاورس آف سلفر یا

گندک کے برادہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ لیکن جبکہ یہ ٹکڑے بھی گرم ہو جاتے ہیں۔ تو گندک پگھل کر مائع حالت میں ہو جاتی ہے۔ اور پھر لکڑی کے سانچوں میں (د) کے راستے سے بھر لی جاتی ہے۔ اور اب اس کو سلاخی گندک کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جس مٹی میں یہ نکلتی ہے۔ اس میں ۱۳ تا ۳۰ فیصدی ہوتی ہے۔ مٹی کی تہہ ۵ تا ۹۰ فٹ موٹی ہوتی ہے۔ جن جگہوں سے کہ اس کو کھودا جاتا ہے وہ عجب طریقہ کے ہوتے ہیں۔ ان غاروں کا منہ اس قدر تنگ ہوتا ہے کہ آدمی بھی مشکل سے داخل ہوتا ہے لیکن اندر پہونچ کر یہ بہت کشادہ ہو جاتے اور ان کی چھتوں میں جسم کی چمکتی ہوئی قلمیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اندر بہت ہی زیادہ گرمی ہوتی ہے۔ مزدور بالکل ننگے ہو کر کام کرتے ہیں۔ اور تمام بدن پر مٹی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔ اور اس پر پیلی پیلی گندک بھی آکر جمع ہو جاتی ہے۔ جس سے ان کی عجیب وحشیانہ ہیئت بن جاتی ہے۔

گرگنتیم کی زیادہ آبادی گندک کے غاروں میں کام کرتی ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں۔ جو باغات اور کھیتوں میں کام کرتے ہیں۔ پرانا شہر سمندر کے کنارے سے پہاڑ تک آباد تھا۔ جس پر کچھ سمندروں کے نشان اس وقت تک اس کا ثبوت دے رہے ہیں۔ مگر اب زیادہ تر اس زمین پر باغات و کھیت وغیرہ ہیں۔ سسلی سے تقریباً ایک لاکھ ٹن سالانہ گندک حاصل ہوتی ہے۔

سنہ ۱۸۸۶ء میں سسلی کی تاریخ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ سولفاتارا کے غار میں جو سالو وادی کے دائیں جانب واقع ہے۔ مزدوروں سے اتفاق سے آگ لگ گئی۔ اور دو سال متواتر جلتی رہی۔ جس سے تمام جگہ سلفر ڈائی آکسائڈ سے بھر گئی۔ اور مجبوراً اس جگہ کو چھوڑنا پڑا۔ اور مالکان اپنی انتہائی تباہی تصور کرنے لگے۔ اور ایک دن یکایک پہاڑ ایک پہلو شق ہوا۔ اور اس میں سے بہت دھواں اور پیلے رنگ کے بخارات نکلنا شروع ہوئے اور ان کے درمیان پگھلی ہوئی گندک کا چشمہ جاری ہو گیا۔ جو دریا میں جاکر ٹھنڈا ہو کر جم گیا۔ اس تمام عمل کی وجہ یہ ہوئی کہ آگ جو متواتر دو سال جلتی رہی تھی۔ اس نے پہاڑ کی زمین کو جن میں گندک بھری ہوئی تھی۔ اس قدر گرم کر دیا کہ وہ پھٹ گیا۔ اس سے چالیس ہزار ٹن گندک حاصل ہوئی۔ یہ عمل قدرت نے اسی طریقے سے انجام دیا۔

جیساکہ وہاں کے باشندے اس کے حاصل کرنے میں کام میں لاتے تھے۔ مالکوں کی عارضی ابتری دوامی بہتری میں پھر کافور ہو گئے۔

اٹلی سے بہت زیادہ گندک حاصل ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں اس کی کانوں سے چار لاکھ ٹن گندک نکالی گئی۔ کچھ عرصہ ہوا کہ امریکہ میں بھی گندک کے خطے معلوم ہوئے ہیں۔ یہاں اس کی اس قدر کثرت ہے۔ کہ تمام دنیا کو آج کل زیادہ حصہ اسی جگہ سے بہم پہونچایا جا رہا ہے۔ یہاں نکالنے کا بالکل نیا طریقہ ہے۔ جو فراش صاحب کا Frasch کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ امریکہ میں ٹیکساس و لوسیانا کے اضلاع گندک کے واسطے مشہور ہیں گندک ۹۰۰ فٹ کی گہرائی میں پائی جاتی ہے۔ اوپری سطحوں میں دلدل اور چٹانی زمین ہوتی ہے۔ زمین کو برمے سے کھودا جاتا ہے۔ اور اس کے گرد چار نل مختلف قطروں کے ہوتے ہیں۔ نلوں میں پانی جس کو دباؤ کے تحت گرم کیا جاتا ہے بھاپ کی شکل میں گذارہ جاتا ہے۔ اور بعدہٗ ہوا دباؤ کے تحت گذاری جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گندک بیرونی نلوں میں ہو کر نکل آتی ہے اس نل میں تو جوش کھانے لگتی ہے تو ہوا کے نل کر گرد ہوتا ہے نلوں سے نکل کر گندک چوبی احاطوں میں داخل ہوتی ہے۔ اور وہاں ٹھوس شکل اختیار کر لیتی ہے اس ترکیب سے پانچسو ٹن روزانہ گندک حاصل ہوتی ہے۔ اس طریقہ کو بعض بعض جگہ سسلی میں بھی کام میں لایا جا رہا ہے۔ لیکن بہت کم ہے۔

کچھ عرصہ ہوا جاپان سے بھی گندک کی برآمد ہونا شروع ہوئی ہے۔ یہ آتش فشاں پہاڑوں اور زلزلوں کا ملک ہے۔ لہذا یہاں بہت کافی مقدار میں گندک کا ذخیرہ ہونا لازمی ہے جاپان میں بالکل خالص اور آزاد حالت میں حالت میں گندک پائی گئی ہے۔ Kaempfer نے اپنی کتاب تاریخ جاپان میں بیان کیا ہے کہ یہ ایک چھوٹے سے جزیرہ کی پیداوار ہے۔ جس کو Iwogasime یا گندک کا جزیرہ کہتے ہیں۔ سو سال مشکل سے گذرے ہوں گے جبکہ یہاں کے باشندوں نے اس کو معلوم کرنے کی جرأت کی۔ لوگ اس جگہ سے بہت ڈرتے تھے۔ چونکہ یہاں برابر دھواں نکلتا تھا۔ تو باشندگان جاپان کا یہ خیال تھا۔ کہ یہ دیوؤں کا مسکن ہے۔ اور کوئی قریب جانے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ لیکن آخرکار ایک دلیر شخص نے وہاں جانے کی ہمت کی۔ اور پچاس قوی ہیکل اشخاص کے گروہ

کے ساتھ روانہ ہوا۔ مقابلہ بجائے دیوؤں کے آتش فشانی مٹی اور گندک کے ذخیروں سے ہوا۔ جن مقامات سے دھواں زیادہ اُٹھتا تھا وہاں گندک اور مٹی کی ڈھیر کے ڈھیر تھے۔ جاپان کی آمدنی میں اس نئی تحقیقات سے بہت اضافہ ہوگیا ہے۔

جزیرہ اٹرافو Etiofa جو جاپان کے قریب واقع ہے وہاں کے کچھ دلچسپ حالات مسٹر کرافورڈ Crawford. نے قلمبند کئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے شمال بحرالکاہل میں جاپان اور جزیرہ کیمچاٹکا کے درمیان واقع ہے۔ یہاں گندگ کے ذخیرے جو دنیا بھر میں بہترین خیال کئے جاتے ہیں موجود ہیں۔ اس جزیرہ میں کوہ آتش فشاں ہیں۔ جن کی اونچائی اٹھائیس ہزار فٹ ہے۔ اور ان کے دہانوں سے روزانہ گندک پہنی گندک کی تہہ لگتی جاتی ہے۔ یہ جزیرہ ہر ایک قسم کی آمد و رفت سے علیحدہ ہے اور نومبر سے مئی تک برف سے ڈھکا رہتا ہے۔ سنہ ۱۹۰۰ء میں امریکن و جاپانی انجینیروں نے جاکر اس کو دیکھا۔ اور معلوم کیا کہ سمندر سے دو میل تک ایسی گندک کے خطے موجود ہیں جہاں کہ آسانی سے کام کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کے قریب ایک بندرگاہ نامی مویورس ہے Moyoro. واقع ہے لوگوں کا خیال ہے کہ پندرہ لاکھ ٹن بالکل صاف گندک زمین پر پڑی ہوئی ہے جس میں کسی قسم کی صفائی کی ضرورت نہیں صرف کھود کر دنیا کے مختلف حصص میں بھیج دیا ہے۔ ظاہرا یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ لیکن یہاں واقعہ ہے دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ کرافورڈ صاحب فرماتے ہیں کہ دور سے دیکھنے میں دھواں ہی دھواں معلوم ہوتا ہے۔ اور پہاڑوں کے دامن میں چمکتے ہوئے گندک کے ذرات نظر آتے ہیں جب پہاڑوں کی چوٹی پر جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ بالکل گندک کے پہاڑ ہیں یہاں کا کوئی کونہ اور کوئی گوشہ گندک سے خالی نہیں۔ اور روز افزوں دولت ہے۔ جو بخارات اٹھتے ہیں وہ ٹھنڈے ہوکر گندک میں منتقل ہو جاتے ہیں اس جزیرہ میں نباتات بالکل نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بخارات اگر نباتات ہو تو اس کو فوراً ختم کر دیں صرف ساحل پر کچھ نباتات دیکھنے میں آتی ہے۔ باقی کل جزیرہ ویران اور غیر آباد ہے۔

بہت سے ایسے مفید نباتات ہیں کہ ایک مرتبہ کھود نے گئے تو وہ ختم ہوگئے۔ اور پھر وہ اس جگہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ لیکن گندک کا حساب برعکس ہے۔ اس کے ختم شدہ خطہ پر اپنی ابتدائی حالت میں ہو جاتے ہیں۔ یہ زیادہ تر ان آتش انگیز پہاڑوں کے دامن میں ہوتا ہے۔ جو تقریباً خاموش ہیں مثلاً جو کہ نیپلز کے قریب واقع ہے یہاں پہاڑ کے دامن کی زمین جس میں گندک شامل ہے۔ کھودی جاتی ہے گندک نکالنے کے بعد باقی ماندہ مٹی کو پھر وہیں ڈال دیا جاتا ہے۔ تیس سال کے عرصے میں اس مٹی میں پھر اتنی ہی گندک پیدا ہو جاتی ہے۔ جتنی کی اول اس میں سے نکال لی گئی تھی۔

لیوپالاوان بخ (Leopold Von buch) اس تذکرہ سے کہتی رنی پہاڑ کی چوٹی سے بھی متواتر گندک پیدا ہو رہی ہے۔ گندک کے بخار اٹھتے ہیں جو چٹانوں کو تحلیل کر دیتے ہیں۔ اور جا بجا گندک کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اس عمل سے دہانت کے پاس کی زمین اس قدر ملائم ہوگئی ہے۔ کہ اس میں اگر کوئی جائے تو وہ دھنس جائے۔ وہاں کی مٹی کا درجہ حرارت بھی ۱۰۰ درجہ تک ہے۔

امریکہ میں ان چوٹیوں سے جو الغیز Alaghez کوہ آتش انگیز کے ارگرد ہیں۔ وہاں کے باشندے عجیب طریقہ سے گندک حاصل کرتے ہیں ان چوٹیوں پر پہونچنا آسان نہیں تو لوگ چوٹیوں میں بندوق کی گولیاں مارتے ہیں جن سے گندک پھلکر نیچے آ جاتی ہے اور وہ اس کو جمع کر لیتے ہیں۔

جاوا میں ٹوپوکا کے قریب ایک گول جھیل ہے۔ جس کا خطہ چار سو چالیس گز ہوگا اس کے چاروں طرف نہایت سرسبز و شاداب نباتات ہے اور اس کا پانی بھی نہایت چمکدار و صاف شفاف ہے پانی میں پیلی چمک ہے۔ جو کہ اس حصہ سے ہے کہ اس کی تہہ میں گندک موجود ہے۔

عجیب و غریب آتش فشانی غار دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں جو کہ بھاپ۔ بخارات اور سرخ پگھلی ہوئی چٹانوں وغیرہ کے نکل جانے سے بن گئے ہیں۔ اٹلی میں ایک غار ہے جس کا نام فوسا دیلا پالمبا Fossa della Palomba ہے جس کے اندر اور بہت سے غار ہیں۔ اور کچھ چوٹیاں ہیں اور سیڑھیاں سے معلوم ہوتی ہیں۔ اندر پہونچکر اس کی لمبائی ۹۰ فٹ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی کچھ جگہ موجود ہے۔ جہاں کہ اس وقت تک کوئی نہیں پہونچ سکا ہے اسی طریقہ

سے جزیرہ میٹ سیکائل ہیں از پور Azmes کے غار اور بھی بڑے بڑے ہیں۔ ان میں داخل ہونے کا راستہ بہت ہی تنگ ہوتا ہے لیکن اندر پہونچکر اس قدر بڑے اور تاریک ہو جاتے ہیں کہ کسی مارشح کی روشنی سے انکی چھت نظر نہیں آسکتی۔ ایک جگہ فرش میں ایک چھوٹا سا سوراخ ہے۔ جس کے اوپر ایک فٹ موٹی لاوے کی تہہ ہے اور اس کے نیچے ایک اور بہت بڑا غار معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ابھی تک کسی نے بھی جانیکی ہمت نہیں کی ہے۔ لیکن جب ان میں پتھر پھینکے جاتے ہیں تو ان کا بہت شور ہوتا ہے۔ جس سے معلوم کہ بہت بڑا غار ہوگا۔ اسی قسم کا ایک اور غار صورت شیلیر Shellie. Seeds آئس لینڈ میں ہے۔ اس کا نام سورت بہت موزوں رکھا ہے۔ سورت کے معنی ہیں تاریکی۔ اور آگ کا شہزادہ۔ اس شہزادہ کے رہنے کی جگہ اس سے اور کیا بہتر ہو سکتی تھی۔ جو کہ کبھی زمانے میں آگ کے شعلہ کے مانند تھا۔ اور اب اس میں دائمی تاریکی ہے۔

ان غاروں میں بھی گندک کے بخارات دگندک پائی جاتی ہے ٹرانسائل دانیا میں کوہ Budoshegg. میں ایسے بہت سے غار ہیں۔ جس میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں۔ داخل ہوتے پر ہی دم گھٹنے لگتا ہے۔ اور پیر گرم ہو جاتے ہیں اور اس قدر گرمی ہو جاتی ہے کہ قابل برداشت نہیں ہوتی۔ اور زیادہ آگے بڑھنے پر روشنی خاموش ہو جاتی ہے۔ لہذا فوراً واپس آنا پڑتا ہے۔ بہت سے من چلے لوگ ان میں ہلاک ہوئے ہیں۔

جزیرہ میں بھی ایسے غار ہیں جن سے پانچسو ٹن سالانہ گندک نکالی جاتی ہے۔ لیکن یہ مقام خطرے سے خالی نہیں۔ کیونکہ دم گھوٹنے والے بخارات ہر طرف سے نکلتے ہیں۔

گندک کے سلسلہ میں ایک اور پر لطف واقعہ ہے۔ جو کہ اس وقت پیش آیا۔ جبکہ مانٹیزوما کی سلطنت کارٹیز نے برباد کی۔ (از تاریخ میکسکو) کارٹیز کو بارود کی ضرورت تھی۔ تو اس نے کچھ آدمی اور ایک بہادر شخص Francisco Maclans. کی زیر کمان پوپوکیٹاپٹل جس کے دھانے سے دھواں نکل رہا تھا۔ اور جس کے اوپر برف جمی ہوئی تھی۔ گندک لانے کے واسطے روانہ کیا۔ اس کی اونچائی ۱۷۸۰۵ فٹ تھی۔ وہ اس طرف روانہ ہوا۔ شروع میں ایسے گھنے جنگل تھے۔ جن میں سے نکلنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس کے بعد چمکتا ہوا ریت اور لاوا بھی جو حال ہی میں کسی جگہ سے نکلا تھا۔ غرضکہ بہت سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ایک انچ بھی مصیبت سے خالی نہ تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں پہونچے۔ جہاں دائمی برف کی چادریں بچھی ہوئی تھیں۔ یہاں پر ان کے پیر نہ جمتے تھے اور اگر ذرا پیر پھسلتے تو فوراً نیچے غاروں میں دکھائی دیتے۔ ہوا کے ہلکے ہونے کی وجہ سے سانس لینے میں بھی دقت پیدا ہوئی غرضکہ جو قدم بھی تھا وہ ایک قیامت سے کم نہ تھا۔ بالآخر وہ دھانے پر پہونچ ہی گئے۔ جس میں ہلکا سا شعلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ بخار ٹھنڈے ہو کر دھانے کے غار میں گندک کی شکل میں جمع ہو گئے تھے۔ لیکن اب دوسری مشکل یہ تھی۔ کہ اس غار پر جو کہ ۰۰ ۴ فٹ گہرا تھا۔ کون داخل ہو۔ ہر ایک اس مشکل کام سے باز رہا۔ آخر کار قرعہ اندازی کی گئی۔ اور اس میں بدقسمتی سے کا نام نکلا وہ اپنا برتن لے کر اندر داخل ہوا اور بہت گندک پائی۔ اور کئی مرتبہ اس نے فوج کے واسطے کافی گندک نکال کر جمع کر دی۔

اس تمام واقعات سے ظاہر ہے کہ جہاں آتش فشاں پہاڑ ہوں گے وہاں گندک ضرور پائی جائیگی۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ قرین قیاس ہے کہ اگر چاند میں کسی طرح پہونچ ہو تو وہاں بھی اس قدر گندک کے ذخائر ملیں گے جس کا خیال کرنا بھی مشکل ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں وہاں بھی آتش فشانی کا اس قدر زور و شور رہا ہے کہ ہمارے سیارہ Planet میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ دوربینوں سے پہاڑوں کے دہانوں کا پتہ چلتا ہے جو ہزارہا میل چوڑے ہیں۔ لیکن دوربینوں سے اس عنصر کا صاف پتہ نہیں۔ کیونکہ ان پہاڑوں کے بہت سے حصص برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ ان کے دہانوں سے گندک کے بخارات اور بھاپ جو نکلی ہے اس نے تمام آتش فشاں پہاڑوں کی چٹانوں کو اس طریقہ سے توڑ دیا ہے۔ جیسا کہ ہم کے دہانے میں پاتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

افسانہ

مطیع اللہ متعلم جامعہ دیپاپوری دکن

مئی کا مہینہ ہے رات کے آٹھ بجنے والے ہیں - چاند کی چودھویں تاریخ ہے چاند اپنی پوری روشنی سے چمک رہا ہے تمام لوگ گرمی کی وجہ کر باہر بیٹھے اپنے بستر ڈالکر سونے کی تیاری کر رہے ہیں - اور ہم اپنے شکار کی تیاری میں مشغول ہیں - کوئی ہاتھ سے روٹی پکا رہا ہے کوئی اور دوسرے سامان کی تیاری میں مشغول ہے - جناب شکاری صاحب اپنے شکار کا ڈریس ٹھیک کرتے ہیں - اور کبھی آئینہ کے پاس جاتے ہیں - اور کبھی پیچھے ہٹتے ہیں - اور کبھی آگے بڑھتے ہیں اور اپنے پوشاک کو دیکھتے ہیں - کہ جسم پر ٹھیک معلوم بھی ہوتے ہیں یا نہیں - ایک صاحب گاڑی کی تلاش میں تمام گاؤں میں پھر رہے ہیں - لیکن بیچارے ایسے پریشان معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کا بہت ہی نقصان ہو گیا ہے - پریشان ہو کر گاؤں کے چوک میں بیٹھ گئے اور دوسرے دوستوں کا انتظار کر رہے ہیں - کہ کوئی اور آجائے تو ہم دونوں ملکر پوری کوشش کریں اور گاڑی کا انتظام کریں -

خطوط رساں - اسلام علیکم جناب عالی میں نے گاڑی بہت تلاش کی لیکن گاڑی کہیں نہیں ملتی ہے - آپ جاکر ماسٹر صاحب سے کہدیجئے

ایک صاحب - ارے حضرت تم نے تو ان سے وعدہ کیا ہے جس کی وجہ سے تمام لوگ اپنے سامان کی درستی میں مشغول ہیں - اور بس گاڑی کا انتظار کر رہے ہیں - اچھا یہ تو بتائے - میاں محمود کا بھی کہیں پتہ ہے - صبح سے ملاقات نہیں ہوئی ہے اگر مل جائیں تو ان سے بھی چند ضروری باتیں کرنی ہیں -

خطوط رساں - جناب عالی وہ ابتک میرے ساتھ تھے - شاید وہ ماسٹر صاحب کے پاس گئے ہوں گے - میں نے ان کے ذریعہ کہلا بھیجا تھا کہ گاڑی نہیں ملتی ہے اور میں خود پریشان ہوں کہ کیا کروں -

مسٹر گمنام کیا واقعی گاڑی نہیں ملتی ہے - یہ تو غضب ہو گیا تو ارے بیوقوف تو نے ہم سے کیوں وعدہ کیا تھا -

خطوط رساں - بس میاں - یہ باتیں آپ کی سننا نہیں چاہتے ہیں - ہمقو (ہم کو) قیوں (کیوں) قہا (کہا) قاقہ (کہ) گاڑی لاؤ - ہم تو محض تمہاری اور میاں محمود کی وجہ سے آج تمام دن گاڑی کے انتظام میں پھرتے رہے تھے - اغر (اگر) گاڑی نہیں ملی تو ہم قہا (کہا) قرینگے (کرینگے) بس اب میں جاتا ہوں - اور میاں محمود کو اس کی اطلاع دیتا ہوں - اغر (اگر) وہ مکان پر ہیں تو بہتر ورنہ پھر ماسٹر صاحب کے یہاں آقر (آکر) ان سے ملوں گا -

مسٹر گمنام صاحب اچھا تو محمود میاں سے کہدینا - کہ تم اپنی بندوق لیکر فوراً ہی آؤ اب دیر نہ کرو جسطرح بن پڑے یہاں سے جلدی روانہ ہونے کی کوشش کریں گے -

اب خطوط رساں محمود میاں کے مکان کی طرف نہایت تیزی سے بڑھ کر چلا جا رہا ہے ذرا رات کا وقت ہونے کی وجہ سے دل میں ڈرتا بھی ہے اور کچھ اشعار بھی گاتا ہے ذرا ان کے شعار بھی ملاحظہ فرمائے نہ وزن ہے نہ قافیہ نہ ردیف نہ مطلب لیکن گائیں گے ضرور -

میں تو شاہی بہشتی ہوں پانی چھڑکنے آیا ہوں
میں تو شاہی بہشتی ہوں پانی چھڑکنے آیا ہوں

اولیٰ بھی وہی ثانی بھی وہی سچ ہے بیچارے خطوط رساں زیادہ لکھے پڑھے نہیں ہوتے ہیں - وہ کیا جانیں کہ اولیٰ و ثانی کس مٹھائی کا نام ہے - لیکن خطوط رسانی میں پتہ پڑھتے پڑھتے ایسے مشاق ہو جاتے ہیں کہ جب کوئی شعر نہیں آتا ہے تو خط کے پتے شعر کی طرح پڑھنا شروع کر دیتے ہیں -

بعض حضرات اس کے اس شعر پر ہنستے ہیں - لیکن یہ ایسے مست ہیں کہ کسی کی ہنسی کی پرواہ نہیں کرتے ہیں - اور بڑھے چلے جا رہے ہیں کہ کب محمود میاں کی ڈیوڑھی قریب آتی ہے اور میں کب ان سے کب ملتا ہوں خدا خدا کر کے محمود میاں کی ڈیوڑھی قریب آگئی - اب ذرا اپنی آواز کو بہت اچھی اور صاف بنا کر پکارتے ہیں -

خطوط رساں - محمود میاں - محمود میاں - اندر سے آواز آتی ہے

کون ہے میاں مسعود آپ کے بھائی میاں کیا مکان میں موجود ہیں۔

مسعود - بھائی میاں مکان میں تو نہیں ہیں اگر آپ کو ملیں تو ان سے کہدینا کہ ابا جان ابھی ابھی آئے تھے اور آپ کو پوچھتے تھے۔

خطوط رساں - لیجئے آپ کے ابا جان آگئے ہیں بڑی مشکل مشکل کوئی ان کی تمام کشتی اور خوشی خاک میں مل گئی۔ تو اچھا میں جاتا ہوں اور ان کو خبر کر دیتا ہوں بھیا اپنی بندوق (بندوق) تو دے دو۔

مسعود - ارے جا بیوقوف میں جتنا کہتا ہوں اتنا سن لے اگر وہ چاہیں تو اپنی بندوق دے سکتے ہیں۔ میرا کیا حق ہے کہ میں دوسرے صاحب کی بندوق بغیر اجازت دے دوں۔

خطوط رساں - اچھا میاں میں جاتا ہوں تھوڑا پانی تو پلا دو گاڑی دیکھتے دیکھتے تو میں تو تھک گیا۔ اور گاڑی والوں سے لڑتے لڑتے میرا منہ خشک ہو گیا۔

مسعود - ارے چلے ہی جاؤ۔ یہاں سے ماسٹر صاحب کا مکان کتنی دور ہے۔ وہاں جا کر پانی پینا۔ اور بھائی میاں کو جلدی بھیجدینا۔

خطوط رساں - تو اچھا نہ پلاؤ میں کب جاتا ہوں اور جلدی سے آپ کے بھائی میاں کو آپ کے والد صاحب کی آنے کی خبر کر دیتا ہوں۔

بیچارہ بڑا پریشان واپس جا رہا ہے۔ اور دل میں خیال کرتا ہے کہ گاڑی نہ ملنے کا کیا سبب بیان کروں۔ سب لوگ مجھے برا بھلا کہیں گے۔ اور ممکن ہو سکے تو ماریں گے۔ خیر جو کچھ ہو لیکن محمود میاں کے والد صاحب تشریف لے آئے۔ اب تو جان بچی۔ جب میں ان کے والد کے آنے کا ذکر کروں تو شاید تمام لوگ رنجیدہ ہو کر اپنا شکار کر دیں گے چونکہ محمود میاں جس محفل میں نہ ہوں وہاں محفل کا رنگ بالکل پھیکا پڑ جاتا ہے ممکن ہے شکار کو ٹال دیں۔ اور خدا ایسا ہی کرے۔

خطوط رساں - (دروازہ پر آتا ہے اور دروازہ پر دستک دیتا ہے)

ماسٹر صاحب - ذرا (نوکر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں) دیکھنا حال کون دروازے پر آواز دے رہا ہے۔

جمال - اچھا۔ اچھا اچھا۔ آیا ذرا ٹھہرو معلوم ہوتا ہے وہ خطوط رساں ہے نہ معلوم کیا خبر لایا ہے (جمال زینے سے اتر کر دروازے کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے) کہو میاں کیا خبر لائے۔

خطوط رساں - ذرا دروازہ کھول دے پھر اوپر آ کر بیان کرتا ہوں۔

جمال - اچھا لو کھولا۔

(دروازہ کھل جاتا ہے اور دونوں اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور پھر جمال حسب معمول دروازہ بند کر دیتا ہے)

خطوط رساں السلام علیکم، ایسی سیر و تفریح بھاڑ میں جائے ایک تو گاڑی نہیں ملی دوسری خبر یہ ہے کہ میں حضرت محمود کے مکان پر گیا تھا۔ تو میاں مسعود سے معلوم ہوا۔ کہ ان کے والد صاحب تشریف لے آئے۔

محمود - کیا واقعہ والد صاحب آئے ہیں۔ بڑا غضب ہو گیا۔ اب ہو چکی سیر و تفریح۔

سب اظہار افسوس کرتے ہیں۔ اور میاں محمود تو ایسے فرار ہو گئے جیسے اس محفل میں تھے ہی نہیں۔ اب سب مشورہ کرنے لگے۔ کہ آخر کس طرح سے ہو گا جب ایک شخص نہیں ہے تو بے لطفی رہیگی دوسرے گاڑی بھی نہیں ملی۔ ہماری کی کرائی محنت بیکار گئی۔

مسٹر گمنام - بھیا کس کا ارادہ سیر و تفریح کا ہو نہ ہو بندہ تو جائے تو ضرور جائیگا۔

ایک صاحب - ارے یار تو چاء بناؤ شاید تم کو رات بھر جاگنا پڑے مگر اسٹو پر بناؤ (اسٹو سلگتا ہے)

مسٹر گمنام ادھر کیا باتیں ہو رہی ہیں شاید تم نے سنی ہو۔

ایک صاحب - ارے یار جانے بھی دو کوئی کہتا ہے شکار کو چلیں یا نہ چلیں۔ ذرا اسٹو کو پمپ کر دو تاکہ چاء جلد پک جائے۔

مسٹر گمنام - مسٹر گمنام پمپ پر پمپ لگا رہے ہیں پانی تو جب ہی کھولیگا جبکہ اس میں اسٹو کی حرارت پیدا ہو جائے لیکن کیا مسٹر گمنام کوئی سائنٹسٹ ہیں جو بیچارے ان باتوں کا خیال کریں گے۔ پمپ پر پمپ ہو رہے ہیں آخر کار پمپ کا جھٹکا ایسا لگا کہ دیگچی کا پانی تمام نیچے پجامہ پر سے لیا جو قریب تھا کہ کھوسے۔ پائجامہ پنڈلیوں میں بالکل تنگ تھا پانی سے تمام پیر جلگیا۔ اور مسٹر گمنام اپنی جلی ہوئی ٹانگ کو ایک ہاتھ میں لئے ہوئے کود رہے تھے اور اپنی حماقت پر بہت نادم تھے اور چاء کو برا بھلا کہتے تھے

خدا خدا کرکے جب پیر کی جلن کم ہوئی تو ذرا بیٹھ گئے لیکن ہم تمام صاحب بہت ہی ہنس رہے تھے۔ اور ہماری حالت نہ معلوم کیا سے کیا ہو گئی۔ مسٹر گمنام کی تو مارے آگ سے تو جا رہی ہے۔۔

میاں ۔ بھائی گمنام ذرا چائے خوب پینا ایسا نہ ہو کہ نیند آ جائے اگر تم گاڑی میں سونے لگے تو ہم تم کو گاڑی سے نیچے اتار دیں گے اور انشاء اللہ آخر تک نہیں بیٹھنے دیں گے۔

مسٹر گمنام ۔ ارے یار اس کمبخت چائے نے تو میرا پیر جلا دیا اب ذرا سی چائے جو کمبخت بغیر گناہ کئے ہوئے ہم کو کاٹتی ہے۔ اگر ہم اس کو کاٹتے تو پھر اس کا کیا حشر ہوگا۔ اچھا چائے تجھکو صبح دکھا دوں گا جب تو میرے سامنے کپ میں آئے گی۔ اگر تجھے مع کپ کے نہ پھینک دوں تو مجھے مسٹر گمنام نہیں کہنا بلکہ تیرا غلام کہنا ۔

۔ تیار ہو جاؤ گاڑی آ گئی۔ سب کو خوش ہو جاتی ہیں

ماسٹر صاحب ۔ خیر جو ہوا ہوا اب جلد چلئے تاکہ گنگا پر پہنچتے پہنچتے صبح نہ ہو جائے۔ گاڑی تیار ہے۔ ارے جمال تمام سامان ساتھ رکھنا۔ دوربین اور گلاس ضروری ہے۔ اور پاندان۔ پاندان افسوس میاں محمود ایسے جلسے میں ہم سے جدا ہیں۔ اگر وہ ہوتے تو کیا لطف آتا

مسٹر گمنام ارے بھئی افسوس تو ان کے نہ رہنے کا ہیں بھی ہے لیکن ہمارے ۔۔ ب۔ ا۔ و۔ ب۔ ڑ۔ ن۔ گ

ماسٹر صاحب ۔ یار مذاق کرو ۔

اور جلدی گاڑی میں سوار ہو جاؤ۔ ہم سب گاڑی پر سوار ہو گئے اور خدا خدا کر کے گنگا کی راہ لی ہم لوگ یہ بات نہیں جانتے تھے۔ کہ جناب ماسٹر صاحب کو دمے کا عارضہ ہے۔ لیکن چونکہ اس رات سردی تھی۔ اس لئے راستہ میں ان کو ذرا دمے کا دورہ ہوا تھا۔ لیکن خدا نے خیر کی کہ دمہ فوراً ہی رک گیا۔ اور بالکل اچھے ہو گئے جس سے ہم لوگوں کو بھی چنداں اطمینان ہوا۔ اور سب آرزومند ہیں۔ کہ گنگا کو دیکھیں۔ صبح صبح تقریباً ۶ بجے کے قریب ہم لوگ گنگا کے کنارے پہنچ گئے۔ اور سورج نکلنے کا بڑی دیر سے انتظار کر رہے ہیں۔

مسٹر گمنام :۔ سب تو سب جب ہم گنگا کی سیر کریں گے تو ہماری بیل گاڑی کون سنبھالے گا۔

میاں قاسم ۔ ارے یہ تو بہت آسان بات ہے۔ مگر ماسٹر صاحب ذرا آپ نیچے اتر جائیے اور اپنی ہیٹ اپنے سر پر رکھ لیجئے تاکہ ایسے معلوم ہو کہ کوئی پولیس کے افسر ہیں ورنہ یہاں کے لوگ تو بہت ہی ویسے ہیں کہ کسی کی نہیں سنتے ہیں۔

ماسٹر صاحب ۔ اچھا دیکھو میں اپنے ڈریس کو آئینہ میں دیکھ کر ٹھیک کر لوں۔ تم مسٹر گمنام دوسرا کام یہ کرو۔ کہ بندوقیں ! نیچے گند پرے کرا ایسے کھڑے ہو جاؤ جس سے معلوم ہو کہ واقع میں کوئی بڑا افسر ہوں مگر یہ بات یاد رکھو ذرا بھی ہم لوگ ہنس پڑے تو راز فاش ہو جائے گا۔ دیکھو آدمی آ رہے ہیں ذرا بالکل خاموش کھڑے ہو جاؤ دیکھو قریب آ گئے ہیں۔

دیہاتی ۔ سلام صاحب سرکار آپ کدھر سے آئے ہیں۔ کیا تم پولیس کے افسر ہیں۔

سرکار ۔ ہاں۔ دیکھو بیل اور گاڑی لیجاؤ اور اسکو کسی کے حوالے کر دو۔ جب تک ہم ذرا یہاں شکار کرتے ہیں۔ اور پھر واپس آ جاتے ہیں

دیہاتی ۔ بہت اچھا (اچھا) آداب بیل اور گاڑی لیکر روانہ ہو جاتا ہے)

ماسٹر صاحب ۔ کہو مسٹر گمنام اور مسٹر قاسم کام کیسے بن آیا ورنہ کون پوچھتا۔ (دونوں ہم زبان ہو کر) واہ جب آپ سرکار ٹھہرے تو سب کام آسان ہیں۔

اب گنگا کی سیر کا لطف آ رہا ہے۔ کوئی مچھلی پکڑنے پر مشغل ہے۔ تو کوئی نہانے میں۔ جناب ماسٹر صاحب نے ایک جگہ مقرر کر لی بیٹھ گئے اور انتظار کر رہے ہیں کہ کوئی مچھلی اوپر آئے۔ اور میں اس کو ماروں۔ لیکن میں آپ سے سچ کہتا ہوں۔ کہ اس خدا کے بندے نے ایک مچھلی یا ایک ہرن میرے سامنے ماری ہو یا زخمی کی ہو۔ اگر ان دونوں مجھکو بندوق چلانا آتی تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کئی مچھلیاں مار لیتا۔ مگر یہاں نتیجہ بالکل مگر گنگا کی سیر کا تماشہ خوب کیا۔ اور خوب لطف اٹھایا واقع موسم گرما بھی خوب موسم ہوتا ہے۔ جب کہ گنگا قریب ہو۔

جس کسی نے یہ لطف نہیں اٹھایا اس نے موسم گرما کا کوئی لطف حاصل نہیں کیا۔ اور اس کو یوں ہی بُرا بھلا کہکر چھوڑ دیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ موسم گرما اچھا موسم ہے سب کچھ ہوچکا اب واپسی کی تیاری ہورہی ہے۔ شام کا وقت ہوچکا ہے۔ چاند نے تھوڑی تھوڑی روشنی دینی شروع کردی ہے۔ اور شام کا ٹھنڈا وقت اور گاڑی کا سفر عجیب بہار دیتا ہے۔ کم نصیب ہیں وہ لوگ جن کو ایسے سفر میسر نہ ہوتے ہوں۔ امیر تو موٹروں میں سفر کرتے ہیں۔ لیکن ایک غریب سے بیل گاڑی کے سفر کا لطف دریافت کیجئے کہ وہ کیسے مزے لے لیکر آپ کے سامنے بیان کرتا ہے۔

اب سب لوگ گاڑی میں سوار ہوگئے ہیں۔

ہم لوگوں نے گنگا کو سلام کیا اور روانہ ہوگئے راستے کوئی دس بجے ہیں۔ ہر صاحب باری باری سے گاڑی بان کا کام انجام دیتا ہے لیکن ایک صاحب ہم میں سے اس کے بڑے مستفید تھے۔ انہوں نے ذمہ لیا کہ ہم آپ لوگوں کو آخری منزل تک پہونچا دیں گے۔

گاڑی بان ۔ اچھا سب آرام سے بیٹھے رہو اور اب گاڑی بانی کا کام میں انجام دوں گا۔

ماسٹر صاحب ۔ دیکھنا صاحب گاڑی آہستہ آہستہ چلے چونکہ رات کا وقت ہے۔ سردی بھی کسی قدر معلوم ہورہی ہے۔ اور مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرا سانس پھول رہا ہے۔

مسٹر گمنام ۔ اچھا سرکار آپ اطمینان رکھیئے۔ آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی ہم سب آپکے خادم ہیں۔

ماسٹر صاحب ۔ مسٹر قاسم ذرا اس بیہودہ کو گاڑی کے نیچے کردو اور اس کو اب بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔

قاسم نے فوراً لات مار کے گاڑی سے نیچے مسٹر گمنام کو گرا دیا۔ سب ہنس پڑے۔

مسٹر گمنام کو اس بات کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ کہ مجھکو تمام نے گاڑی سے اُتار دیا ہے لیکن دل ہی دل میں خیال کرتا ہے کہ آخر ایسی کون سی تدبیر کروں۔ جس سے یہ لوگ خود مجھے گاڑی پر بٹھالیں۔ اگر شرارت کروں تو یہ لوگ خفا ہو جائیں گے۔ اور مجھے گاڑی میں نہیں بیٹھنے دیں گے۔ ماسٹر صاحب یہ تو بتایئے کہ آپ کے دمہ کی کیا حالت ہے۔

ماسٹر صاحب ۔ ارے میاں ابھی ویسا ہی ہے۔ قاسم ذرا مجھے سردی معلوم ہوتی ہے۔ تم دری جو گاڑی میں فرش کا کام دے رہی ہے۔ سوتا ہوں تم مجھ پر ڈال دو۔

مسٹر قاسم ۔ اچھا سرکار سو جاؤ۔ لو ڈال دیا شاید اب سردی رُک جائے۔

مگر یاد رہے کہ مسٹر گمنام کبھی خاموش رہنے والے نہ تھے اور ایسے وقت پر جبکہ ان کو گاڑی سے اُتار دیا گیا۔ تمام اس سفر کی وجہ سے سُست تھے۔ مسٹر گمنام گاڑی سے دو ہوکر چلے گئے اور ایک نیم کے درخت کے نیچے جس کا سایہ بہت ہی گہرا تھا گاڑی کا راستہ روک کرنا لے کے اوپر کھڑے ہوگئے۔ اور بدن سے اپنی سفید شیروانی کو اتار لی۔ اور ایک ہاتھ میں لے کر بالکل تیار رہیں کہ گاڑی آئے۔ خدا خدا کرکے ابھی گاڑی پہونچی ہی تھی۔ کہ مسٹر گمنام نے اپنی سفید شیروانی اس گہرے سایہ میں کھڑے ہوکر ہلانا شروع کی۔ اگرچہ کہ تمام نے سمجھ لیا تھا لیکن بیچارے بیل کیا سمجھتے۔ بہت ہی بُری طرح بھڑک گئے۔ اور ہماری گاڑی کو بیچارے ایک چھوٹے سے نالے میں ڈال دیا۔ ایک وقت تھا کہ ماسٹر صاحب گنگا پر سرکار بن گئے تھے۔ گاڑی کے الٹتے ہی بیچارے ماسٹر صاحب موٹری کے گاڑی سے ایک گیند کی طرح اُچھل کر کوئی دس بارہ قدم کے فاصلے پر گرے اور گاڑی بان کو لگے بُرا بھلا کہنے۔ تمام لوگ گھبرا رہے تھے کہ کہیں ہمارے سرکار صاحب کو چوٹ نہ آئی ہو سب نے سرکار صاحب کی مزاج پرسی کی اور ان کو اٹھایا اور مسٹر گمنام سے کہنے لگے۔ میاں بھلا اگر تم یہ شرارت نہ کرتے تو کیوں یہ وقت مصیبت اٹھانی پڑتی۔

مسٹر گمنام اگر آپ ہمیں گاڑی سے علیحدہ نہ کرتے۔ تو ہم کیوں پیدل چلتے۔ یاد رکھو نیکی کا بدلہ نیکی۔ اور بدی کا بدلہ بدی ہے۔

(باقی آیندہ)

(طابع و ناشر۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ ایڈیٹر سعید انصاری)

رجسٹرڈ ایل ۱۱۱
پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دھلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

(طابع و ناشر۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایڈیٹر سعید انصاری)

پیام تعلیم

قیمت سالانہ
دو روپے
عہ

قیمت فی پرچہ
چھ پیسے
ا/ر

جلد ۱۰ | ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۳۱ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین و خریدار پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنا دے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں اور ساتھ ساتھ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک خریدار بنانے والے کو ۲ کی قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانے والے کے نام ایک سال کے لئے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائے گا۔

منیجر

معلمین و مدرسین

(آزاد صاحب)
(گذشتہ سے پیوستہ)

وہ راستہ مین چلے گا تو پتھر کو ٹھوکر لگاتا ہوا ٹریم، ٹھیلہ گاڑی، تانگہ، یکہ، موٹر وغیرہ کے پیچھے سر پر بستہ رکھ کر دوڑتا ہوا اور جو اس کا بس چلے گا تو ٹریم، ٹھیلہ، گھوڑا گاڑی، موٹر کے پیچھے چڑھ جائیگا یا بیٹھ جائیگا اور جب ڈرائیور گالی دے گا یا چابک لگائیگا تو اتر جائیگا لیکن خود بھی گالی بکے گا یا بکتا ہوا پیچھے دوڑے گا ورنہ پھر ڈھیلا پھینکے گا اور آپ اس کے کپڑے دیکھیں تو یوں نظر آئیگا کہ گویا ابھی ابھی قبر مین سے یا کسی بدبودار نالی مین سے نکلا چلا آرہا ہے اور اس اصول پر کاربند ہے کہ مٹی سے بنے ہین اور مٹی ہی مین ملنا ہے۔ اس کے کرتوں، قمیصوں، اسٹیر وانیوں اور کوٹوں مین بٹن نہین ہو گا بلکہ وہ دھاگے سے باندھے ہوئے ہو گا یا دو ایک سیفٹی پن سے اٹکائے ہوئے ہو گا، حالانکہ بٹن پیسے کے بارہ آتے ہین اور سیفٹی پن صرف ایک۔ اس کے کپڑے ہمیشہ پھٹے ہوئے ہوں گے جو اکثر ناک پوچھنے کے کام مین آتے ہوں گے اور موزے تو اس کے بی۔اے تک ناقص رہین گے۔ رومال

کے استعمال سے بالکل آزاد ہو گا کیونکہ اس کی آمیزش کیا اس کام کے لئے کم ہے۔

غرضکہ کہاں تک اس تفصیل کو طول دوں، یہ تو ایک علیٰحدہ باب ہے، بس یوں سمجھئے کہ اس قسم کے مزموم اور اخلاق سے گرے ہوئے نمونے اس کے ہر فعل میں نظر آئیں گے، لیکن یہ تمام باتیں کیوں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے بلکہ ہم تو بچوں کو بہت سی باتوں کے "جتا دینے" کے چکر میں ہیں اس سے کوئی غرض نہیں کرتے بچے کی تربیت ہی ٹھیک ہو رہی ہے یا نہیں، حالانکہ ٹریننگ کرنے کی چیز بچہ ہے نہ کہ اسباق۔

تو کہنا یہ ہے کہ جب سے معلمی اور مدرسی بطور پیشہ برتا گیا اس وقت سے یہ ساری خرابیاں پیدا ہونے لگیں کیونکہ اب بچہ کو تربیت دینے کے خیال سے تو پڑھایا نہیں جاتا بلکہ ڈیوٹی پوری کرنیکے لئے درس و تدریس کا کام انجام دیا جاتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ آج کل کے مدرسین میں وہ روحانی طاقت اور اخلاقی قوت تو موجود نہیں جس سے طلباء کی قسمتیں یک بہ یک بدل جایا کرتی تھیں اور ان کی مزموم حرکتیں اوصاف حمیدہ میں تبدیل ہو جایا کرتی تھیں اور اگر ہیں تو ان کا عملی طریقہ انہیں تک محدود ہے وہ اپنے طریقہ کار سے طلباء کو متاثر کرنیکی قوت اور طاقت نہیں رکھتے۔ پھر کیرکٹر بلڈنگ پیدا ہو تو کیسے؟

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سری قسمت کے پلٹنے والے ایک استاذ ہی صاحب ہیں، جن کا میں ہمیشہ مدح خواں اور مشکور رہوں گا، گو ان کی روحانی قوت اسقدر بڑھی ہوئی نہیں لیکن ان کی اخلاقی طاقت سے ہم ایسے طلبا کی قسمت کو پلٹ دیا، نہ صرف ہندو بلکہ مسلمان طلبا بھی ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ان کی ایک دن کی گفتگو نے میری زندگی میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا، میں چور تھا، رہزن تھا، آوارہ تھا، ایسے ہی والدین کا کہنا نہیں مانتا تھا، دن بھر لٹو اور آندھی میں پھرا کرتا تھا مدرسہ سے بھاگ آتا تھا محلہ کے لڑکوں کے والدین اگر اپنے لڑکوں کو میرے ہمراہ دیکھ لیتے تھے تو اپنے لڑکوں کو پیٹتے تھے لیکن ان کی ایک دن کی گفتگو نے اور پھر برابر ہمدردانہ سلوک نے یہ ساری باتیں رفوچکر کر دیں اور آج میں کم از کم بھلا مانس کہے جانے کے مستحق ہوں غرضیکہ

ان کا دل جوش عمل سے لبریز ہے اور وہ کسی طالب علم کو خواہ ہندو ہو یا مسلمان بگڑتا ہوا دیکھنا پسند نہیں کرتے، وہ ہندو ہیں، آریہ ہیں، اپنے مذہب کی باتوں کی سختی سے پابندی کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی اپنے مذہب کی سختی کے ساتھ پابندی کریں۔

غرضکہ گذشتہ زمانہ کے معلمین اصلی معنوں میں معلم تھے ان کا طریقہ تعلیم ایسا ہوتا تھا کہ وہ بھی خوش رہیں اور لڑکے کے والدین بھی خوش رہیں وہ طلبا کو اپنی اور والدین کی کوفت اور پریشانی کا موجب نہیں بننے دیتے تھے۔ وہ مدرسی اور معلمی کا کام بیحد ذمہ داری سے انجام دیتے تھے اور اس اصول سے واقف تھے کہ بچے اساتذہ کے ہر فعل اور ہر قول کی نگرانی کرتے ہیں لہذا ان کی ذراسی غلطی بچے کے لئے تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتی ہے یا ہو جائے گی وہ کسی غلطی کا تدارک شروع ہی میں کرتے تھے وہ ٹالتے نہیں تھے وہ یہ ذہنیت نہیں رکھتے کہ "وہ ابھی بچہ ہے ابھی رہنے دو" ان کی علم اور تعلیم دینے کی خواہشات ہر وقت بیدار ہوتی تھی، ان کو ہرگز اس بات کی پروا نہیں ہوتی تھی کہ کوئی ان کی تعریف کرتا ہے یا نہیں یا ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے ان کی تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے یا نہیں اور اس زمانے میں تنخواہ کا مسئلہ ہی کہاں تھا نہ پیشے کے طور تعلیم دیتے تھے اور نہ تنخواہ کا خیال پیدا ہوتا تھا، لہذا تنخواہ کے مسئلہ سے بے نیاز تھے۔ وہ بیحد وقت کے پابند ہوتے تھے اور صبر و استقلال سے کام کرتے تھے۔ ان کو جو سبق دینا ہوتا تھا اس سے پوری واقفیت اور اس سے پورا علم رکھتے تھے، لہذا ہر مسئلہ کو پوری طرح ذہن نشین کراتے تھے ان کی ذاتی استطاعت جو کچھ بھی ہوتی تھی اس کو وہ عملی طور پر طلبا کے سامنے پیش کرتے تھے تاکہ طلبا اس سے متاثر ہوں ان کی زندگی بالکل عملی ہوتی تھی اپنی زندگی اس طرح بسر کرتے تھے کہ طلبا اچھا ہی سبق حاصل کریں وہ نمونہ ہوتے تھے لہذا ان کا ہر فعل اور ہر قول اثر کئے بغیر نہیں رہتا تھا، ان خلوص تھا اور ان کے پیش نظر بچے کی تربیت ہی ہوتی تھی نہ کہ دوسرے کام اور شغل۔ وہ بچے کے ہر فعل کی نگرانی ہر وقت کیا کرتے تھے، ان کے سامنے بچے کی چھپی ہوئی قوتوں کو بیدار کرنا اور ابھارنا ہوتا تھا، وہ بیحد ہمدرد ہوتے تھے اور اپنے شاگردوں سے بیحد محبت کرتے تھے اور اپنے شاگردوں پر فدا ہوتے

تھے اور وہ اپنے شاگرد کے دلدادہ نتیجہ اچھا اور بہت ہی اچھا ہوتا تھا۔

برخلاف اب نظریہ بالکل بدلا ہوا ہے اور کچھ اور ہی ذہنیت ہو گئی ہے، اب ہم معلمین کے قابل اور ناقابل یا کم قابل ہونے کا اندازہ ان کی بظاہر ذاتی قابلیت اور استعداد سے لگاتے ہیں، اگر معلم یورپ یا امریکہ زدہ ہے تو وہ بہت قابل خیال کیا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے کہ کوئی ندوۃ العلما واپس ہو کر چلا آرہا ہے تو وہ کم قابل یا ناقابل ہے یعنی اپنے شاگردوں کو تعلیم دینے کی قابلیت کم رکھتا ہے یا نہیں رکھتا ہے اسی طرح اگر کسی استاد کے آگے بی، آئی، پی اڈنبرا لکھا ہے تو وہ بہت قابل ہے لیکن اگر صرف احمد سورتی ہے تو وہ کم قابل ہے۔ لیکن اگر سوال کیا جائے کہ یہ صرف سورتی زیادہ عملی ہے یا وہ اڈنبرا، اُن کی زندگی طلبا اثرانداز ہوتی ہے یا اِن کی اُن کی زندگی سے طلبا سبق سیکھتے ہیں یا اِن کی۔ اُنھوں نے زیادہ اچھے شہری بنائے یا انھوں نے تو جواب کچھ کچھ سورتی کے حق میں ہوگا۔

لہذا صرف یورپ واپس کو تعلیمی امور میں بہت زیادہ قابل خیال کرنا ایسا ہی غلط ہے جیسا فن تیراکی پر اسباق حاصل کئے ہوئے انسان سے یہ توقع کرنا کہ وہ تیرے گا تو ڈوبے گا نہیں، یا اگر کوئی ڈوبتا ہوگا تو وہ نکال لیگا،

ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس بنارس میں ایک صاحب نے ایک مضمون پروفیسر کے عنوان سے پڑھا تھا، اس میں جو تقریر کی گئی تھی وہ بالکل ٹھیک اور صحیح تھی کہا گیا تھا کہ موجودہ پروفیسر بھی ایک قسم کی مشین ہوتا ہے جس میں نہ صرف پرانے تجربے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور وہی وہ اپنے طلبا کے سامنے ہر سال روزانہ کلاس میں پیش کر دیا کرتا ہے اور کئی سال تک انہیں تجربوں کو بطور نوٹ کے لکھائے جاتا ہے اور کسی نئی بات کے پیش کرنے سے بالکل قاصر ہوتا ہے کیونکہ وہ چھان بین کرنے کی زحمت اٹھانا نہیں چاہتا، لہذا اپنے طلبا کے سامنے کوئی جدید خیال پیش کرنا کسی تحقیق پر طلبا کو آمادہ کرنا اس کے دائرۂ خیال سے باہر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ لیکن یہ بحث بذات خود ایک عنوان ہے، ہندوستان میں معلمین اور مدرسین کے کئی ایک نمونے ہیں جن کو انشاء اللہ کسی اگلی اشاعت میں پیش کروں گا

اخیر میں صرف یہ کہنا ہے کہ موجودہ اساتذہ کی پود، خاصکر وہ جو ابتدائی اور درمیانی درجوں کو تعلیم دیتی ہے حد درجہ ناقص اور قابل رحم ہے، یہ اصول تعلیم سے حقیقتاً بے خبر ہے،

بقیہ مضمون گندک یا سلفر صفحہ ۷

ساتھ ملکر ان کے سلفیٹ بناتی ہے۔ یہ گیس سلفیورک ترشہ یعنی گندک کے تیزاب کی صنعت میں کام میں آتی ہے۔

سلفیورک ترشہ یعنی گندک کا تیزاب

اس کے بنانے کے دو طریقہ ہیں ایک میں تو حرارت سے سلفیٹ کی تحلیل کی جاتی ہے اور دوسرے میں سلفر یا پائرائیٹس کو جلا کر سلفر ڈائی آکسائڈ میں تبدیل کیا جاتا ہے اور پھر اس کو آکسی ڈائز کرکے سلفر ٹرائی آکسائڈ بنائی جاتی ہے جس سے سلفیورک ترشہ حاصل کیا جاتا ہے موجودہ دور میں آکر پہلا طریقہ ختم ہوچکا ہے اب صرف دوسرا باقی ہے۔ دوسرے طریقہ میں آکسی ڈیشن کا کام یا تو نائٹروجن کے آکسائڈز اور ایسڈ سے بھاپ پانی کی موجودگی میں لیا جاتا ہے جیسا کہ خشتی کروں کے طریق میں ہے یا پھر پرسیپر یا منقسم پلٹینم کے ذرات یا لوہے کے آکسائڈ کی موجودگی سلفر ڈائی آکسائڈ کو سلفر ٹرائی آکسائڈ آکسی ڈائز کردیتی ہے۔ اس طریقہ کو طریق میلاں یا کنٹیکٹ پروسیز کہتے ہیں

گندک بہت ہی کارآمد چیز ہے۔ ہزارہا من خرچ ہوجاتی ہے۔ معمل میں دن رات اس سے واسطہ رہتا ہے۔ یہ الیکٹرو پلیٹنگ میں بھی کام میں آتی ہے۔ زیورات کے صاف کرنے اور ان پر ملمع کرنے میں سنار بھی اس کو بہت کام میں لاتے ہیں برقی مورچوں کے کام میں آتی ہے غرضیکہ اس کے ہزارہا استعمال ہیں جنکو اگر بیان قلمبند کیا جائے تو ایک دفتر کا دفتر لکھا جا سکتا ہے

گندک یا سلفر

رفعت حسین صاحب

(گزشتہ سے پیوستہ)

جو کچھ ان چاندکے دہانوں میں نظر آئیگا اس کا دسودیس کے ۱۸۶۶ء کے واقع سے بہت کچھ معمہ حل ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کے چشم دید حالات ایک صاحب نے لکھے ہیں جن کا یہاں پر بیان کرنا بیجا نہ ہوگا۔ وہ ہم بالآخر دسودیس کے چوٹی پر پہونچ گئے جس میں تقریباً سوا گھنٹہ لگا۔ وہاں ہمنے صرف ایک گول دہانہ دیکھا جس کو گول خندق ہی کہا جاسکتا ہے جسکی اندرونی دیوار کا محیط نصف میل ہوگا۔ اس کے درمیان ۰۰ فٹ اونچی مٹی کا انبار تھا جس کے اوپر چمکتی ہوئی گندک چھائی ہوئی تھی جو بہت خوبصورت معلوم ہوتی تھی یہاں اس دیوار کی وہی اہمیت تھی جو کہ قلعہ کے اردگرد خندق کی ہوا کرتی ہے یا یوں کہئے کہ وہ نظارہ تھا جیسے کہ کسی جزیرہ کے گرد ایک چھوٹا سا دریا بہتا ہو۔ جزیرہ کی گندک کی تہ بہت ہی خوشنما معلوم ہوتی تھی۔ لال۔ نیلے۔ خاکی۔ کالے۔ پیلے۔ سفید سب ہی رنگ معلوم ہوتے تھے لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا یہ سب رنگ تھے یا ان کا عکس تھا۔ اور جبکہ صبح کے وقت سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں ان پر پڑتی تھیں تو دسودیس مثل جڑے ہوئے تاج کے جگمگا اٹھتا تھا۔ اگرچہ دہانہ یعنی خندق میں یہ رنگا رنگی رانی نہ تھی لیکن اسکی ملائمیت۔ اسکی چکناہٹ بہت ہی غضب کی تھی۔ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ نہایت دلکش تھی اور خاص کیفیت پیدا کرتی تھی۔ وہ واقعی خوبصورت تھی۔ اس کو ہفتوں بغیر تھکے ہوئے انسان دیکھ سکتا ہے میرے دل پر اس کی ایک سبزہ زار کی سی کیفیت طاری تھی جس کی پتلی و ملائم گھاس اور جس کی مخملی کاہی پر الماس لگے ہوئے ہوں اور جس پر جا بجا مختلف رنگ نظر آتے ہوں کہیں تو وہ سبزی مائل کپاسی ہوں اور کہیں سبز کاہی۔ کہیں خاکی ہوں تو کہیں نارنگی اور کہیں سنہرے اور اس پر خوبی یہ کہ نئے کھلے سرسبز و شاداب گلاب کے مانند معلوم ہوں۔ جہاں پر یہ رنگینیاں نہ تھیں اور ایسے سبزہ زار کے آثار نہ تھے تو وہاں گندک کی کپاسی بیل عجیب بہار دکھا رہی تھی۔ بجائے بدنمائی کے ایک خاص خوب صورتی پیدا کر دی تھی۔ خندق کی دیوایں زرد گندک اور رنگ برنگ کے لاوے اور پتھروں کی وجہ سے زرق برق معلوم ہوتی تھیں۔

اگر اس کو سو گنا بہتر خیال کیا جائے تو شائد چاند کے آتش فشانی دہانوں کا اندازہ ہو سکے۔

اس تمام بحث سے ناظرین یہ نہ خیال کرنے لگیں کہ تمام گندک آتش فشانی کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ بعض جراثم کی کارگذاری کا ہی نتیجہ ہے۔ جو کہ بعض پانی اور نم جگہوں میں کروروں کی تعداد میں موجود ہوتے ہیں یہ جراثیم اس قدر گندک لیتے ہیں کہ ان کی ترکیب میں دس تا ۹۰ فیصدی گندک ہو جاتی ہے۔ بعض کے اجسام میں گندک چھوٹے چھوٹے ذرات کی شکل میں ہوتی ہے۔ ایسے سیکڑوں جراثم نے یورپ کے مختلف حصوں میں بے شمار گندک کے ڈھیر لگا دے ہیں۔ ان میں سے خاص مقامات کے نام حسب ذیل ہیں۔ اربیواور ریگیو واقع اٹلی۔ رادوبائے واقع کرداتیا۔ گرگینی واقع سسلی۔ جیسے ہم کاربن کے جلنے یا آکسی ڈائز ہونے سے قوت حاصل کرتے ہیں اسی طریقہ سے یہ جراثم بھی گندک کے آکسڈا سے قوت پاتے رہیں۔

ہمارے اجسام میں بھی گندک موجود ہے بلکہ تمام ذی حیات مادہ میں پائی جاتی ہے۔ بعض گیسوں سے بھی اس کا اخراج ہوتا ہے مثلاً جب انڈے گندے ہوں یا کوئی حیوانی مادہ سڑتا ہو تو اس میں سے ایسی گیسیں خارج ہوتی ہیں جن میں گندک بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بال۔ اور اون وغیرہ میں بھی یہ موجود ہے۔ زندہ مادہ میں جو گندک ہے اس کا فعل ابھی تک نہیں معلوم ہوا ہے لیکن خیال ہے کہ گذشتہ زمانہ میں گندک ہمارے اجسام میں بہت زیادہ رہی ہوگی لیکن جیوں کہ ارتقاء اپنے مدارج میں ترقی کرتی گئی اس کی تعداد میں کمی آتی گئی اور اب انتہائی حالت

پر برائے نام رہگئی ہے اور نہیں معلوم کہ اس کا کیا کام ہے۔

زمین میں بھی گندک آزاد حالت ہی میں نہیں بلکہ مرکبات کی شکل میں کثرت سے جمع ہے۔ یہ مرکبات دو صورتوں میں پائے جاتے ہیں (۱) سلفائڈ مثلاً پائرائٹس (FeS_2) کاپر پائی رائٹس ($CuFeS_2$) گیلینا (PbS) زنک بلینڈ (ZnS) وغیرہ وغیرہ (۲) سلفیٹس مثلاً جپسم ($CaSO_4$) بیرائٹ ($BaSO_4$) سیلسٹائٹ ($SrSO_4$) وغیرہ وغیرہ۔

گندک کی کھپت دنیا میں آٹھ لاکھ ٹن ہے اور سسلی نے ۱۹۱۱ء میں تقریباً چار لاکھ ٹن بہم پہونچائی لیکن آجکل لوسیانا اور ٹکساس سے زیادہ تر حاصل کی جاتی ہے۔ کچھ گندک جاپان اور نیوزی لینڈ سے بھی حاصل کی جاتی ہے۔

حالات کے بعد اگر ہم گندک کے کچھ خواص کے بابتہ بیان کریں تو بیجا نہ ہوگا یہ پیلے رنگ کی ٹھوس شئی ہے۔ پانی میں ناحل پذیر ہے کاربن بائی سلفائڈ اور سلفر مانو کلورائڈ میں آزادانہ حل ہو جاتی ہے۔ اس کا نقطۂ اماعت ۱۱۴۰۵ درجہ مئی ہے۔ جب جلتی ہے تو نیلا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اور کچھ زہریلی دم گھوٹنے والی گیس خارج ہوتی ہیں۔ یہ گندک ۹۵۰۵ درجہ سے پست تر تپش پر قیام پذیر ہے۔ اس تپش سے اوپر یکمائل گندک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس معمولی گندک کو معین نما گندک یا رہومبک یا سلاخی یا اوکرسار گندک بھی کہتے ہیں۔ اس گندک کی کثافت اضافی یعنی پانی کے مقابلہ میں بھاری پن ۲۰۶ ہے۔ گندک کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ مختلف صورتوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور ان نئی شکلوں کی حالت میں خواص میں بھی فرق پڑجاتا ہے۔ ایسی حالت کو بلشکل یا پالی مارفزم POLYMORPHISM کہتے ہیں

گندک کی ایک شکل کی بابتہ ذکر کیا جاچکا ہے۔ دوسری شکل کا نام یکمائل گندک یا مانوکلنک گندک ہے۔ جب معمولی گندک کی بہت زیادہ مقدار پگھل کر آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور پیشتر اس کے کہ سب ٹھوس ہو جائے اس کی اوپر کی سطح میں سوراخ کرکے باقی ماندہ مائع کو نکال لیا جائے تو اس خول کے اندر گندک کی لمبی لمبی شفاف قلمیں ملتی ہیں جن کا نقطۂ اماعت ۱۲۰ درجہ اور کثافت اضافی ۱۰۹۶ ہے۔ یہ ۹۵۰۵ درجے اوپر اور نقطۂ اماعت سے نیچے قیام پذیر ہے اگر معین نما گندک ۹۵۰۵ سے زیادہ تپش پر لیکن ۱۲۰ سے پست تر تپش پر رکھا جائے تو وہ آہستہ آہستہ یکمائل گندک میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ گندک کی دوسری کیفیت ہوئی۔ اس کی تیسری شکل مائع گندک کے نام سے مشہور ہے۔ جب پگھلی ہوئی گندک گرم کی جاتی ہے تو وہ آہستہ آہستہ متغیر ہونا شروع ہوتی ہے اور جبکہ ۱۵۰ تا ۱۸۰ درجہ پر پہونچتی ہے تو نمایاں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس درجہ تپش سے پہلے یہ زردی مائل سریع السیلان سیال کی شکل میں ہوتی ہے لیکن اس کے بعد یک بیک تاریک بھوری اور اسقدر گاڑھی ہو جاتی ہے کہ اگر برتن کو الٹ دیا جائے تب بھی نہ گرے۔ اس درجہ کے بعد لزوجیت کم ہو جاتی ہے اور ۴۴۴۰۷ درجہ پر مائع جوش کھا کر بخارات کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کو اس کی چوتھی شکل تصور کرنا چاہئے۔ جس طرح ۱۵۰ درجہ پر ایک خاص نمایاں فرق گندک کی شکل میں پیدا ہوتا ہے اسی طریقہ سے اگر جوش دی ہوئی گندک کو سرد پانی میں ڈال کر یک بیک ٹھنڈا کر دیا جائے تو وہ نیم سیال کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اسے لچکی یا ملائم گندک یا پلاسٹک گندک کہتے ہیں۔ چند روز کے بعد یہ سخت ہو جاتی ہے۔ اس میں دو طرح کی گندک پائی جاتی ہے۔ (۱) معین نما گندک جو کاربن بائی سلفائڈ میں حل پذیر ہے اور دوسری تقریباً ۳۴ فی صدی جو کہ اس میں حل پذیر نہیں۔ اس تمام بحث کو گراف کی شکل میں بھی دکھا سکتے ہیں۔ ذیل کی شکل میں ا ب تک معین نما گندک رہیگی اسکے بعد ب ج میں یکمائل گندک۔ ج د پر مائع گندک ہوگی اور اسکے بعد گیسی حالت ہو جائیگی۔

سیال گندک
نقطۂ اماعت معین نما گندک
گیسی گندک
یکمائل گندک
۱۲۰
۹۵۰۵
معین نما گندک

یہ واقعات گندک کی شکلوں کے متعلق ہیں اب اس کے کیمائی خواص اور فوائد کے متعلق بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

گندک دھاتوں کے ساتھ ترکیب کھا کر سلفائڈ بناتی ہے۔

بہت سے دھاتوں کے ساتھ بھی ترکیب کھاتی ہے۔ آکسیجن کے ساتھ ملکر سلفر ڈائی آکسائڈ اور سلفر ٹرائی آکسائڈ بناتی ہے۔ دھاتوں یا ہائڈروجن کی ترکیب میں گندک دو گرفتہ ہے یعنی اگر اس کی طاقت چھ خیال کی جائے تو دھاتوں کے ساتھ صرف دو کا استعمال کرتی ہے۔ سلفرٹیڈ ہائڈروجن کی ترکیب میں بھی دو گرفتہ ہے لیکن دھاتوں کے ساتھ اپنی انتہائی قیمت یا طاقت میں سے چنانچہ سلفر ٹرائی آکسائڈ میں چھ گرفتہ ہے۔ گندک سے اکثر ترشی ہوتے ہیں اس لئے یہ ادھاتی عنصر ہے۔

غرض خالص گندک کا یہ پائرائٹ کی شکل میں سلفر ٹرائی آکسائڈ کی صنعت میں جو سلفیورک ترشہ کی صنعت میں کام میں لائی جاتی ہے حصہ لیتی ہے۔ اون ریشم، تنکوں وغیرہ کا رنگ بھی اس سے کاٹا جاتا ہے پھلوں کو خشک بھی کیا جاتا ہے قلیوں کے سلفائٹس کی تیاری میں جو رنگ کاٹنے اور کاغذ بنانے کی صنعت میں استعمال کئے جاتے ہیں اس کا دخل ہے۔ کاربن بائی سلفائڈ کی صنعت میں بھی یہ کام آتی ہے ان صورتوں میں گندک کے خالص ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے خالص مرکبات سے کام لیا جاتا ہے لیکن بارود آتش بازی۔ دیا سلائی۔ ڈیلکنائٹ کی صنعتوں میں خالص گندک کی ضرورت ہوتی ہے۔ آٹے سار گندک سے انگور کے باغوں کے جراثیم کو ہلاک کیا جاتا ہے اور کم مقدار میں نباتات کی نشو و نما کے واسطے بھی بہت مفید ہے۔

اگر ہم گندک کے تمام مرکبات کی تفصیل میں جائیں تو مضمون بہت طویل ہو جائے گا اور ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی نہ ہوگی لیکن خاص مرکبات کا بیان کرنا بہت ضروری ہے۔

سلفرٹیڈ ہائڈروجن یا ہائڈروجن سلفائڈ H_2S یہ بغیر رنگ کی گیس ہے لیکن اس کی بو بہت خراب ہوتی ہے اور زیادہ تر ایسی ہوتی ہے جیسے کہ گندے انڈوں میں آتی ہے۔ گندے انڈوں میں بھی یہ پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ گیس پانی میں حل پذیر ہے اور ہلکے نیلے شعلہ کی طرح جلتی ہے۔ یہ گیس حیوانی مادہ کے سڑنے اور گلنے سے بھی پیدا ہوتی ہے اور گندی نالیوں اور پاخانوں وغیرہ میں بھی اس کی کثرت ہوتی ہے۔ اس کی بو ہی خراب نہیں ہوتی بلکہ ضرورت سے زیادہ زہریلی بھی ہے۔ غالباً کوئی گیس سوائے پروسک ترشہ کے بخارات کے ہلاک کرنے میں اتنی زود اثر نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص ایسی جگہ داخل ہو جہاں یہ بھری ہوئی ہو تو وہ فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑیگا اور ختم ہو جائے گا اگر ہوا میں یہ ۲ فیصدی بھی شامل ہو تو جانوروں کو دو ایک منٹ میں ہلاک کر دیتی ہے۔ اور اگر صرف ۰۰۱ فیصدی ہو تو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا۔ اس کا اثر اس قدر جلد ہوتا ہے کہ انسان نہ اپنی کہے اور نہ دوسروں کی سنے۔ ذہن کا ذہن ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اگر مددگار ایسی جگہ پہونچے تو ان کا بھی یہی حشر ہوتا ہے اکثر یہ نمک کی کانوں میں بھی نکلتی ہے اور آتش فشانی طبقہ میں زمین سے خارج ہوتی رہتی ہے۔ ایک مرتبہ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب کہ کچھ لوگ چسپا پیک بے Chesapeak Bay میں، سپتہ پوانٹ لائٹ ہاوس کے بنانے میں ۵۱ فٹ سمندر کی گہرائی میں ایک لوہے کے کمرہ میں دبی ہوئی ہوا کے تحت مشغول تھے تو دفعتاً یہ گیس پیدا ہوئی اور اس کمرہ میں داخل ہونا شروع ہوئی۔ اس میں ۳۵ انسان تھے۔ انھوں نے اس گیس کی بو کو محسوس کیا اور ان موم بتیوں کو دیکھا جو جل رہی تھیں تو معلوم ہوا کہ وہ شعلہ کے ساتھ جل رہی ہیں۔ ان لوگوں کی حالت خراب ہونا شروع ہوئی سب کو فوراً نکالا گیا۔ لیکن ان کو بالکل نظر نہ آتا تھا اور گلے میں بہت ہی سوزش و جلن محسوس ہو رہی تھی۔ تمام رات وہ لوگ بے چین پڑے رہے بمشکل تمام اس کمرہ کی یہ گیس نکالی گئی اور پھر پندرہ آدمی داخل ہوئے۔ یہ گیس بہت کم مقدار میں نکل رہی تھی اور کام کرنے والوں کی بخار جیسی حالت ہوگئی۔ ان کے بعد اور آدمی داخل ہوئے۔ لیکن پھر دفعتاً یہ گیس زیادہ مقدار میں نکلنا شروع ہوگئی چونکہ نکلنے کا راستہ تنگ تھا۔ صرف ایک آدمی نکل سکتا تھا۔ کچھ لوگ تو نکل گئے باقی ماندہ کی آنکھوں پر اثر ہوا اور وہ میں لوہے کی دیواروں سے ٹکریں مارنے لگے نگران میں گریفن نامی شخص بہت مضبوط تھا۔ اسنے رسی کو ہلایا اور ایک ایک آدمی کو اس میں باندھا جو کہ اوپر کھینچے لئے گئے۔ اس کے بعد آئرلینڈ کے باشندہ کی باری آئی جو کہ بہت ہی زیادہ موٹا تھا اور اٹھارہ انچ کے دروازہ سے نہ نکل سکتا تھا۔ گریفن نے اس کو بھی باندھ دیا لیکن باہر کے آدمی اس کو نہ کھینچ سکے تو وہ تیس فٹ اونچا زینہ چڑھا اور اسکو نکالا۔ خود بھی جانا چاہتا تھا مگر اس کی انگلیاں بہت کھچی ہوئی تھیں اور وہ پھسل کر نیچے آگرا رسی اس کو پہونچ گئی

اور اس نے تقریباً بے ہوشی کی حالت میں آپکو رسی میں باندھ لیا اور اوپر نکال لیا گیا لیکن چھ ہفتہ تک بالکل اندھا رہا - ان میں سے دو بہت عرصہ بعد اچھے ہوے اور ایک پاگل ہو گیا۔

ایک طرف تو اس گیس کی یہ خرابیاں ہیں مگر معمل میں اس سے بہت کام پڑتے رہتے ہیں۔ جب دھاتوں کے مرکبات کے محلول میں اس گیس کو گذارا جاتا ہے تو مختلف رنگ کے مختلف دھاتوں کے سلفائڈ کا رسوب حاصل ہوتا ہے - یہ گیس دو طرح کے نمک بناتی ہے۔ (۱) ترشی مثلاً ترشی سوڈیم سلفائڈ $NaHS$ (۲) طبعی مثلاً Na_2S طبعی سوڈیم سلفائڈ ترشی سلفائڈ اس طرح حاصل ہوسکتے ہیں کہ اگر حل پذیر اساسوں کے محلول میں یہ گیس بہ افراط گذاری جائے - معمل میں اس گیس کو کپ جیسے آلہ میں جس کی حسب ذیل شکل ہے بنایا جاتا ہے - اس میں تین گھڑے نما ایک دوسرے سے جڑے ہوے شیشے کے برتن ہوتے ہیں - اس آلے کے اندر فرس سلفائڈ ڈالا جاتا ہے اور اس کے اوپر ہلکایا ہوا نمک یا گندک کا تیزاب تو فوراً یہ گیس خارج ہونے لگتی ہے۔

سلفر ڈائی اکسائڈ - اس گیس سے بہت سے لوگ واقف ہیں یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ گندک جلائی جاتی ہے - جراثم کے مارنے میں یہ بڑی سخت قاتل ہے - اکثر لوگ جراثم کے مارنے کے لئے مکانوں میں گندک جلاتے ہیں جس مکان میں یہ جلائی جائے تو یہ بہتر ہوگا کہ اسکی قریب قریب تمام چیزیں باہر نکال لیجائیں اور عمل ختم ہونے کے بعد دروازے وغیرہ تازہ ہوا اور روشنی داخل ہونے کیواسطے کھولدئے جائیں تاکہ یہ نکل جائے

یہ گیس بھی بہت زہریلی اور دم گھوٹنے والی ہوتی ہے - پانی میں بہت حل پذیر ہے - اور اس سے ملکر سلفیورس ترشہ بناتی ہے - جس پانی میں یہ حل ہوئی ہوتی ہے اس سے رنگ کٹ جاتے ہیں - ریشم اور تنکے وغیرہ ان کا رنگ اگر رنگ کاٹ سفوف Bleaching powder سے کاٹا جائے تو خراب ہو جانے کا ڈر رہتا ہے تو ایسی حالت میں یہ سلفر ڈائی اکسائڈ کا محلول بہت کام دیتا ہے - یہ گیس معمل میں تانبے کے برادہ پر مرتکز گندک کا تیزاب ڈال کر بناتے ہیں - آمیزہ کو خوب گرم کرتے ہیں تو یہ گیس خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے ہوا سے بہت بھاری ہے - یہ گیس نہ تو خود جلتی ہے اور نہ چیزوں کے جلنے میں مدد دیتی ہے بلکہ جلتی چیزوں کو خاموش کر دیتی ہے - اس میں فوراً دم گھٹنے لگتا ہے - ۷۹ء میں پلینی جو کہ ملاح و سیاح و سائنس داں تھا اسی گیس کی نظر ہوا - جب کہ وسو ویس پہاڑ پھٹا تب تو وہاں یہ موجود تھا - اس نے لوگوں کی مدد کرنا چاہی اور ان کے قریب پہونچ گیا - مگر شعلہ اور گیسوں کی زیادتی ہوئی تو بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ ساحل پر آیا لیکن یہاں اور بھی زور تھا - ساتھی اور دوسرے لوگ بھاگ گئے اور یہ شخص جسنے ابھی ۲۶ سال کی عمر میں اس آفت میں حصہ لیا نہ رہا ہوسکا اور وہیں لقمۂ اجل بنا۔

آئس لینڈ میں ۱۷۸۳ء میں جب کہ آتش فشاں پہاڑ کی آتش انگیزی ہوئی تو اس گیس اور کاربن ڈائی اکسائڈ کی وجہ سے ۹ ہزار انسان اور ۲۵ ہزار مویشی دم گھٹ کر مر گئی -

سلفر ٹرائی اکسائڈ

یہ گیس معمل میں فاسفورس پنٹا اکسائڈ اور مرتکز گندک کے تیزاب کے آمیزہ کو گرم کرکے بنائی جاتی ہے - سلفر ڈائی اکسائڈ اور آکسیجن کے ملانے سے بھی یہ گیس بنتی ہے - معمولی طور پر یہ دونوں گیس نہیں ملتی لیکن اگر منقسم پلیٹنم کے باریک ذرات یا شیشہ وغیرہ کا ذرات ہوں تو ان کی موجودگی میں دونوں گیسوں میں میلان ہوتا ہے جس کا حاصل سلفر ٹرائی اکسائڈ گیس ہے - یہ گیس معمولی تپش پر مائع ہے اور زیادہ ٹھنڈے ہونے سے اس کی قلمیں حاصل ہوتی ہیں - جب ہوا میں کھول کر رکھا جاتا ہے تو اس کے بخارات ہوا کی رطوبت جذب کرکر سلفیورک ترشہ کے چھوٹے چھوٹے قطرہ بنا دیتے ہیں - اسی وجہ سے ہوا میں سلفر ڈائی اکسائڈ بہت دخان پذیر ہے - اس اکسائڈ میں پانی کا کچھ شائبہ داخل پا جائے تو اس کی اور سفید قلمیں حاصل ہوتی ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ دو شکلہ مرکب ہے - جب اس کے بخارات کو گرم کیا جاتا ہے تو اس کا سلفر ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن میں افتراق ہو جاتا ہے - جب اس کو پانی میں حل کیا جاتا ہے تو بہت گرمی پیدا ہوتی ہے اور اسقدر بھاپ نکلتی ہے کہ شائیں شائیں کی آواز آتی ہے جس طرح پانی کے ساتھ ملنے سے یہ ہائڈروجن سلفنٹ بناتی ہے اسی طرح دھاتی آکسائڈز کے

"ایک نائی کی کہانی"

(میر اصغر علی متعلم جامعہ ملیہ)

کسی شہر میں موہن لال نامی ایک بہت مالدار آدمی رہتا تھا وہ اپنے مذہب کا بہت پابند تھا۔ سخاوت میں بھی اس کا درجہ بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور وہ اس شہر کے معزز لوگوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ مگر زمانے کی گردش نے ایک ہی آن میں اس کی دولت کا عزت کا تختہ الٹ کر رکھدیا۔ اور وہ رفتہ رفتہ ایک غریب آدمی ہوگیا۔ جب کبھی اس کو اپنی امیری یاد آتی وہ بیچارہ دل ہی دل میں بہت کڑھتا۔

ایک رات وہ چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ یکایک اس کو اپنی امیری یاد آگئی۔ اس نے کہا کہ اس غریبی پر لعنت ہے۔ کیونکہ کہا ہے کہ

علم، عقل، شریف النفسی، صفائی، نیک چلنی، یہ تمام باتیں ایک مالدار مفلس ہو جانے کے بعد اچھی نہیں لگتیں۔ جب انسان غریب ہو جاتا ہے تو عزت، گھمنڈ، عقل وغیرہ سب ایک ہی ساتھ رخصت ہو جاتے ہیں۔

خدا کی رحمت کم ہو جانے سے بڑے سے بڑے عقلمند کی عقل تباہ ہو جاتی ہے اس کو ہمیشہ اپنے پیٹ بھرنے ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔

غریب آدمی کا گھر سوکھے ہوئے تالاب یا بغیر تاروں کے آسمان کی طرح ہے، وہ اچھا ہونے پر بھی بُرا ہی معلوم ہوتا ہے۔

شریف النسب، اور عالم فاضل کو چھوڑ کر بدچلن دولتمند کی طرف لوگ زیادہ راغب ہوتے ہیں، پڑھے لکھے لوگ بھی دولت مند ہی کو زیادہ بڑا مانتے ہیں۔

اسی طرح سوچکر اس کے دل میں خودکشی کرنیکا خیال پیدا ہوا، اور اسی خیال میں وہ سوگیا۔ سو جانے کے بعد اُسے ایک سادھو دکھائی دیا۔ سادھو نے اس سے کہا "اے موہن! مجھ پر تیرے باپ دادوں کا بہت احسان ہے تم کچھ فکر نہ کرو میں صبح اس لباس میں تمہارے مکان پر آؤں گا۔ تو میرے سر میں ایک لاٹھی مارنا میں سونے کا بن جاؤں گا۔

صبح جب موہن لال کی آنکھ کھلی تو اس کو اپنا رات والا خواب یاد آگیا وہ اپنے آپ سے کہنے لگا کہ "یہ خواب سچ ہے یا جھوٹ سمجھ میں نہیں آتا شاید جھوٹ ہی ہو۔ کیونکہ رات اور دن دولت ہی کی دھن میں رہتا ہوں۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد وہی سادھو جو اس کو رات خواب میں دکھائی دیا تھا۔ سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ سادھو کو دیکھ کر موہن لال کو بہت خوشی ہوئی۔ اور اس نے پاس سے ایک لاٹھی اٹھا کر اس سادھو کے سر پر ماری، جونہی اس سادھو کے سر لاٹھی پڑی وہ سر سے پیر تک سونے کا بن گیا۔ اتفاق سے ایک نائی بھی موجود تھا۔ جو موہن لال کی حجامت بنانے کی غرض سے آیا تھا۔ اور اس نے بھی یہ تمام واقعات دیکھ لیا تھا۔ موہن لال نے چند بیش قیمت کپڑے دیکر اسکو اس راز کے پوشیدہ رکھنے کی ہدایت کی۔

نائی اپنے گھر جاکر سوچنے لگا۔ شاید سب سادھو اسی طرح سر میں لاٹھی مارنے سے سونے کے بن جاتے ہیں میں بہت سے سادھوؤں کو بلا کر ان کے سر میں لاٹھی ماروں تاکہ وہ بھی سونے کے بن جائیں اور میرے پاس بہت ہو جائے۔ یہ سوچکر اس نے بہت سے سادھوؤں کو اپنے گھر پر جمع کیا۔ اور ان سب کو ایک لاٹھی سے پیٹنا شروع کیا۔ سادھوؤں نے چیخنا چلانا شروع کیا۔ ان کے شور و غل کی آواز سن کر گاؤں کے تمام لوگ جمع ہوگئے اور اس نائی کو پکڑ کر کچہری میں پیش کیا۔ جج نے نائی سے پوچھا کیا بات ہے؟ نائی نے جواب دیا، حضور میں کیا کروں میں نے سیٹھ موہن لال کے گھر میں ایسا ہی کام ہوتے دیکھا تھا۔ نائی نے جو کچھ موہن لال کے ہاں ہوتے دیکھا تھا۔ سب کچھ بیان کر دیا تب موہن لال کو بلا کر جج نے پوچھا "کیا تو نے کسی سادھو کو مارا ہے۔ موہن لال نے سادھو کا تمام واقعہ سچ سچ سنا دیا، تب جج نے نائی کو سولی کا حکم دیا، اور کہا بغیر امتحان کئے ہوئے کوئی کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بغیر سوچے سمجھے کام کرنے سے بعد میں بہت پچھتانا پڑتا ہے، جیسے کہ برہمن کی عورت کو نیولے کے مارنے پر پچھتانا پڑا تو موہن لال پوچھا یہ کیسے" جج نے کہا۔

(باقی آیندہ)

"شیر شاہ"

(سید نیر احمد صاحب)

شیر شاہ شب و روز سلطنت کے [illegible]ت میں مشغول رہتا تھا، اور وہی کام کو بذات خود انجام دیتا تھا، اس کا معمول تھا کہ تین پہر رات گذرنے کے بعد بیدار ہوتا تھا، اور غسل سے فارغ ہو کر تہجد کی نماز ادا کرتا تھا، اس کے بعد وہ مختلف افسروں سے ان کی کارگزاری کے متعلق گفتگو کرتا تھا، پھر وزراے سلطنت جمع ہوتے تھے اور مزید احکام کے لئے شیر شاہ کی منظوری لیتے، فجر کے وقت شیر شاہ صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا تھا، اس کے بعد امراے سلطنت اور فوجی افسر سلامی کے لئے حاضر ہوتے۔ تھوڑی دیر بعد بادشاہ اشراق کی نماز ادا کرتا تھا، نماز سے فارغ ہو کر شیر شاہ رعایا کی شکایتیں سنتا تھا، شیر شاہ نہایت منصف مزاج اور عدل پسند انسان تھا، اور حق بات میں کسی کی رعایت نہ کرتا تھا، ان امور سے فارغ ہو کر وہ فوج کا معائنہ کرتا تھا، اور اس میں نئے لوگوں کو دیکھتا اور مستحق پاتا انہیں ترقی دیتا، اور اس کے بعد وہ خزانہ کا معائنہ کرتا تھا، اور مختلف محکموں کی روئدادوں کو دیکھتا تھا، ان باتوں سے فارغ ہو کر علما و فضلا کے ساتھ ناشتہ کرتا تھا، اور پھر کام میں مشغول ہو جاتا تھا۔

شیر شاہ کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر دوسرے یا تیسرے سال حاکمان صوبہ کو بدل دیتا تھا اس کی فوج میں ۱۵۰۰۰ سوار اور ۲۵ ہزار پیدل سپاہی موجود رہتے تھے چونکہ لوگ اکثر اپنی جاگیروں میں کام کرتے تھے۔ لہذا شیر شاہ تھوڑے تھوڑے وقت کے بعد ان کے فرائض بدل دیتا تھا، شیر شاہ نے ہر شہر میں عمارتیں قائم کیں مسافروں کے آرام کے لئے ہر دو کوس پر آرام گاہ تیار کیں جن میں ہندو مسلمانوں کے قیام و طعام کا علیحدہ علیحدہ انتظام رہتا تھا۔ ہر آرام گاہ میں دو گھوڑے ڈاک کے لئے تیار رہتے تھے۔ شیر شاہ کہا کرتا تھا کہ اگر مجھے موقع ملے، تو میں ہر سرکار میں ایک قلعہ تیار کراؤں، اور ہر آرام گاہ کو پختہ کراؤں، چوری ڈاکے کے انسداد کے لئے اس نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا، اکثر مفاسد تو دیہاتیوں کی شرارتوں کی وجہ سے ہوا کرتے تھے، اس بنا پر شیر شاہ نے حکم دے رکھا تھا، کہ جہاں کہیں چوری ڈاکہ یا اور مفسدہ کی خبر ملے تو اس کی پوری ذمہ داری وہاں کے چودھری پر عائد کی جائے۔ شیر شاہ ان کو مجبور کرتا تھا کہ یا وہ اصلی مفسدوں اور چوروں کو پیش کرے یا تمام نقصان کی تلافی کرے۔

بقیہ مضمون ختم

افسانہ

گذشتہ سے پیوستہ

سب دوست۔ اچھا میاں بیٹھ بھی جاؤ۔

مسٹر گمنام۔ (کھانس کر) میں جیتا تم ہارے۔

ان باتوں میں ہمارے گاڑی بان صاحب اپنی گاڑی کا راستہ بھول گئے۔ اب لگے ادھر اُدھر دوڑنے۔ لیکن راستہ کا کہیں پتہ نہ تھا محض تمام رات گردش کے اور کوئی کام نہ تھا جنگل کی سردی اور ہمارے سرکار صاحب کا دم عجب لطف دیتا تھا کبھی کبھی سردی محسوس ہوتی تو ہم جنگل سے ایندھن چن لیتے اور سلگا کر جسم کو گرم کر لیتے، تقریباً رات ختم ہو چکی تھی صبح کا شفق نمودار ہو رہا تھا، پرندے اپنی سریلی آواز سے دنیا کو جگا رہے تھے، لیکن ہمارے گاڑی بان صاحب اپنی نیند میں مست تھے۔ گاڑی میں سب لوگ جاگ رہے تھے لیکن تھکن کی وجہ سے تمام خاموش تھے، مسٹر گمنام ہمارے گاڑی بان صاحب کے پیچھے ہی تشریف رکھتے تھے۔

مسٹر گمنام (ایک لات مار کر) ارے بیوقوف تجھے راستہ بھی نہیں دکھائی دیتا دیکھ بازو کیا ہے، قاسم سچ ہے بھائی سچ ہے۔

قاسم: یعنی وہ کیا۔

مسٹر گمنام۔ یعنی طویلاً احمق العمر۔

اب ذرا طویلاً احمق العمر، کا حلیہ بھی سن لو، لفظ طویلاً سے تو آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا، لیکن پھر بھی تشریح کرنا لطف سے خالی نہیں، قد قطب مینار سے کم نہیں، اگر ہم جیسا آدمی آپ کے سامنے کھڑے رہیں تو بلا مبالغہ دونوں کے قدمیں وہی نسبت ہے جو قطب مینار اور اس لوہے کی لاٹھ میں جو قطب مینار کے پاس ہے، جب آپ بات کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی سے لڑ رہے ہیں ایک زمانہ میں پان کھانے کا شوق ہوا تھا، جب کبھی پان کھا کر بات کرتے تھے تو بلا مبالغہ آپ کا دہن تنگ ہو جاتا تھا اس زمانے میں فرنچ کٹ ڈاڑھی بھی تھی، اچھے خاصے بوبک معلوم ہوتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ زمانے کا انقلاب ان کے اس فیشن پر غالب آگیا اور یہ تمام باتیں کافور کی طرح جاتی رہیں پھر وہی سادگی سے نہایت خلوص کے ساتھ ملتے تھے سوائے ہمارے وہ کوئی کام شروع نہیں کرتے تھے، فرا وہ

کام کیسا ہی کیوں نہ ہو، اور ہم بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

مگر یہ باتیں اس وقت تک قائم رہ سکتی ہیں جب ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ورنہ یہ تمام باتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اسی طرح ہوا ہم نے ان سے ملنا جلنا کم کر دیا، یہ تمام باتیں اور وہ تمام لطف جاتا رہا، لیکن پھر بھی وہ زمانہ یاد آ جاتا ہے جب کہ ہم تمام دوست کبھی سیر و تفریح یا شکار کا ارادہ کرتے مکان سے نکلتے تھے لیکن آج کل کے زمانے کا خیال کرتے ہوئے اپنے دوست بہت کم ملتے ہیں۔ ہر ایک دنیاوی جھگڑوں میں مصروف ہیں۔ اور شکر ہے خدا کا کہ ہم اب تک آزاد ہیں۔

قصہ مختصر:- ہم تمام نے اپنے گھر کا راستہ لیا اور تقریباً دن کے بارہ بجے ہم اپنی منزل پر پہونچ گئے، لیکن سرکار صاحب بہت خفا تھے، اور ہر ہر قدم پر یہی جملہ ان کے منہ سے نکلتا تھا کہ آئندہ بھی ایسی حماقت مجھ سے سرزد نہ ہوگی، اور ہم پیچھے سے باآواز بلند "آمین" کہتے تھے، اس پر اور خفا ہو جاتے تھے لیکن ہم کچھ خاموش رہتے، راستہ میں تھے، اسی گفتگو میں تھے کہ مکان قریب آگیا، جمال کو ساتھ لے سلام کیا۔ ہم تمام لوگوں نے بلند آواز سے "وعلیکم السلام" کہا، اور ایک دوسرے سے چند گھنٹوں کے لئے جدا ہو گئے۔ قصہ فرہاد کے دھوکے میں حال اپنے سنا ... سرگذشت اپنی ہم نے بھی کہا نہ پیرو

مطیع اللہ صاحب متعلم جامعہ

"بیجاپوری دکن"

بقیہ مضمون صفحہ نمبر ۶

اپنی رعایا کے آرام و سہولت کے لئے شیر شاہ ہر ممکن طریقہ سے کوشش کرتا تھا، شمالی ہند کی بڑی بڑی سڑکیں شیر شاہ ہی کی تعمیر کردہ ہیں، انہیں سے وہ سڑک جو پنجاب سے بنگال گئی ہے، اور ایک دوسری سڑک جو آگرہ سے چتوڑ ہوتی ہوئی برہانپور گئی ہے اور یہاں ختم ہوگئی ہے خاص طور سے مشہور ہے، شیر شاہ نے مالگذاری کے لیے وہ نہایت عمدہ قوانین منتخب کئے اس کا حکم تھا کہ اس کی قوم کسی مہم پر جائے تو کھیتوں کو ہر طرح سے محفوظ رکھیں،

بہرکیف ہندوستان کے بادشاہوں میں شیر شاہ پہلا شخص ہے۔ جو نہ صرف اپنی انتظامی اصلاحات کے لئے مشہور ہے، بلکہ مالگذاری کے بندوبست اور وضع قوانین کی ابتدا بھی اسی سے ہوئی شیر شاہ ہی کے نظام مالگذاری کو البتہ کے عہد میں وسعت دی گئی اور یہی مالگذاری ہر جو کم و بیش آج بھی جاری ہے، ان سب باتوں پر نظر رکھتے ہوئے شیر شاہ ہندوستان کا پہلا منتظم ہے۔

آج کل کے دوست

(ابوبکر صاحب متعلم جامعہ ملیہ)

ایک شہر میں ایک سوداگر رہتا تھا، اسکا ایک لڑکا تھا اس لڑکے کے چند دوست تھے دن بھر وہ اپنے احباب کے ساتھ سیر و تفریح میں مشغول رہتا تھا اور اپنے باپ کے اندوختہ کو غارت کرتا تھا۔

ایک روز اس کے باپ نے کہا کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ ہمیشہ تضیع اوقات کرتے پھرتے ہو لیکن تم جانتے ہو کہ وہ دوست جو آج تمہاری دولت و ثروت کی وجہ سے تمہارے دوست ہیں کل اگر تم غریب نادار ہو گئے تو وہ تمہیں دیکھکر چشم پوشی کرینگے اور تم سے مخاطب ہونا اپنی ہتک سمجھینگے۔ لڑکے نے جواب دیا میرا کوئی ایسا دوست نہیں جو آڑے وقت میری مدد نہ کرے۔

اس پر باپ نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو تم اپنے کسی دوست سے ایک سو روپیہ قرض مانگ لاؤ وہ اپنے باپ کے حکم کے مطابق اپنے دوستوں کے پاس گیا، وہ ایک دوست کے سامنے دست سوال دراز کیا کہ تم مجھے سو روپیہ قرض دیدو لیکن اس کے کسی دوست نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور ایک ایک کرکے اپنے گھر غائب ہو گئے وہ لڑکا بہت شرمندہ ہوا اور اپنے باپ کے پاس آیا اور یہ ماجرا بیان کیا باپ نے کہا کہ دیکھو آج کل کے دوست کیسے ہوتے ہیں شاعر نے ایسے ہی موقع کے لئے کیا خوب کہا ہے۔

آج کل کے دوست ہیں کاغذ کے پھول دیکھنے میں خوشنما ہے وفا کچھ بھی نہیں

پھر باپ نے کہا آؤ آج میرے ایک پرانے دوست کے پاس چلو جس سے میری پانچ چھ سال سے ملاقات نہیں ہوئی وہ دونوں وہاں روانہ ہوئے جو شہر سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا انہوں نے ایک گاڑی کرایہ کی لی اور اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے شام کے چھ بجے کے قریب اس کے پاس پہنچ گئے اس نے دوست کے دروازہ پر آواز دی اندر سے آواز آئی کون ہے ؟

اس نے کہا کہ تمہارا دوست وہ فوراً باہر آیا اور ملاقات کی اور اندر لے گیا اور کھانا وغیرہ کھلایا اور پھر پوچھا کہ آپ کیسے تشریف لائے لڑکے کے باپ نے کہا کہ مجھ پر بہت برا وقت آیا ہے اور میں آپ سے ایک سو روپیہ قرض لینے کے لئے آیا ہوں اس نے فوراً اپنی جیب میں سے سو روپیہ نکال کر دیدئے پھر لڑکے کے باپ نے کہا کہ دوست ایسے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے باپ نے اپنے دوست کو روپیہ واپس دیدیا اور کہا کہ میں نے آپکا امتحان لینے کے لئے روپیہ

ہمدردی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب علاؤالدین خلجی نے قلعہ رانتھمبور متصل بھوپال کو فتح کرنے کی غرض سے فوج کشی کی اور قلعہ کا محاصرہ کیا اور بہت جنگ و جدل کے بعد قلعہ فتح ہو گیا اور جب شاہی فوج فتح کی خوشی اور دن بھر کی تھکاوٹ کی وجہ سے رات کو آرام اور میٹھی نیند سو رہی تھی کہ اچانک آدھی رات کے وقت قلعے کے محلوں میں چھپے ہوئے راجپوتوں اور ان کی بہادر رانیوں نے قلعہ سے نکل کر بے خبر شاہی سپاہ پر حملہ کر دیا اور اس سوئی ہوئی سپاہی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کیا۔ بہت سے راجپوتوں نے علاؤالدین پر بھی حملہ کر دیا مگر علاؤالدین بھی بلا کا سپاہی تھا بہت دیر تک بہادری سے مقابلہ کرتا رہا مگر کب تک یہ ایک تھا اور وہ اس سے کئی گنا زیادہ تھے آخر ہانپتا ہانپتا اور زخم کھاتا جان بچا کر بھاگ گیا کوئی دو میل چلنے کے بعد صبح ایک ندی کے کنارے پہنچا۔ ادھر اُدھر دیکھا تو ایک جھونپڑی نظر آئی جس کے باہر ایک لڑکی کھڑی تھی سلطان اسی طرف کو چلا۔ لڑکی سلطان کی زبان نہیں جانتی تھی لیکن پھر بھی اس نے اسے زخمی اور مسافر دیکھ کر صرف انسانی ہمدردی سے سلطان کو جھونپڑی سے ایک چارپائی لا کر بچھا دی سلطان چارپائی پر دراز ہو گیا کیونکہ ایک تو زخموں کی وجہ سے چور چور ہو گیا تھا۔ دوسرے چلتے چلتے تھک گیا تھا لڑکی نے ندی سے پانی لا کر پہلے تو سلطان کے زخم دھوئے پھر ایک جنگلی دوائی لگا دی شام کو لڑکی کے ماں باپ جو صبح کو محنت وغیرہ کے لئے گئے تھے اور لڑکی سے سلطان کی بابت پوچھا لڑکی نے تمام ماجرا کہہ سنایا لڑکی کے والدین نے بھی اس اجنبی مہمان کی خدمت شروع کر دی اور مہمان کو آرام دینے میں کوئی کمی نہ کی۔ آخر ہفتہ عشرہ کے بعد بادشاہ کے زخم بھر آئے اور ہنسی خوشی سے اپنے میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کے نام دریافت کر کے ان سے رخصت ہو کر اپنے لشکر میں جا پہنچا۔

اور دہلی سے کچھ اور تازہ فوج منگائی اور راجپوتوں سے بدلہ انتقام لینے کے لئے دوبارہ حملہ کیا اور قلعہ کو فتح کر لیا یہ حملہ ایسا سخت کیا گیا کہ راجپوتوں کو پھر اٹھنے کی ہمت نہ رہی علاؤالدین کچھ دن آرام کرنے کے بعد یہاں ایک نائب چھوڑ کر خود دہلی کی راہ لی مگر راستے میں اسے اپنے پہلے میزبانوں کا خیال آیا فوراً فوج کو ادھر جانے کا حکم دیا اور تین چار گھنٹے میں شاہی فوج اس ندی پر جا پہنچی جہاں کہ بادشاہ کچھ عرصہ پہلے زخمی ہو کر پہنچا تھا بادشاہ چند سواروں کو لیکر جھونپڑی کے پاس جا کھڑا ہوا جہاں اس کے پرانے مہمان نواز اسے سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور اپنے مہمان کو نہیں پہچان سکتے تھے۔

آخر بادشاہ نے اس لڑکی کے بوڑھے باپ کو بلا کر کہا "بابا تمہاری بیٹی کا نام ہے؟ اپنی نیک بیٹی لاجونتی کو ہمراہ لیکر ادھر آؤ۔ یہ سنتے ہی بڈھے کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ڈرنے لگا اور دل میں کہنے لگا "اے خدا! مجھ پر کیا غضب نازل ہونے والا ہے میں نے کیا خطا کی کہ میری لڑکی کو بلایا گیا ہے۔ خدا جانے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائیگا۔ گھبراتا ہوا لڑکی کو ہمراہ لایا اور شاہی گھوڑے کے قریب دونوں کھڑے ہو گئے سلطان نے جب ان کو سہما ہوا دیکھا تو کہا ڈرو نہیں! میں تمہارا وہی زخمی مہمان ہوں اور اب اسواسطے آیا ہوں کہ اس مہمان نوازی کے صلے میں جو کچھ تم چاہو تمہاری آرزو پوری کر دی جائیگی" یہ سنتے ہی بوڑھا آدمی اور اس کی لڑکی نے رکاب شاہی کو بوسہ دیا اور جب سلطان نے پھر وہی فقرہ دہرایا تو لاجونتی نے کہا "حضور ہم غریبوں کی آرزو کیا ہو سکتی ہے! ہاں ہر سال موسم برسات میں اس ندی کے باڑھ آنے سے ہماری قوم کی بہت سی جھونپڑیاں بہ جاتی ہیں اور ہماری قوم کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ اگر آپ یہاں بند بندھوا دیں تو ہماری قوم کو آرام و فائدہ ہوگا اور صرف یہی ہماری آرزو ہے"۔

سلطان نے کہا "اے رحم تمہاری اولاد رشک کے قابل ہے خدا تیری جیسی اولاد سب کو بھی دے جو اپنے ذاتی فائدہ کو نظر انداز کر کے اپنی قوم کی فلاح و بہبودی چاہتی ہے۔ جو ہر طرح سے قوم اور ملک کو فائدہ پہونچائے" پھر بادشاہ نے ان کو بہت سا انعام و اکرام دیا اور فوج کو دہلی کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا جب دہلی پہنچے تو سب سے پہلے اس ندی میں بند باندھنے کا حکم دیا۔ تھوڑے عرصے میں بہت ہی عمدہ بند بندھ گیا۔ اور لاجونتی کی آرزو پوری ہو گئی۔

پیام بھائیو! لاجونتی کی آرزو قابل غور ہے۔ اگر وہ کچھ اپنے فائدے کے لیے مانگتی تو اُسے مل سکتا تھا لیکن اس نے اپنے ذاتی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر قوم کی خیر خواہی کو مقدم رکھ کر قوم کو فائدہ پہنچایا۔ یہ ایسا کام ہے جو ہمیشہ لاجونتی کا نام زندہ رکھیگا آپ کو اس کہانی کے پڑھنے میں تو کچھ مزہ نہ آئے گا۔ مگر نتیجہ اخذ کرنے والوں کے لئے یہ کہانی ایک سبق ہے آپ کو اس کہانی کو پڑھ کر فراموش نہ کر دینا چاہیئے بلکہ اس پر عمل کر کے ایک دوسرے سے ہمدردی کرنی چاہیئے۔ صرف اپنا فائدہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ قوم کو فائدہ پہنچانا چاہیئے۔ اور یاد رہے کہ اتفاق کا دارومدار بھی ہمدردی پر ہے اور نجات اور آزادی کا دارومدار اتفاق پر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اتفاق کے لئے ہمدردی ضروری ہے۔

محمد اسلم ارشد

کوائف جامعہ

۱۱ مارچ ۱۹۳۱ء کو شیر اسلام مولانا شوکت علی صاحب جامعہ میں تشریف لائے۔ خاک رمنزل کے ہال میں اساتذہ اور طلبائے جامعہ کے علاوہ طلبہ کالج کے بھی بہت سے طلبہ موجود تھے۔ جب مولانا ہال میں داخل ہوئے تو ہال اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب نے سب سے پہلے مولانا کی یورپ اور ممالک اسلامیہ کی بخیریت واپسی پر مسرت کا اظہار کیا اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب مرحوم کے بے وقت انتقال اور ان کی جامعہ سے گہری دلچسپی کو بیان کرنے کے بعد مولانا سے درخواست کی کہ وہ جامعہ کی سرپرستی قبول فرمائیں۔ مولانا نے اپنی سیاحت کے چند واقعات بیان کئے اور فرمایا کہ وہ جامعہ کو نہیں بھول سکتے۔

---

۱۴ مارچ کو مسز سروجنی نائڈو جامعہ تشریف لائیں اور انجمن اتحاد کے جلسے میں ایک گھنٹے تک تقریر فرمائی۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ طلبائے جامعہ کے سامنے کتنے کام ہیں اور ان کو کیا کرنا چاہئے۔

گذشتہ ہفتے جناب حافظ فیاض احمد صاحب اور شفیق الرحمن صاحب قدوائی، ملتان جیل سے رہا ہو کر دہلی تشریف لائے۔ جناب شفیق صاحب حافظ سے دو دن بعد یہاں پہنچے۔ اسٹیشن پر طلبائے جامعہ اور اساتذہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا۔ دونوں حضرات کی صحت اچھی تھی۔ دو تین دن تک دعوتیں اور جلسے ہوتے رہے۔ سب سے پہلے تعلیمی مرکز نمبرا میں جلسہ ہوا جس میں چھوٹے چھوٹے طلبہ نے نظمیں پڑھ کر سنائیں اور رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی تصویر حافظ صاحب کو مدرسہ کی طرف سے بطور تحفہ دی گئی۔ یہ جلسہ بہت کامیاب رہا۔ دوسرے دن مدرسہ ثانوی میں جلسہ ہوا جس میں طلبہ نے جناب حافظ صاحب کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ بعد نماز مغرب اس خوشی میں ایک ڈرامہ "سونے جاگنے کا قصہ" بھی دکھایا گیا۔ دوسرے دن شام کو شیر منزل میں دونوں حضرات کو چائے کی دعوت دی گئی۔ ہر جگہ جناب حافظ صاحب اور شفیق صاحب نے مختصر الفاظ میں دعوت دینے والوں کا شکریہ ادا کیا۔ شب کو انجمن اتحاد کی طرف سے سپاسنامہ پیش ہوا جس میں ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

گذشتہ دو ہفتوں میں ہماری ہاکی ٹیم نے تین میچ کھیلے۔ دو اور نثیل کلب سے اور ایک انجینئرنگ کالج سے۔ پہلے دونوں میچوں میں نتیجہ برابر رہا لیکن انجینئرنگ کالج کی ٹیم کو ہماری ٹیم نے دس گول سے شکست دی۔

پیامِ تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

(طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ایڈیٹر سعید انصاری)

قیمت سالانہ
دو روپے
۲ع

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
چھ پیسے
۱/ر

جلد ۱	۷ اپریل ۱۹۳۱ء	نمبر ۱۱

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین خریدار پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں گے، اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنالے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں، اور ساتھ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک خریدار بنانے والے کو ۲ر قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانے والے کے نام ایک سال کے لئے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائیگا۔

منیجر

جمعیۃ الاسلامیہ بغداد
کی
جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی کو امداد

جمعیۃ الاسلامیہ بغداد نے (جو بغداد میں ہندوستانی مسلمانوں کی انجمن ہے) جامعہ ملیہ کے لئے مبلغ ایک ہزار روپیہ کا گرانقدر عطیہ اپنے معتمد ذوالفقار علی صاحب کی معرفت بھیجا ہے جس پر ہم بھی جامعہ کی طرف سے دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ جامعہ والے اپنے کو ان دور افتادہ بھائیوں کی توجہ کا اہل ثابت کریں۔

پچھلے دنوں مولانا شوکت علی صاحب مدظلہٗ عالم اسلامی کے دورے کے سلسلہ میں بغداد بھی تشریف لے گئے جمعیۃ اسلامیہ کے وفد سے مولانا کی ملاقات کی بابت ہمیں بغداد سے جو تحریر وصول ہوئی ہے اُسے ہم نہایت مسرت کے ساتھ آئندہ صفحات میں درج کرتے ہیں۔

زعیم الہند مولانا شوکت علی صاحب بغداد میں

جہاں اہل عراق نے اپنے محترم مہمان مجاہد اسلام مولانا شوکت علی صاحب ظلہ کے خیر مقدم میں ایک دوسرے سے بڑھکر استقبال کیا وہاں غریب الوطن ہندوستانی بھی علی الرغم عقائد اور بعض سیاسی رکاوٹوں کے باوجود جناب ممدوح کے ساتھ خلوص و عقیدت کے اظہار میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔

مولانا ممدوح بروز شنبہ بتاریخ ۲۱ فروری سنہ ۳۱ء وارد بغداد ہوئے، حکومت عراق نے ایک ایسے ہوٹل میں اپنے مہمان عزیز کے قیام کا انتظام کیا جو شہر کے بڑے بازار میں واقع ہے تاکہ ہر شخص آپ تک بآسانی پہنچ سکے ہوٹل میں ہر وقت عراقی اور ہندوستانی مشتاقان زیارت کا میلہ لگا رہتا تھا مولٰنا ہر شخص سے بخندہ پیشانی ملتے اور بزرگانہ شفقت کے ساتھ ہمکلام ہوتے۔ پیشوایان دین مقامی انجمنوں اور سیاسی جماعتوں کے وفود۔ اخبارات کے رپورٹر، حکومت کے امراء وزراء اور ایک مٹھی بھر ہندوستانی مولانا کے بصیرت افروز ارشادات سے یکساں فیضیاب ہوتے تھے اور ہمیں تو یہی حیرت ہے کہ اس قدر مشاغل کے بعد مولانا اپنی وسیع ڈاک اور ذاتی استراحت کے لئے کہاں سے اور کتنا وقت نکال سکتے ہوں گے "

۲۳ فروری سنہ ۳۱ء کو مولانا نے جمعیت اسلامیہ بغداد کے ایک وفد کو شرف باریابی بخشا (یہ جمعیت بغداد میں ہندوستانی مسلمانوں کا ایک دینی اور خیراتی مرکز ہے جس میں ہر عقیدہ کا مسلمان شامل ہے،) اس وفد سے مولٰنا نہایت تپاک سے ملے اور جس قدر سوالات دربارہ اسلام اور معاملات ہندوستانیاں کئے گئے آپ نے ان کا مکمل اور تسلی بخش جواب دیا، دوران گفتگو میں اپنے قدس شریف کی جمعیۃ الشبان المسلمین [Young Muslim Association] کی اسلامی خدمات کا ذکر کیا جو ہم مسلمانوں کیلئے ہر طرح سبق آموز ہے۔ جمعیت مذکورہ نے ایک اعلیٰ درجے پر مردانہ اور زنانہ یتیم خانہ جاری کیا ہوا ہے، جہاں اسلامی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر طرح کی دینی اور دنیوی تعلیم دی جاتی ہے، اور یتیموں کو سن بلوغت تک اس قابل بنا دیا جاتا ہے کہ وہ متفرق صنعتوں اور حرفتوں کے ماہر ہو جائیں اور متمدن دنیا کی برادری میں ایک اعلیٰ حیثیت رکھنے کے قابل ہوں اس کے علاوہ غرباء کے لئے ہسپتال اور زچہ خانے کھولے ہوئے ہیں جن میں اس وقت اعلیٰ درجہ کے ڈاکٹر اور کئی تعلیم یافتہ سند یافتہ دائیاں کام کرتی ہیں اور ہر سال نو دائیوں کی ایزاد ہوتی رہتی ہے تاکہ غیر مذاہب کے تبلیغی طوفان کے علاوہ عدم حفظان صحت کی وجہ سے جو کمی اس ملک کے مسلمانوں میں واقع ہو رہی ہے اس کا انسداد کیا جاسکے اور بحمد اللہ اس مشق میں جمعیت مذکور کو کامیابی ہو رہی ہے، اور ان کا ارادہ ہے کہ اس کی شاخیں فلسطین میں جابجا کھولی جاویں، اور اس طرح ہر مسلمانوں کو موجودہ پستی اور افلاس کے گڑھے سے نکال کر اسی سطح پر لایا جاوے جہاں وہ زمانہ سابقہ میں تھے دعا ہے کہ خداوند عالم ان کو اپنے ارادوں میں کامیاب کرے اور جملہ مسلمانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین!

وفد مذکور نے مولانا کو جمعیت اسلامیہ بغداد کے مرکز میں تشریف لانے اور ایک مختصر تقریر کی دعوت کی۔ جس کو آپ نے منظور فرما کر کارکنان اور ممبران کی ہمت افزائی فرمائی چنانچہ بروز شنبہ بتاریخ ۲۴ فروری سنہ ۳۱ء بعد نماز عشاء آپ نواب سید احمد حسن خاں صاحب دام اقبالہٗ کے دولت خانہ پر جہاں جمعیت نے آپ کو شرکت کی زحمت دی تھی تشریف لائے

نواب صاحب نے آپ کے اعزاز میں ایک دعوت دی جس میں ممبران جمعیت بھی شریک ہوئے کھانا تناول فرما کر مولانا حاضرین سے مصافحہ کرتے ہوئے دیوان خانے میں داخل ہوئے جو اس موقع کے لئے آراستہ کیا گیا تھا۔

صدر جمعیت جناب خاں صاحب شیخ محمد رفیق صاحب انصاری نے جمعیت سے آپ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ یہ جمعیت مسلمانان ہند نے زمانہ جنگ عظیم میں دینی اور خیراتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنائی تھی جو سنہ ۲۲ء سے باقاعدہ رجسٹر شدہ ہے۔ اس نے اس ملک کی عموماً اور اپنے اہل وطن کی خصوصاً جو اسلامی خدمات کی ہیں مختصر بیان کیں۔ اور یہ بھی بتایا کہ نادار اجنبی زائرین کی امداد کے علاوہ غریب ہندوستانی ناداروں کی قدمی اور درمی اعانت بھی اکثر مواقع پر کی ہے اور نہ صرف ان خدمات کو اس ملک تک محدود رکھا ہے۔ بلکہ ہندوستان کی ہر مفید عام تحریک میں حتی المقدور اور حصہ لیا ہے مثال کے طور پر چند رقوم کا ذکر بیا ن

مندرجہ ذیل ہیں،

جمعیت العلماء، دہلی	۹۰۰	روپیہ
موپلہ ریلیف فنڈ۔ کالیکٹ۔ مدارس۔	۲۰۰	"
تنظیم المساجد۔ تحریک جناب ڈاکٹر سیف الدین کچلو امرتسر	۲۰۰	"
موپلہ یتیم خانہ کالیکٹ مدراس	۲۰۰	"
مرکز تبلیغ الاسلام، انبالہ	۵۰۰	"
جامعہ ملیہ۔ دہلی	۱۰۰۰	"
صادقیہ ٹیکنیکل سکول، لاہور	۵۰۰	"

اور یہ بھی فرمایا کہ چونکہ اس وقت اس ملک میں ہندوستانیوں کے لئے روزگار نہیں اور موجودہ ممبران جن میں زیادہ تر ملازمت پیشہ ہیں حکومت کی اقتصادی چھری کے تلے ہیں لہذا افسوس ہے کہ آئندہ جمعیت اس قسم کے اعمال خیریہ میں جہاں مالی امداد کی ضرورت ہو نمایاں حصہ نہ لے سکے گی، البتہ اگر باہمت زائرین ہی اس جمعیت کو خدمات کا موقع دیتے رہیں۔ اور حسب مقدرت اس کی کچھ امداد کریں تو ممکن ہے کہ یہ مرکز اپنی روایات ماضیہ قائم رکھ سکے، اس کے ساتھ ہی جناب صدر نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی اسلامی اور وطنی خدمات کا ذکر کیا۔ حاضرین نے خلوص قلب کے ساتھ نفقید مرحوم کے لئے فاتحہ پڑھی، اس کے بعد جناب خاں صاحب نے اپنی تقریر کو اس رباعی پر ختم کیا۔

فطری ہے محمدؐ ایسے بھائی کا ملال + اس سانحہ کا قوم کو صدمہ ہے کمال
وابستہ اب امید ہے تیرے دم سے + شوکت ہے اسلام کی شوکت کا خیال

صدر جمعیت کی تقریر ختم ہونے پر جناب نواب صاحب دام اقبالہ نے ایک مختصر اور بہترین نظم مشتمل بر تعزیت اور تہنیت آپ کی خدمت میں پیش کی جس کے بعد مولانا موصوف نے اپنے برادر مرحوم کی زندگی کے حالات پر مختصر سی روشنی ڈالی اور اپنے اس مشن، اور سفر کے وجوہات بیان فرمائے اور ان مشاہدات اور مسلمانوں کی تباہ حالت کا بھی وہ ذکر کیا جو دوران سفر میں آپ کی نظروں سے گذرے اور افسوس کیا کہ وہ مسلمان جو آج سے چند صدی پیشتر تہذیب اور تمدن کے قافلہ کے سالار تھے اور ان کی اب یہ حالت ہے کہ جا بجا تباہ و برباد ہو رہے ہیں، اور وہ قومیں جو مسلمانوں کی مغلوب تھیں اور مسلمانوں سے ہر ایک امر کی تعلیم حاصل کرتی تھیں، آج مسلمانوں پر غالب ہو رہی ہیں، اور مسلمانوں کو الٹا درس دینے کے قابل ہو گئی ہیں لہذا مسلمانوں کو اس خواب غفلت سے بیدار ہونا اور اپنے آپ کو سنبھالنا چاہیئے۔

جمعیت اسلامیہ کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا کہ بوقت دعوت میں نے اس جمعیت کو بھی دیگر اکثر جمعیتوں کی طرح بےکار سمجھا تھا مگر اس کی کارگزاری سن کر مجھے یہ لکھنا پڑتا ہے، کہ میرا خیال غلط نکلا، اور اپنے مسلمان بھائیوں کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس جمعیت کو نہ صرف لفظی آراستہ کیا ہے، بلکہ اپنے ملک سے دور رہ کر بھی جو ٹھوس کام کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے اور میں دعا کرتا ہوں، کہ خداوند عالم مسلمانوں کو ایسی وطنی اور اسلامی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

دعا کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔

مولانا کے اس دورے کا جو اثر عراقی اور ہندوستانی تعلقات پر پڑا ہے وہ انشاء اللہ کسی دوسرے وقت سپرد قلم کیا جائیگا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۹) بھگوانداس امور ملکی کے ماہر سپہ سالار اور گورنر تھے اور راجہ بیربل ظریف مگر عمدہ سپاہی تھا۔

شیخ سلیم چشتیؒ جو اکبر کے درباری نہیں تھے مگر اکبر کو ان سے بیحد عقیدت تھی اور آپؒ عہد اکبری کے مشہور بزرگ ہیں۔

انھیں علماء کے سبب سے جو اکبر کے دربار میں تھے اور انھوں نے سنسکرت اور بھاشا کے ترجمے فارسی میں کئے اس طرح ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذہب سے واقف ہوتے جاتے تھے اور تعصب مٹتا جاتا تھا۔ جب آپس میں اتحاد و اتفاق کا عہد ہوا تو اکبر نے جزیہ موقوف کر دیا جو ہندوؤں سے لیا جاتا تھا اور ہندو مذہب میں ستی، بچپن کی شادی وغیرہ جو خلاف قانون تھی ان کو موقوف کر دیا۔ اس طرح راجہ ٹوڈرمل، بیربل، بھگوانداس، مان سنگھ اور تمام راجپوت راجہ سوائے اودے سنگھ والی چتوڑ گڑھ کے اکبر کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے تھے

لیکن اس میں اکبر کی غلطیاں بھی ہیں وہ یہ کہ جہاں اکبر نے راجپوت ہندوؤں سے اچھا سلوک کیا اور انھیں اپنا ہمدرد بنا لیا وہاں پٹھانوں سے کچھ اچھا سلوک نہیں کیا اور نہ انھیں اپنا ہمدرد بنانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ اس نے اذان کو موقوف کر دیا اور دین الٰہی ایک نیا مذہب نکالا جس میں اسکے ہم خیالوں کے سوا جو گنتی کے آدمی تھے نہ شریک تھے۔ ایک طرف تو اکبر کو اولیا اللہ سے عقیدت تھی اور دوسری طرف عجیب و غریب توہمات کا خیال تھا۔ اس نے گوشت خوری حمد و نعت آفتاب پرستی صلوٰۃ کو موقوف کر دیا اکبر مسلمان تھا لیکن متشکک اور مذہب کے معاملے میں وہ آخر تک بھٹکتا رہا۔

فاسفورس

از جناب رفعت حسین صاحب ۔ ایم ۔ ایس ۔ سی

۱۶۶۹ء میں برانڈٹ جو کہ ہمبرگ کا باشندہ تھا ایک ایسا عجیب و غریب راز قدرت معلوم کیا جس کے اطلاق نے ڈیڑھ صدی بعد ہزاروں بے روزگاروں کو کاروبار پر لگا دیا، اور آگ حاصل کرنے کے طریق کو انتہائی سستا اور آسان کر دیا، برانڈ کا قصہ یوں ہے، کہ ایک دن وہ قرنبیق میں خشک کئے ہوئے پیشاب کے تفل کو ریت اور کوئلہ کے آمیزہ کے ساتھ اس لئے گرم کر رہا تھا کہ اس سے ایسی مائع چیز حاصل ہوگی جس سے سونے چاندی میں تبدیلی ہو سکے گی، جب قرنبیق بہت زیادہ گرم ہوا تو اس کیمیاگر نے دیکھا کہ کچھ بخارات اڑ رہے ہیں جو کہ ٹھنڈے حصص میں نصف شفاف مومی ٹھوس شے کی شکل میں قائم ہو رہے ہیں، یہ وہی عنصر تھا جس کو آج کل فاسفورس کہتے ہیں، برانڈ نے جب اس نئے عنصر کے خواص دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ یہ چیز اندھیرے میں چمکتی ہے اور دیوار سے اگر اس کو رگڑا جائے تو ایک چمکتا ہوا نشان چھوڑ جاتی ہے، مزید براں یہ شے ضرورت سے زیادہ جلنے والی ہے، خفیف سی گرمی، بلکہ ہاتھ کی حرارت ہی اس کے پگھلانے اور ایسی تیزی کے ساتھ جلانے کے واسطے کافی ہے، جس کی آنکھیں چکاچوندھ ہو جاتی ہیں جلنے میں سفید دھواں یا بخارے نکلتے ہیں اگر اس عنصر کا ٹکڑا کسی کے ہاتھ پر لگ جائے تو بہت گہرے زخم پڑ جاتے ہیں جو کہ مہینوں میں جا کر اچھے ہو پاتے ہیں۔

اس نئے عنصر کے انکشاف نے دنیا بھر میں ایک تلاطم پیدا کر دیا جیسا آج کل ریڈیم کا زور و شور ہے، ویسا ہی کسی زمانے میں فاسفورس کا بھی تھا اس کی شہرت اس حد تک پہونچی کہ کرافٹ نے بھی برانڈ سے اس کے راز کو خرید لیا اور تمام یورپ کا سفر کرکے عوام کو اس کی زیارت کرائی بہت سے بادشاہان وقت اس کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، کرافٹ نے چارلس دوئم کے بارے میں بھی اس کا تماشا کیا، حاضرین اور درباری بیگمات اس نئی چیز کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئیں، اس موقع پر بوائل بھی موجود تھا، بعد ازاں بوائل اور کنکل نے بھی اس مخفی طریقہ کو معلوم کیا شیل نے اس نئے عنصر کو ہڈیوں میں کیلسیم فاسفیٹ کی شکل میں تلاش کیا، اور گہان نے اس کو ہڈیوں کی خاک میں سے نکالا، اس عنصر کو اب دریافت ہوئے دو صدیوں سے زیادہ زمانہ گذر چکا ہے اور بالکل معمولی چیز خیال کی جاتی ہے، لیکن ابتداً اس کی قیمت سونے سے کچھ کم نہ تھی، اور اس کی چمکتی ہوئی روشنی و بغیر آگ کے جلائے ہوئے حاصل ہوتی ہے اب بھی بہت پڑھے لکھے لوگوں کو حیرت زدہ بنا دیتی ہے، اس روشنی کی وجہ یہ ہے کہ فاسفورس کے چھوٹے چھوٹے جواہر سالمہ کے حلقے میں دس کھرب فی سکنڈ کی رفتار سے متحرک ہیں، یہ بات قرین قیاس نہیں ہے، مگر یہ واقعہ ہے اس کو ماننا چاہیئے، موجودہ کیمیائے تحقیقات نے روشنی کے مسئلہ کو یوں حل کیا ہے، کہ ایک ایسی تصویر ذہن نشین کرو جس میں فاسفورس کے بخارات ہوں، اس کے ذرات چمکتے ہوں، اور وہ ہوا کی آکسیجن سے ترکیب کھا رہے ہوں، اب جبکہ اس کے ہزارہا ذرات متواتر ہوا میں داخل ہوں گے، اور اس کی آکسیجن کو کھینچ لیں گے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ فاسفورس کے تمام کھلے ہوئے حصص سے دھوں کے غبار سے غبار پیدا ہونا شروع ہو جائیں گے، اس عمل کو حسب ذیل قاعدہ کے مطابق ظاہر کر سکتے ہیں

حاصل فاسفورس آکسائڈ بنتا ہے، اسی وجہ سے فاسفورس کی آتش گیری تعجب خیز ہے، اگر فاسفورس کا ایک ٹکڑا ہوا میں چھوڑ دیا جائے تو رفتہ رفتہ آکسیڈائز کی وجہ سے اس کا درجہ حرارت بڑھنا شروع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ ۴۴ درجہ پر وہ پگھلنا شروع ہو جاتا ہے، اور فوراً ہی ۵۰ درجہ پر آگ لے اٹھتا ہے معمولی سی رگڑ، اور انگلیوں کی گرمی بھی اس کے جلانے کے واسطے کافی ہے، چونکہ ہوا میں یہ آگ پکڑ لیتا ہے، اس لئے اس کو پانی کے اندر رکھا جاتا ہے۔

ابتداً اس کو دیا سلائیوں کے بنانے میں کام میں نہیں لایا گیا۔ وجہ یہ تھی کہ بہت گراں تھا، تقریباً پانچ روپیہ فی چھٹانک اس کی قیمت تھی، لیکن شیل نے ۱۷۷۱ء میں یہ فیصلہ بھی طے کر دیا، اور ثابت کر دیا کہ یہی شے ہڈیوں سے بہت سستی حاصل ہو سکتی ہے، کیوں کہ ہڈیوں کی ساخت میں ایک کیمیائی مرکب ہے، جس کو کیلسیم فاسفیٹ کہتے ہیں، اس ترکیب میں فاسفورس کے ساتھ کیلسیم اور آکسیجن دو عناصر اور ہیں۔ اس تحقیقات پر بھی پچاس برس بعد فاسفورس کو دیا سلائیوں کے مصالحہ میں لایا گیا۔

فاسفورس اس طریقہ پر بنایا جاتا ہے، وہلر صاحب نے ۱۸۲۹ء میں کیا تھا کہ ہائیڈروکلورک سے حل ہونے والے فاسفیٹ میں کام میں لایا جائے، برقی بھٹی جس کو ریڈمین، پارکر، رابنسن نے ۱۸۸۸ء میں ایجاد کیا تھا اس عمل میں کام میں لائی جاتی ہے

نوٹ: بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ ۱۶۶۹ء کا ہے۔

فاسفیٹ۔ ریت اور کوئلہ کا آمیزہ ایک جگہ سے بند برقی بھٹی میں ڈالا جاتا ہے، اس بھٹی میں اوپر کی طرف گیسوں اور فاسفورس کے بخارات نکلنے کے واسطے ایک راستہ ہوتا ہے اور نیچے ایک سوراخ کثافت اور میل نکلنے کے واسطے ہوتا ہے، سلیکا یعنی ریت کی وجہ سے ۱۵۰۰ درجہ حرارت پر فاسفیٹ حسب ذیل قاعدہ کے مطابق تحلیل ہوتا ہے

$$Ca_3(PO_4)_2 + 3SiO_2 = 3CaSiO_3 + P_2O_5$$

کیلسیم فاسفیٹ ۔ سلیکا ۔ کیلسیم سلیکیٹ ۔ فاسفورس پنٹاکسائڈ

جبکہ کیلسیم سلیکیٹ میل میں کچلا جاتا ہے، اور فاسفورس کسائڈ کے بخارات اوپر لیتے ہیں، اور کاربن آکسائڈ ان کو تحویل کردیتی ہے، اور ۹۰-۸۰ فیصدی فاسفورس حاصل ہوتا ہے۔ جبکہ ٹھنڈی کی ہوئی گیس پانی میں گذاری جاتی ہے، اس وقت فاسفورس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا ہے، اس کو کرومک ترشہ کے محلول سے صاف کیا جاتا ہے۔ کچھ میل کرومک ترشہ میں حل ہو جاتا ہے، اور کچھ علیحدہ ہو کر اس کے اوپر آجاتا ہے، اس عمل کے بعد فاسفورس کی چھڑیں بنائی جاتی ہیں۔ فاسفورس کو پگھلا کر شیشہ کی نلیوں میں جن کو پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے گذارا جاتا ہے نلیوں کے دوسرے سرے کی طرف سے چھڑیں کھینچ لی جاتی ہیں۔ ۵۰۰۰ من سالانہ فاسفورس بنایا جاتا ہے جس میں سے زیادہ تر دیاسلائیوں کے بنانے میں کام آتا ہے۔ کچھ فاسفورس پروزکے بنانے میں جو کہ چوہے مارنے کا زہر ہے کام میں لاتے ہیں اور کچھ حصہ فاسفورس پنٹاکسائڈ۔ فاسفورس ٹرائی کلورائڈ اور پنٹا کلورائڈ کے بنانے میں بھی کام میں آتا ہے، دھاتوں کے ساتھ ترکیب کھا کر فاسفائڈ بناتا ہے۔ دونوں کلورائڈ کلورین میں جلنے سے بنتے ہیں اور آکسائڈ آکسیجن میں جلنے سے۔

اس فاسفورس کو زرد یا سفید فاسفورس کہتے ہیں۔ یہ موم جیسی شے ہے چاقو سے کٹ جاتی ہے۔ اس کو پانی کے اندر رکھا جاتا ہے، اگر بوتلوں میں پانی نہ ہو تو یہ آگ لے اٹھتا ہے۔ ۵۰.۵ درجہ حرارت کے نیچے یہ بھربھرا ہو جاتا ہے اس کا ثقل اضافی ۱٫۸۲ ہے نقطہ اماعت ۴۴٫۳ ہے۔ پانی میں برائے نام حل ہوتا ہے۔ لیکن ترپنٹائن۔ سلفر کلورائڈ۔ اور کاربن بائی سلفائڈ میں حل پذیر ہے۔ مرتکز شورے کے تیزاب میں حل ہو کر فاسفورک ایسڈ بناتا ہے ہوا میں رہنے سے شروع ہو جاتا ہے، جبکہ یہ سبز رنگ کی چمک دیتا ہے ہوا میں آگ بھی لے اٹھتا ہے، اور نہایت تیز سفید روشنی سے جلتا ہے، جبکہ یہ فاسفورس پنٹاکسائڈ بناتا ہے، یہ بہت زہریلی چیز ہے، زرد فاسفورس کی دو قسمیں اور بھی ہیں، ایک کو سفید فاسفورس کہتے ہیں یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فاسفورس کو ۲۰۰-۲۹۰ درجہ تک گرم کریں دوسری قسم کا نام سفید فاسفورس کہلاتی ہے۔ یہ اس وقت بنتی ہے جبکہ مائع فاسفورس کو آہستہ آہستہ ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔

جبکہ وسیع پیمانہ پر اس کی صنعت ہونے لگی، تو اس کے خواص کو مدنظر رکھتے ہوئے دیاسلائی بنانے کا خیال پیدا ہوا ۱۸۳۳ء کے قریب یہ بات طے ہوگئی، بہت سے لوگوں نے اس پر تجربے کئے، اور مشہور لوسیفر دیاسلائیاں بنائی جانے لگیں۔ جو کہ اس طریقے سے بنائی جاتی ہیں لکڑی سلائیاں پگھلے ہوئے پیرافین میں ڈبائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد فاسفورس کلوریٹ۔ سندور۔ یا لیڈ تا ہرٹ وسریش وغیرہ کا آمیزہ دیاسلائیوں کے سروں پر لگایا جاتا ہے۔ اس آمیزہ میں شنگرف۔ نیلا یا انلین رنگ بھی شامل کیا جاتا ہے۔ مصالحہ لگنے کے بعد دیاسلائیاں ایک برتن میں خشک کرنے کے واسطے رکھدی جاتی ہیں، بعدہٗ شمار کر کے ڈبیوں میں بھر دی جاتی ہیں، یہ سب کام فیکٹری میں ہوتا ہے۔

ہر ایک عنصر کے خواص ہوتے ہیں۔ عمل میں ان کے زہریلے خواص کا اتنی آسانی سے پتہ نہیں چلتا ہے۔ جتنا کہ اس وقت جبکہ وسیع پیمانے پر ان کی صنعت ہوتی ہے۔ یہی قصہ فاسفورس کے ساتھ پیش آیا۔ جبکہ زرد یا سفید فاسفورس کو دیاسلائی بنانے کے کام میں لایا گیا، تو کام کرنے والوں میں ایک نیا مرض پیدا ہوا۔ جس سے اطبا ناواقف تھے، اس کی ابتدا دانتوں کے مرض سے ہوتی تھی دانت خراب ہو کر گر جاتے تھے۔ بعد ازاں یہ مرض دانتوں کی جڑوں میں پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ جس سے نجات یا تو اپریشن سے یا موت کر ملتی ہے، ایک غریب عورت جس نے پانچ سال ایک دیاسلائی کے کارخانے میں کام کیا۔ اس مرض میں مبتلا ہوئی۔ اس کے حالات کو اس جگہ قلمبند کیا جاتا ہے۔ "میرے دانتوں میں درد پیدا ہوا۔ اس کے بعد اوپر والے جبڑے میں۔ میں نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ لیکن کارکنان فیکٹری نے مجھے ڈاکٹر کے واسطے ایک سفارشی خط دیا۔ میں نے کہ اس کے پاس گئی، اس نے کہا مکان جاؤ اور جبتک میں نہ دیکھ لوں کہیں نہ جانا۔ جبکہ وہ آیا۔ تو اس نے چار دانت اکھاڑ دئے۔ مگر اس سے بھی کچھ نہ ہوا۔ اور درد میں اضافہ ہوا۔ بہت ہی بُری حالت تھی، اس وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص میرے رخسار کی ہڈیوں کو کھرچ رہا ہے۔ مجھے یہ مشورہ دیا گیا۔ کہ میرے بچے اور شوہر مجھ سے علیحدہ رہیں۔ ان کو میرے کمرے میں بھی نہ آنا چاہیئے۔ کیونکہ مرض خراب تھا۔

اور میرے منہ سے بو آتی تھی۔ کچھ دنوں بعد ڈاکٹر رخصت پر چلا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں میرے رخسار سے ہڈیوں کے ٹکڑے نکلنا شروع ہو گئے۔ یہ انتہائی مصیبت کا وقت تھا۔ میں نے ہڈی کو ڈاکٹر کے دکھانے کے واسطے رکھ لیا۔ . . . . . . ۔" اس واقعات سے ظاہر ہے کہ اس مرض میں مریض کو کس قدر مصیبت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ بعض مرتبہ اس مرض میں منہ کا دوہرا کا چہرا اور ناک بالکل ختم ہو جاتی ہے اور کبھی کبھی یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ چہرہ ہی سلامت نہیں رہتا۔ بینائی بھی جاتی رہتی ہے۔ اس کا اثر صرف اتنا ہی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ جگر بڑھ جاتا ہے۔ اور اس میں زخم پڑ جاتے ہیں اور انسان اس مصیبتوں کے باوجود بھی زندہ نہیں بچتا۔ اس مرض کو مزدور لوگ فاسی جیڑا اور طبیب نیکروسس کہتے ہیں۔ یہ مرض صرف فاسفورس کے دھوئیں سونگھنے سے ہو جاتا ہے۔ اس سے بہت سے کارخانوں میں غضب ڈھایا ہے۔ صفائی اور تازہ ہوا اس مرض سے بچائے رکھتیں ہیں۔ لیکن اگر معمولی احتیاط برتی جائے۔ تو یہ مرض جلد دور ہو جاتا ہے۔

دیاسلائیوں میں اس کے استعمال سے صرف یہی خرابی نہ تھی۔ بلکہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ وہ اندھیرے میں چمکتی ہیں۔ اور معمولی گرمی سے آگ پکڑ لیتی ہیں پانی کو خوب جذب کرلیتی ہیں۔ زیادہ عرصہ کی ہو جانے کے بعد جلتی بھی نہ تھیں۔ اور اس سے زیادہ یہ ہوا کی زہریلے ہونیکی وجہ سے بہت سے بچے جنہوں نے دیاسلائیوں کے خوبصورت رنگ ہونے کی وجہ سے ان کو لے لیا اور چبا گئے۔ اس کی نظر ہوئے۔ علاوہ بریں بہت سے لوگوں نے سلائیوں کے مصالحہ لگے حصے کو خودکشی اور مارنے کے کام میں استعمال کیا۔ ڈاکٹر ملاٹہ نے ۱۸۹۴ء میں لکھا ہے۔ کہ فاسفورس کو بر اعظم پر لوگ خودکشی کے واسطے کام میں لاتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس تک ہر ایک شخص کی پہونچ ہے۔ جس شخص کی جیب ایک پیسہ بھی ہو گا۔ وہ بھی اس کا ایک بکس خرید سکے گا۔ وہ لوگ جو تعلیم یافتہ ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے تاثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی بھی خودکشی کے واسطے استعمال نہیں کریں گے۔

فاسفورس کا پہلا اثر جبکہ اس کو خودکشی میں استعمال کرتے ہیں یہ ہے کہ معدہ میں درد پیدا ہوتا ہے اس کے بعد قے ہوتی ہے۔ اس میں ایسی اشیاء نکلتی ہیں۔ جن میں لہسن جیسی بو ہوتی ہے۔ جو کہ اندھیرے میں چمکتی ہے اگر مریض اس کو برداشت کر جائے اور نہ مرے تو یرقان شروع ہو جاتی ہے۔ اور مریض تشنج یا بیہوشی کی حالت میں ختم ہو جاتا ہے بعض مرتبہ اور بھی خوفناک حالت ہوتی ہے، چھ دن کے سخت درد کے بعد جس میں آنکھ ناک اور پھیپھڑوں سے خون جاری ہو جاتا ہے انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس میں پسینہ بھی خون کا آتا ہے۔

ان تمام وجوہات کی بنا پر ہر ایک مہذب ملک کی گورنمنٹ نے اس کی بندش کی۔ ڈنمارک اور سوئٹزرلینڈ نے تو یہاں تک کیا۔ کہ معمولی فاسفورس کو دیاسلائیوں کی صنعت میں ناجائز قرار دیدیا۔ سائنسدانوں نے اس آڑے وقت میں ساتھ دیا۔ اور شروٹر نے ۱۸۴۷ء میں پیلے یا معمولی فاسفورس کو ایسی قسم میں تبدیل کر دیا۔ جو بالکل زہریلی نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک دن فاسفورس کو ۲۴۰-۲۵۰ درجہ حرارت پر بغیر ہوا کی موجودگی کے لیکن نائٹروجن یا کاربن ڈائی آکسائڈ کی موجودگی میں ایک صراحی میں گرم کر رہا تھا۔ تو اس معلوم ہوا کہ کچھ عرصہ بعد وہ لال رنگ کی شکل میں تبدیل ہو گیا یہ حالت ۲۳۰ درجہ پر شروع ہوئی اور ۲۵۰ پر ختم ہو گئی۔ اس نئی قسم کے فاسفورس اور زرد فاسفورس کے خواص میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اس میں ہوا میں رکھنے سے نہ تو دھواں نکلتا تھا۔ اور معمولی حرارت تو درکنار ۲۶۰ درجہ پر بھی یہ نہ پگھلتا تھا۔ اس میں نہ تو کوئی [illegible] اور نہ یہ اندھیرے میں چمکتا تھا۔

یہ لال فاسفورس اس وقت بھی بنتا ہے۔ جبکہ سفید فاسفورس ہوا میں یا پانی کے اندر آکسیجن میں جلایا جاتا ہے۔ اس کی صنعت یوں عمل میں لائی جاتی ہے۔ ایک ٹن فاسفورس ایک بڑے لوہے کے برتن میں گرم کیا جاتا ہے برتن ڈھکن دار ہوتا ہے۔ اور اس میں ایک سوراخ ہوتا ہے۔ جس میں چھ فٹ لمبی ایک نلی ہوتی ہے۔ برتن کو ہوشیاری سے ۲۴۰-۲۵۰ درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے۔ کچھ فاسفورس اس آکسیجن کی وجہ سے جو برتن میں ہوتی ہے جلتا ہے۔ اس کے بعد اس کا اکسنداد شروع ہو جاتا ہے۔ ثقل جو برتن میں باقی رہتا ہے۔ اس کو پانی میں پیسا جاتا ہے۔ اور کاسٹک سوڈے کے محلول میں گرم کیا جاتا ہے۔ تاکہ سفید فاسفورس کا شائبہ باقی نہ رہے۔ اس کے بعد اس کو گرم پانی سے کئی مرتبہ دھویا جاتا ہے۔ اور بھاپ میں خشک کر لیا جاتا ہے اس کا ثقل اضافی ۲۵ ۲۰ سیر ہے۔ یہ خود نہیں جلتا۔ اس کا نہ تو کوئی ذائقہ ہے۔ اور نہ کوئی اس کی بو۔ ہوا میں رکھنے سے برائے نام تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس کا نقطہ ابال ۶۰۰-۵۰۰ درجہ ہے جب اس کو زیادہ گرم کیا

جاتا ہے۔ تو اس کے بخارات بنتے ہیں۔ جو کہ ٹھنڈے ہو کر سفید فاسفورس کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں بہت عرصہ تک یہ خیال رہا کہ لال فاسفورس بے صوت ہے لیکن پیڈلر اور ریٹ گرنے ۱۹۰۲ء میں ثابت کیا کہ اس کی چھوٹی چھوٹی قلمیں ہوتی ہے جو کاربن ڈائی سلفائڈ میں ناحل پذیر ہیں۔ برق کی بہت کم موصل پذیر ہیں۔

سفید و لال فاسفورس کی ایک دوسرے میں تبدیلی گراف کی شکل میں بھی دکھا سکتے ہیں

اوپر کی شکل میں اوپر سفید فاسفورس پگھلنا شروع ہوتا ہے۔ اگر اس کو ۵ ر ۹۰ درجہ تک ٹھنڈا کر دیا جائے۔ تو پھر سفید فاسفورس میں منتقل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو رفتہ رفتہ سرخ فاسفورس میں ۴۴ درجہ پر منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خط زا سے ظاہر ہے۔ یہ سرخ فاسفورس ۵ر ۵۸۹ درجہ کے بعد گیسی حالت میں منتقل ہو جاتا ہے، جو کہ ب ج پر واقع ہے۔ اس حالت کے بعد پھر یہ سفید یا زرد فاسفورس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ تو ہم زرد سے لال اور لال سے زرد فاسفورس حاصل کر سکتے ہیں۔

ان خواص کی وجہ سے بہت ہی جلد اس کو دیاسلائیوں کی صنعت میں کام میں لایا گیا۔ اس لئے کہ اسمیں وہ تمام خرابیاں جو سفید فاسفورس میں ہیں۔ دور ہو گئی تھیں، اور دیاسلائی جو اس سے بنکر تیار ہوئیں وہ بہت ہی عمدہ کی اندھیرے میں نہ تو چمکتی ہے۔ اور نہ معمولی گرمی سے آگ پکڑتی ہے۔ دوسری خوبی یہ بھی کہ نہ رطوبت کو جذب کرتی ہے۔ اور نہ زیادہ عرصہ تک رکھنے سے خراب ہوتی ہے۔

ایک دقت اس میں بھی پیش آئی۔ اگر پوٹاشیم کلوریٹ اور لال فاسفورس میں برائے نام بھی رگڑ لگ جائے تو کارخانہ اور مزدوروں کے اڑا دینے کے واسطے کافی ہے۔ بہت سے لوگوں نے پیسٹ بنانے کی کوشش کی اور اس میں بہت سی جانیں ضائع گئیں۔ لیکن ۱۸۵۵ء میں ایک نئی ترکیب نے اس مرحلہ کو بھی طے کر دیا۔ اس کامیابی کا سہرہ سوئزرلینڈ کے باشندے گنڈسٹرام کے سر رہا اس نے ثابت کیا۔ کہ لال فاسفورس کی پیسٹ بنانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اس حصہ میں جن سے رگڑ کر دیاسلائی جلائی جاتی ہے۔ ان تمام اجزا کی ضرورت ہے اسی بنا پر سیفٹی دیاسلائی بنائی گئی۔ جس کی ابتدا، جان کوپنگ سے ہوئی، اور بعد ازاں تمام دنیا میں پھیل گئی۔

معمولی دیاسلائیوں میں جلانے والے اجزا سلائی پر ہوتے ہیں اور کسی کھردری جگہ پر گھس کر اس جلایا جا سکتا ہے۔ لیکن سیفٹی دیاسلائیوں میں جلانے والا مصالحہ کچھ سلائی پر ہوتا ہے اور کچھ بکس کے اس حصے پر جس پر کہ اس رگڑا جاتا ہے۔ لیکن سلائیوں کے سروں پر جو مصالحہ ہوتا ہے اس میں فاسفورس بالکل نہیں ہوتا اور اس وجہ سے وہ بالکل زہریلی نہیں ہوتی اس کے اجزا ترکیبی پوٹاشیم کلوریٹ۔ پوٹاشیم ڈائکرومیٹ ریڈ لیڈ (سیندور) اور انٹمنی سلفائڈ ہوتے ہیں۔ اگر دہ کاغذ پر فاسفورس اور انٹمنی سلفائڈ کا آمیزہ ہوتا ہے۔

معمولی فاسفورس کا استعمال اب بالکل نہیں ہے۔ بہت سی جگہ رگڑ کاغذ میں فاسفورس سیسکوئی سلفائڈ یا شینک صاحب کا سرخ یا نائی یا گلناری فاسفورس استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کو شینک صاحب نے معلوم کیا تھا یہ اس وقت بنتا ہے۔ جبکہ سفید فاسفورس کا دس فیصدی محلول فاسفورس ٹرائی برومائڈ میں دس گھنٹہ جوش دیا جاتا ہے۔ تب اس کا ثقل باقی رہجاتا ہے۔ یہ سرخ فاسفورس سے زیادہ تیز ہے۔ لیکن سفید قسم میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ یہ آسانی سے ہوا میں آکسیڈائز شروع نہیں ہوتا ہے۔ اور زہریلا نہیں ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو دیاسلائیوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ ان دیاسلائیوں سے آگ لگنے کا احتمال نہیں ہوتا ہے اور ان کے بنانے میں کسی مہلک مرض کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔

(باقی آئندہ)

(سید منیر الحسن صاحب)

سلطنت مغلیہ کی بنا اگرچہ بابر نے رکھی لیکن اس کی تکمیل و استحکام اور توسیع و ترقی اکبر کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔ تاریخ میں اکبر کو اکبرِ اعظم کہا گیا ہے اور اس میں شک نہیں۔ اکبر کے کارناموں پر نظر ڈالئے تو وہ ہر طرح اس لقب کا مستحق نظر آتا ہے۔

تیرہ برس کی عمر میں اکبر پنجاب کے چھوٹے سے گاؤں کلانور میں تخت نشین ہوا۔ اس سے ایک برس پیشتر ہمایوں دہلی اور آگرہ پر قابض ہو چکا تھا لیکن ہندوستان کے باقاعدہ قبضے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ مشرقی صوبوں میں افغانوں کا دور دورہ تھا۔ دکن اور وسط ہند سوائے گجرات کے مغلوں سے آشنا تھے۔ پنجاب میں سکندر سوری نے بغاوت پھیلا رکھی تھی۔ ہمایوں کا نوعمر بیٹا شہزادہ اکبر اور بیرم خاں سکندر سوری ہی کے استیصال کی غرض سے پنجاب بھیجے گئے تھے۔ ادھر سکندر سوری نے اظہار اطاعت کیا اور ادھر ہمایوں کی ناگہانی موت سے سلطنت کی ساری ذمہ داریاں کم سن اکبر پر آ پڑیں۔

یہ حالات بجائے خود کچھ کم تشویش انگیز نہیں تھے لیکن اب اکبر کو ایک اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ عدلی کا سابق وزیر ہیمو جس نے بکرماجیت کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ آگرہ اور دہلی کے مغل سرداروں کو شکست دینے کے بعد پنجاب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ۱۵۵۶ء میں پانی پت کے میدان پر ایک لڑائی ہوئی جس میں بیرم خاں کے تدبر اور شجاعت کی بدولت اکبر کو فتح ہوئی ہیمو مارا گیا اور اس کی عظیم الشان جمعیت منتشر ہو گئی۔ اب اکبر دہلی اور آگرہ کا مالک تھا لیکن سلطنت کی اصلی باگ بیرم خاں کے ہاتھ میں تھی۔ چار برس تک بیرم خاں سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک رہا بالآخر اکبر نے اس کے جبر و تشدد سے تنگ آکر زمام سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اس پر بیرم خاں نے سرکشی اختیار کی تھوڑے ہی دنوں کے بعد خود بخود معافی کا طالب ہوا۔ بیرم خاں کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا لیکن ابھی اکبر کی رضائی والدہ ماہم انگہ اس کا بیٹا ادہم خاں اور آصف خاں اور خان زمان خاں ازبک سردار اکبر کی راہ میں حائل تھے۔ ادہم خاں مالوہ کا صوبیدار تھا۔

اکبر نے مالوہ پر خود فوج کشی کی اور وہاں کے بڑے نامور حاکم بایزید (باز بہادر) کو اطاعت پر مجبور کیا۔ یہ علامت تھی ادہم خاں کے زوال کی۔ چند دنوں کے بعد جب باز بہادر نے پھر سرکشی کی اور عبداللہ خاں ازبک اس کے مقابلے میں ناکام رہا تو خان زمان خاں اور آصف خاں نے بھی بغاوت شروع کر دی۔ دوسری طرف اکبر کے سوتیلے بھائی محمد حکیم مرزا حاکم کابل نے پنجاب پر حملہ کر دیا تھا اس موقع پر اکبر نے بڑی بہادری سے کام لیا۔ سب سے پہلے اس نے پنجاب کی شورش کا استیصال کیا پھر اس تیزی سے قنوج اور اودھ کی طرف آیا کہ ازبک سرداروں کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک چھوٹی سی لڑائی میں مارے گئے (۱۵۶۷ء)۔ پانی پت کی دوسری لڑائی سے قنوج اور اودھ کی فتح تک دس برس کا زمانہ اکبر کو داخلی مخاصمت کے استیصال میں صرف کرنا پڑا۔ اب اکبر نے فتوحات کی طرف توجہ کی۔ گوالیار اور ماروار ۱۵۵۸ء اور ۱۵۶۱ء میں فتح ہو چکے تھے۔ مالوہ پر بیرم خاں کے زمانے میں قبضہ ہو چکا تھا۔ ۱۵۶۲ء میں برہانپور فتح ہوا۔ اور خاندیس کا فاروقی بادشاہ بہادر خاں مغلوں کا باجگزار رئیس بن گیا اور ۱۵۹۹ء تک جب تک اکبر احمد نگر کو فتح کرنے کے لئے دکن نہیں آیا، حکومت کرتا رہا۔ ۱۵۶۷ء میں بادشاہ نے خود چتوڑ پر چڑھائی کی اور رانا ادے سنگھ کو شکست دے کر چتوڑ کو فتح کیا۔ ۱۵۷۰ء تک تمام راجپوتانہ نے مغلوں کی اطاعت کر لی۔ گجرات ۱۵۷۳ء میں فتح ہو گیا تھا لیکن ۱۵۸۳ء میں پھر بغاوت ہوئی۔ جو ۱۵۹۳ء میں ختم ہوئی۔ بنگال ۱۵۷۶ء اور اڑیسہ ۱۵۹۲ء میں فتح ہوا۔ ۱۵۸۵ء تک محمد حکیم مرزا کی بغاوت کے باوجود کابل اور بدخشاں اکبر کے قبضے میں آ گئے تھے۔ ۱۵۸۶ء میں کشمیر مسخر ہوا اور اگرچہ یوسف زئی پٹھانوں نے مغلوں کی اطاعت قبول نہیں کی لیکن ۱۵۹۲ء میں سندھ اور بلوچستان اور ۱۵۹۵ء میں قندھار کی تسخیر کے ساتھ تمام شمالی ہندوستان کی فتح مکمل ہو گئی۔ ۱۵۹۹ء میں خاندیس کا الحاق ہوا اور ۱۶۰۰ء میں احمد نگر اور اسیر گڑھ کی تسخیر کے ساتھ احمد نگر کی ریاست مغلوں کی باجگزار ریاست ہو گئی۔

فتوحات کے ساتھ ساتھ اکبر نے انتظامات مملکت کی طرف بھی توجہ کی۔

آئینِ اکبری کے صفحات ان اصلاحات سے بھرے پڑے ہیں جو اکبر کے زمانے میں ہوئیں۔ جہاں اس کتاب سے ہمیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شاہانہ تزک و احتشام پر کروڑوں روپیہ صرف ہوتا تھا وہاں دولت مغلیہ کے استحکام، رعایا کی فارغ البالی اور عمدگی انتظامات کی بھی شہادت ملتی ہے۔ انتظامی قابلیت میں اکبر کے سب سے بڑے مشیر راجہ ٹوڈرمل جو شیر شاہ کا انتظامی مشیر رہ چکا تھا اور ابوالفضل تھے۔ سارا ملک پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر صوبے میں کئی کئی سرکاریں اور ہر سرکار میں کئی کئی پرگنے یا محل ہوتے تھے۔ ہر صوبے کا حاکم اعلیٰ سپہ سالار کہلاتا تھا اور اسی کو ملکی اور جنگی اختیارات حاصل ہوتے تھے۔ سردار کا سب سے بڑا عہدہ دار فوجدار کہلاتا تھا۔ البتہ مقدمات کا تصفیہ میر عدل اور قاضی کے ذمہ تھا۔ اگر فریقین ہندو ہوں تو پھر ان کا فیصلہ پنڈت کرتے تھے۔ اکبر نے فوج میں بہت سی اصلاحیں کیں اور منصب داری کا طریقہ جاری کیا۔ منصب دار دس سپاہیوں سے لے کر پانچ ہزار سپاہیوں کے افسر ہوتے تھے۔ یہ منصب بھی بڑے بڑے راجاؤں اور شہزادوں کو ملتا تھا۔ منصب داروں کو خزانے سے تنخواہ ملتی تھی۔ جاگیروں کا طریقہ موقوف کر دیا تھا۔ ان اصلاحوں میں اکبر کا سب سے بڑا کارنامہ مالگذاری کا بندوبست تھا۔ اکبری بندوبست ٹوڈرمل کے مشورہ و عمل کے ماتحت (ٹوڈرمل مدار المہام تھا) سب سے پہلے تمام زمینوں کی یکساں پیمانوں سے پیمائش کرائی گئی۔ اس کے بعد ہر کھیت کی حیثیت دیکھی جاتی تھی اور زمین کی شادابی، آبپاشی کے انتظام اور جنس کی حیثیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اوسطاً ۱/۳ یا ۱/۴ حصہ پیداوار کا مالگذاری کے لئے متعین کر دیا جاتا تھا۔ شروع شروع میں سالانہ جمع بندی ہوتی تھی بعد میں دہ سالہ جمع بندی ہونے لگی۔ کسانوں کو اجازت تھی کہ جنس یا نقدی جس صورت میں چاہیں لگان ادا کریں اور سرکاری عہدیداروں کو تاکید تھی کہ ان پر کوئی جبر نہ کریں۔

لیکن سلطنت کی آسائش و استحکام اور انتظامی اصلاحات کے علاوہ اکبر کا عہد اس یگانگت اور میل ملاپ کے لئے مشہور رہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوا۔ اس اتحاد و اتفاق، باہمی رواداری اور وسیع الخیالی سے آزادیٔ رائے اور جستجوئے حق کی جو خواہشیں پیدا ہوئیں ان سے لازمی طور پر ہندوستان کی معاشرت اور اخلاق و مذہب کو ترقی ہوئی۔ اگر ایک طرف حکومت کی خوبی اور انتظامات کی عمدگی کی وجہ سے رعایا کی فارغ البالی اور خوش حالی میں اضافہ ہوا تو دوسری طرف بادشاہ اور عمائدینِ سلطنت کی علمی قدردانیوں اور فیاضیوں اور کاملینِ فن کے اجتماع سے ہندوستانیوں کے ذہنی نشو و نما کو بھی تحریک ہوئی۔ اس زمانے کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب و اخلاق کی دنیا میں تنگ نظری اور تعصب کی بجائے ان وسیع تر اور بلند تر جذبات کا دور دورہ تھا جن کو صوفیانہ خیالات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جس سے عالمگیر برادری، باہمی اخوت اور امداد اور انسانی زندگی کی قدر و منزلت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

بادشاہ کی وسیع الخیالی اور یہ خیال کہ ہر مذہب میں سچائی موجود ہے۔ اور یہ کہ پاکیزگی اخلاق کا نام ہے۔ ظاہری امتیاز کا کوئی تعلق نہیں۔ ابوالفضل اور فیضی اور دوسرے آزاد خیال علما کا اثر تھا۔ اس سے اکبر میں آزاد خیالی اور رواداری پیدا ہو گئی تھی۔ اکبر نے مختلف مذاہب اسلام، ہندویت اور دوسرے مذاہب کے مذہبی علما کو بلاتا تھا اور ان کی تقریروں سے تمام قسم کے مذاہب سے واقفیت پیدا کرتا تھا اور اس طرح لوگوں میں جو مذہبی تنگ نظری تھی اس لئے ان باتوں سے تنگ نظر اور دوسری باتیں رفع ہو گئیں۔

اکبر کے دربار میں ابوالفضل، ابوالفیض فیضی، عبدالرحیم خان خاناں، عرفی شیرازی، نظری، حکیم ابوالفتح شیرازی، ملا عبدالقادر بدایونی، راجہ ٹوڈرمل، راجہ مان، راجہ بھگوان سنگھ، بیربل وغیرہ قابل لوگ اس کے دربار میں موجود رہتے تھے۔

ابوالفضل بادشاہ کا مشیر کار تھا۔ اکبرنامہ، آئینِ اکبری کا مصنف ہے۔ بہت فاضل اور قابل شخص تھا۔ ابوالفیض فیضی شاعر تھا اور سنسکرت کا ماہر تھا۔ بہت سی سنسکرت کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اکبر کو ان دونوں بھائیوں سے بہت تعلق تھا۔

عبدالرحیم خان خاناں سنسکرت اور بھاشا کا فاضل تھا اور بھاشا اور فارسی کا شاعر تھا۔ اور علوم و فنون اور شاعری کا سرپرست تھا۔ اس کا خود ایک دربار اور کتب خانہ علٰحدہ تھا جس میں بہت قابل علما جمع رہتے تھے۔ اس کے دربار میں عرفی شیرازی اور نظیری نیشاپوری جیسے شاعر رہتے تھے غرض خان خاناں کا کتب خانہ لاجواب تھا۔

حکیم ابوالفتح شیرازی طبیب تھا مگر ملا عبدالقادر بدایونی جو مذہبی جماعت کا پیشوا اور تاریخ بدایونی کا مصنف تھا اکبر کی ان مذہبی حرکات کا سخت مخالف تھا۔

راجہ ٹوڈرمل ماہر صیغہ بندوبست تھا اور راجہ مان سنگھ اور راجہ (باقی صفحہ ۲ کالم ۲ پر)

ایک حجام اور اس کی بیوی

(ابو سہیل متعلم جامعہ)

کسی زمانے میں ایک گاؤں میں ایک حجام اور اس کی بیوی رہتے تھے حجام تو اس قدر بے وقوف تھا کہ اگر کسی کے سر کے بال کاٹنے ہوتے تو سر کاٹ لیتا اور اگر داڑھی کاٹنی ہوتی تو گردن کاٹ ڈالتا اور اگر مونچھ کاٹنی ہوتی تو ہونٹ کاٹ لیتا۔ آخر کار لوگوں نے تنگ آکر اس سے حجامت بنوانی چھوڑ دی۔ اب اس پر اور اس کی بیوی پر فاقے پر فاقے گزرنے لگے۔ اس کی بیوی بہت عقلمند تھی اس نے کہا کہ تم تو بہت بیوقوف ہو، جاؤ فلاں بادشاہ کے ہاں آج کل بہت روپیہ ہے اور وہ غریبوں کو بہت دیتا ہے۔ جاؤ تم بھی کچھ مانگو۔ جب حجام بادشاہ کے ہاں پہنچا تو کہا "غریب پرور کچھ ہمیں بھی مل جائے" بادشاہ نے کہا کیا چاہتے ہو۔ اس نے کہا جو کچھ حضور دیں گے وہی لے لوں گا، بادشاہ نے کہا کہ "آخر تمھیں کیا چاہئے" اس نے کہا کہ "تھوڑی سی زمین دے دیجئے" بادشاہ نے کہا کہ "لے لو" تب حجام صاحب خوش خوش گھر لوٹے بیوی نے خوش ہو کر پوچھا "میاں کیا لائے" میاں بولے کہ تھوڑی سی زمین لایا ہوں اس نے کہا کہ "زمین کا ہم کیا کریں گے ہمارے پاس ہل ہے اور نہ بیل۔ خیر ایسا کرو کہ کسی کسان سے جو کا دانہ مانگ لاؤ" حجام صاحب جو کا دانہ مانگ کر لے آئے۔ مگر اب وہ سوچنے لگے کہ ہل کس طرح چلایا جائے۔ اس کی بیوی نے کہا کہ "اچھا آؤ ہم اس کھیت میں اس طرح چلیں پھریں کہ لوگ سمجھیں کہ کوئی چیز تلاش کر رہے ہیں اور جب کوئی آئے تو بیٹھ جائیں۔ یہ مشورہ کرکے دونوں میاں بیوی چلے اور کھیت میں ٹہلنے لگے جب کسی کو آتا دیکھتے تو جھٹ بیٹھ جاتے۔ قریب ہی ایک جھاڑی تھی جس میں دس چور چھپے بیٹھے تھے اتنے میں چوروں کا سردار آیا اور کہا کہ تم کیا تلاش کر رہے ہو، بیوی نے کہا "کچھ نہیں" چوروں کے سردار نے کہا "آخر کچھ تو" اس کی بیوی نے کہا کہ "میرے دادا نے یہاں اشرفیاں گاڑی تھیں وہ تلاش کر رہی ہوں۔" یہ پوچھ کر چوروں کا سردار چلا گیا اور حجام اور اس کی بیوی بھی گھر چلے آئے۔ جب رات ہوئی تو وہ چور اور اس کے سردار باہر نکلے اور تمام زمین کھود ڈالی آخر کچھ نہیں ملا تو شرمندہ ہو کر حجام اور اس کی بیوی کو گالیاں دینے لگے اور کہا کہ اچھا اس کو اس کا مزہ چکھائیں گے۔ جب صبح ہوئی تو دونوں میاں بیوی آئے اور دیکھا کہ زمین کھدی کھدائی موجود ہے دونوں میاں بیوی بہت خوش ہوئے اور وہ دانہ جو کسان سے مانگ کر لائے تھے بو دیا۔ خدا کے فضل و کرم سے خوب اُگا اور بہت سا دھان حاصل ہوا اور خوشی خوشی کاٹ کر گھر لے گئے۔ اور تمام گھر بھر گیا۔ یہ اس وقت اس گاؤں میں سب سے زیادہ امیر تھے۔ چوروں کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو انکو وہی دقت اور وہی بات یاد آگئی اور باری باری ایک ایک چور انکے گھر آنے لگا۔ حجام کی بیوی نے ایک چور کو دیکھ لیا اور دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہوگئی جب پہلا چور آیا تو اس نے جھٹ اس کی ناک کاٹ لی اور اس کو ایک ڈبیہ میں حفاظت سے رکھ دیا۔ اور وہ "اوں اوں" کرتا ہوا بھاگا اور اسی طرح نوبت بہ نوبت آتے گئے اور اپنی ناکیں کٹا کٹا کر بھاگتے گئے تو ان چوروں کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ ہم اس کا بدلہ لیں گے جب صبح ہوئی تو حجام کی بیوی نے وہ تمام ناکیں کوتوالی میں پہنچا دیں۔ اُن چوروں کو گرفتار کیا گیا بیچارے وہاں بھی پٹے اور جب وہاں چھوٹے تو سب کے سب مل کر حجام سے بدلہ لینے گئے۔ اس دفعہ حجام کی بیوی نے یہ چال چلی کہ اپنے شوہر سے پوچھنے لگی کہ مٹھائی کہاں رکھ دی، میاں بولے اسے اس طاق میں رکھ دی ہے صبح لے لیں گے چور یہ سب باتیں سن رہے تھے جب دونوں میاں بیوی سو گئے تب چور تھیلی لے کر بھاگے اور جنگل میں جا کر سب نے منہ بھر بھر کے نوالے مارنا شروع کئے تو دیکھا کہ گوبر ہے۔ سب تھو تھو کرتے ہوئے بھاگے۔ اب ان کو اور غصہ آیا اور بدلہ لینے کے لئے تڑپنے لگے۔ جب رات ہوئی تو پھر سب بدلہ لینے کے لئے چلے۔ جب اس کے مکان پر پہنچے تو حجام کی بیوی نے پھر دیکھ لیا تھا اب وہ پوچھنے لگی کہ اشرفیوں کی تھیلی کہاں ہے اس نے کہا کہ اس نیم کی ٹہنی پر لٹکی ہوئی ہے جب وہ سو گئے تو چور تھیلی لینے کے لئے نیم پر چڑھے جونہی انھوں نے تھیلی کو ہاتھ لگایا اس میں سے بھڑیں نکلیں اور انھوں نے انکو کاٹنا شروع کیا اور کاٹ کاٹ کر ان کے

بدن کو سوجا دیا۔ چور "دھم، دھم" نیچے گرنا شروع ہونے لگے اتنے میں وہ میاں بیوی بھی جاگ گئے۔ انھوں نے اٹھ کر چوروں کو اتنا مارا کہ بیچارے گرتے پڑتے بھاگے اب دونوں میاں بیوی کو اطمینان ہو گیا کہ اب چور نہیں آئیں گے اور دوسرے دن خوب آرام کی نیند سے سو رہے تھے کہ چوروں کا سردار پھر آیا اور حجام کی بیوی کا پلنگ اٹھا کر لے گیا وہ بے پرواہی سے جا رہے تھے کہ راستے میں حجام کی بیوی کی آنکھ کھل گئی اور وہ بہت پریشان ہوئی۔ راستے میں ایک بڑ کا درخت آیا اُس نے اُس کی داڑھی پکڑ لی اور لٹک گئی اور چور بھی اسی جگہ ٹھہرے جب انھوں نے دیکھا کہ پلنگ خالی ہے بہت گھبرائے تو حجام کی بیوی درخت پر بیٹھ کر پریوں کی طرح گانے لگی۔ چوروں کا سردار جو پیرا دے رہا تھا وہ سمجھا کہ پری گا رہی ہے وہ بھی جھٹ درخت پر چڑھ گیا اور کہنے لگا کہ میں تم پر عاشق ہو گیا ہوں حجام کی بیوی نے کہا کہ اچھا اپنی زبان نکالو میں پہچان لوں گی۔ جیسے ہی اُس نے زبان نکالی حجام کی بیوی نے اس کی زبان کاٹ لی اور وہ "دھم" سے نیچے گرا اور رونے لگا۔ اس کے سب ساتھی بھوت سمجھ کر بھاگ گئے اور حجام کی بیوی ہنسی خوشی گھر چلی آئی اس کے بعد سے دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

غیبی ہدایت

جناب ابوبکر صاحب متعلم جامعہ

بہت عرصہ ہوا کسی جنگل میں ایک صاحب رہتے تھے، ان کا مرید بھی تھا اس نے بہت عرصہ تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت کی لیکن اپنے اندر کوئی کمال نہ پیدا کر سکا اس لئے اس نے وہاں سے فرار ہونے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن بھاگنے کا کوئی مناسب موقع نہ ملا۔

ایک دن اس کے پیر نے کہا کہ سامنے والے تالاب سے ایک صراحی میں پانی جا کر بھر لاؤ اس نے اپنے پیر صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی اور صراحی لیکر تالاب کی جانب چلا راستہ میں اسے یاد آیا کہ بھاگنے کے لئے یہ موقع بہت مناسب اور موزوں ہے۔ یہ خیال کر کے اس نے صراحی کو تو تالاب میں پھینکا۔ اور خود راہ فرار اختیار کی۔

وہ مشکل سے تین چار ہی قدم چلا ہو گا کہ اسے ایک آواز سنائی دی اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے چلنا شروع کیا پھر وہی آواز آئی کہ "تو کہاں جاتا ہے" اس نے مڑ کر کے دیکھا۔ تو صراحی میں سے یہ آواز آ رہی تھی "کہ اے انسان دیکھ میں پہلے مٹی تھی میں اپنے ماں باپ اور بھائیوں کے ساتھ رہتی تھی، مجھ کو جنگل سے کمہار اٹھا کر لایا۔ اور پھر اس نے مجھے خوب مارا پیٹا اور پھر پانی میں ملایا اور گلا اٹھا کر مجھ کو ایک صراحی کی شکل میں تبدیل کیا۔ پھر عمدہ اور خوشنما بنانے کے واسطے اس نے مجھ کو پیٹا۔ اور میرے اوپر نقش و نگار بنائے تو آج میں اس قابل ہوئی کہ تیرے کندھے کے اوپر سوار ہوئی، مجھ سے سبق لے اور دیکھ اپنے آپ کو خاک میں ملا اس کے بعد دیکھنا کہ سب انسان تجھ کو اپنے کندھوں پر چڑھائیں گے" اس گفتگو کا اثر مرید پر اس قدر ہوا کہ اس نے فوراً اپنا ارادہ بدل دیا اور اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہو کر محنت و مشقت شروع کی۔ اور بالآخر اپنے پیر کے بعد اس کا جانشین بنا۔

ایک برہمنی کی کہانی

(گزشتہ سے پیوستہ)

کسی جگہ بیج ناتھ نامی ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کی عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اسی دن ایک نیولے نے اس برہمن کے گھر میں ایک بچہ جنا۔ اس برہمنی کو بچوں سے بہت محبت تھی اس لئے وہ نیولے کے بچے کو بھی دودھ وغیرہ پلا کر پالتی تھی مگر وہ اس پر بھروسہ نہ کرتی تھی کہ شاید کبھی اپنی خو۔ اگر میرے بچے کو نقصان نہ پہنچا بیٹھے

ایک دن وہ برہمنی اپنے بچے کو چارپائی پر سلا کر پانی کا گھڑا لے برہمن سے بولی "میں پانی لانے کے لئے تالاب پر جاتی ہوں تم اس بچے کو اس نیولے سے بچاتے رہنا۔ برہمنی کے چلے جانے کے بعد برہمن بھی بھیک مانگنے چلا گیا۔ برہمن کے چلے جانے کے بعد بل سے ایک سانپ نکل کر برہمن کے گھر میں گھس گیا۔ نیولے نے اس کو دیکھتے ہی اس سے لڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ برہمنی کے لوٹنے پر وہ نیولا اپنا کام ظاہر کرنے کے لئے اس کے سامنے گیا۔ نیولے کا خون سے بھرا ہوا منہ دیکھ کر برہمنی کے دل میں شک پیدا ہوا کہ شاید اس نے میرے بچے کو کھا لیا ہو۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے پانی سے بھرا ہوا گھڑا اس کے سر پر پٹک دیا۔ نیولے کو مار کر جب وہ روتی پیٹتی گھر آئی تو بچے کو اسی طرح سوتا ہوا پایا۔ اور پاس ہی اس کو کالے سانپ کے ٹکڑے نظر پڑے۔ یہ دیکھتے ہی وہ سارا معاملہ سمجھ گئی اور اپنی نادانی پر رونے چلانے لگی۔ اسی اثنا میں برہمن بھیک مانگ کر واپس آ گیا۔ تب برہمنی نے اس سے کہا "اے ادا لالچی تو نے لالچ میں آ کر میرا کہنا نہ مانا اور بھیک مانگنے چلا گیا اور اپنی لالچ کی وجہ سے بیچارے نیولے کے بچے کا خون کرایا۔ کسی نے ٹھیک کہا ہے۔

"انسان کو زیادہ لالچ نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ بہت زیادہ لالچ کرنے سے بہت ہی مصیبت اٹھانی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ناظم علی کو میرے جواہرات کی لالچ میں پڑ کر سخت مصیبت اٹھانی پڑی"۔

میر اصغر علی قادری۔ متعلم جامعہ ملیہ

کوائفِ جامعہ

گزشتہ دو ہفتوں میں انجمن اتحاد کے زیر اہتمام تین جلسے ہوئے ایک جلسے میں ڈاکٹر گرانس پروفیسر شانتی نکیتن نے نوجوانوں کے نصب العین پر بشیر منزل میں ایک گھنٹہ تک تقریر کی۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب جلسے کے صدر تھے۔

دوسرا جلسہ محمد علی ہوسٹل میں ہوا۔ اس میں پروفیسر بانڈ کرنے Romance of the meeting of the East and West پر ایک عالمانہ تقریر کی۔ جسے حاضرین نے بہت دلچسپی کے ساتھ سنا۔

تیسرے جلسے میں سید انصاری صاحب نے شانتی نکیتن کے دلچسپ حالات سنائے۔ آپ سے چند سوالات بھی کئے گئے جن کے آپ نے جوابات دئے۔ اسی جلسے میں عبدالسلام صاحب قدوائی متعلم جامعہ نے ایک دلچسپ مضمون بھی پڑھ کر سنایا۔

۹؍اپریل کو جامعہ کی ہاکی ٹیم کا اورئینٹل کلب سے موری دروازے کے میدان میں میچ ہوا۔ بارش اور آندھی کی وجہ سے اگرچہ جامعہ کے چند اچھے کھلاڑی نہیں پہنچ سکے تھے۔ اس پر بھی جامعہ کی ٹیم دو گول سے جیت گئی۔

سالانہ امتحان سے قبل مدرسے کے تین آزمائشی امتحان ہوں گے ان امتحانوں کا اثر سالانہ امتحان پر پڑے گا۔ چونکہ دن کم رہ گئے ہیں اس لئے طلبہ سخت محنت کر رہے ہیں۔

ملنے کا پتہ
مکتبہ جامعہ قرولباغ - دہلی

بچوں کی کتابیں

ملنے کا پتہ
مکتبہ جامعہ، قرولباغ - دہلی

مذہبی

کتاب	قیمت
ہمارے نبی	۴/
ہمارے رسول	۶/
سرکار کا دربار	۸/
چار یار	۱۴/
قصص القرآن	۱۲/
بصائر القرآن	[illegible]
الہامی افسانہ	۱۲/
اسلامی کہانیاں	۸/
خلافت راشدہ	[illegible]
ذکر مبارک	۵/
ذکر جمیل	۴/
ذکر حبیب	۲/
الاسلام	۱/
مختصر تاریخ اسلامی حصہ اول	۸/
〃 دوم	۹/
〃 سوم	۱۰/
〃 چہارم	[illegible]
تاریخ اسلام مکمل	[illegible]

معلومات عامہ

کتاب	قیمت
شہر شہری شہرت	۵/
کیوں اور کس طرح	۶/
زنانہ خطوط نویسی	۵/
انشائے نسوان	۸/
بوائے اسکاوٹ	۳/
ٹنڈرفٹ ٹسٹ کارڈ	۲/
سلک مروارید ہر چہار حصہ	[illegible]
تاریخ ہند کی کہانیاں	۴/

نظمیں

کتاب	قیمت
پھولوں کی ڈالی	۴/
سنہری گیت	۵/
چپ کی داد	۱/
چہار گلزار	۲/

اساتذہ کے کام کی کتابیں

کتاب	قیمت
التربیۃ الاستقلالیہ	[illegible]
فطرت اطفال	۵/
تقویم التعلیم	۱۲/
کامیاب مطالعہ	۱۲/

کہانیاں

کتاب	قیمت
موتیوں کی مالا	۴/
رستم و سہراب	۸/
پارس حصہ اول وحصہ دوم	۳/
پھول وتی	۸/
امرت	۱/
شہزادہ ساگر	۸/
بچوں کی کہانیاں	۸/
ترجمہ گلیور کی سیاحت	۵/
ترکوں کی کہانیاں	۴/
قوم پرست طالب علم (ڈرامہ)	۴/
زلفی	۶/
زرداد	۶/
لنگڑا ماموں	۲/
نعیم بھیی	۳/
اتالیق	۵/
جمیلہ خاتون	۱/
چھوٹا شہزادہ	۱۰/
آسمانی خزانہ	۴/

پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
تعلیمی رسالہ
DELHI

قیمت سالانہ
دو روپے
عہ

قیمت فی پرچہ
چھ پیسے
۱ر

جلد ۱۰ | ۲۱ر اپریل سنہ ۱۹۳۱ عیسوی | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

خریداروں سے گذارش

امید ہے کہ ہمارے معاونین و خریداران پیام تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ اگر ہر خریدار ایک مزید خریدار بنا دے تو ہم اس قابل ہو جائیں گے کہ پیام تعلیم میں بہت سی خوبیوں کا اضافہ کریں اور ساتھ ساتھ رعایت کی جاتی ہے کہ ایک خریدار بنانیوالے کو ۲ر کی قیمت کی کوئی کتاب یا پانچ خریدار بنانیوالے کے نام ایک سال کے لئے پیام تعلیم مفت جاری کیا جائیگا۔

منیجر

آزادیٔ فرانس کی دیوی

جون آف آرک

سمندروں یا دریاؤں کے کسی خاموش اور تنہا گوشے میں جب صدف کا منہ کھلا ہوتا ہے اور بارش کا ایک معمولی قطرہ اس کی تشنگی فرو کرتا ہے تو کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر جب شکم صدف میں وہ گوہر بن جاتا ہے تب بھی ہم اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ہاں جب وہ درخشاں موتی دنیا میں نکلتا ہے اور ہمارے سامنے آ کر نظر میں چکا چوند پیدا کر دیتا ہے۔ اس وقت ہم اس کی قدر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں بعینہ یہی حال دنیا کی بڑی بڑی اور مایہ ناز ہستیوں کا ہے کہ وہ اس وسیع زمین کے کسی نامعلوم اور غیر مشہور گوشے میں پیدا ہوئی ہیں لیکن جب شہرت کے آسمان پر وہ آکے چمکی ہیں تو لوگوں کو آفتاب کا دھوکا ہوا ہے۔

درحقیقت قدرت کا یہ فعل بھی خالی از حکمت نہیں۔ ایسے لوگوں کی شہرت و عزت زیادہ تر اسی گمنامی ابتدائی کی رہین منت ہے۔ آپ خود ہی دیکھئے اگر کسی بادشاہ کا لڑکا تاج و تخت حاصل کرتا ہے تو ہمیں حیرت و تعجب نہیں ہوتا اور ہم اس کی قابلیت و اہلیت کا زیادہ اعتراف نہیں کرتے لیکن اس کے

برعکس جب ہمارے سامنے ایک ایسا شخص آتا ہے جس نے اپنی زندگی کے ابتدائی منازل مفلسی اور فاقہ کشی میں بسر کیں لیکن اپنی کوشش ہی کی بدولت معمولی حالت سے نکل کر تخت سلطنت پر آبیٹھا تو ہم دانتوں میں انگلی دبا لیتے ہیں اور زبان سے اس کی قابلیت کا اعتراف ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے قلب میں اس کی عزت و احترام جاگزیں پاتے ہیں۔

پھر جب قانون قدرت یہی ہے تو جون آف آرک اس سے کیسے بچتی۔ فرانس کے مشرق میں ڈومری جیسے معمولی گاؤں کی پہاڑیوں میں فرانس کی آزادی کا یہ سورج طلوع ہوا لیکن اسی گمنامی اور کس مپرسی کی حالت میں جو ہمیشہ ایسے لوگوں کی پیدائش کے ہمراہ رہی ہے۔ کون جانتا تھا کہ یہ دہقانی لڑکی جو سنسان پہاڑیوں میں تمام تمام دن بھیڑوں کو چرانے والی اور کم مایہ مفلس گھر میں پیدا ہونے والی کبھی فرانس کو ہمیشہ کے لئے آزادی دلا دے گی اور جب فرانس کے مشرق سے یہ آفتاب آزادی بلند ہوگا تو ارض فرانس کو ایک ایسے نور سے چمکا دے گا جو ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ قدرت اس سے واقف تھی اور قدرت نے اسے اسی کام کے لئے پیدا کیا تھا۔ جون خاموشی پسند اور گوشہ نشین واقع ہوئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ سنسان اور غیر آباد پہاڑیوں پر بھیڑیں چرانا اسے پسند تھا۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی اس کا وہ خوابیدہ جذبہ آزادی بیدار ہوتا گیا جو قدرت نے اس کے پہلو میں پیدا کیا تھا۔

جب جون نے اپنی عمر کے بیسویں سال میں قدم رکھا تو اس کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ دن بھر بھیڑوں کو چرانے اور محنت و مشقت کرنے کے بعد جب رات کو وہ اپنے باپ کے جھونپڑے میں سوتی تو ایک ایسی دنیا میں پہنچ جاتی جہاں اسے آزادی کی طرف ترغیب دی جاتی تھی۔ ہر رات خواب میں اسے دیوتا نظر آتے اور کہتے "جون! تو جانتی بھی ہے کہ تجھے ایک بڑے کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے! جا اور شہزادہ ڈافن کی مدد کر" یہ خواب ایسے تھے جنھوں نے اول تو اسے مبہوت اور پریشان سا کر دیا لیکن جلد ہی اسے ان خوابوں کی اصلیت سمجھنے کے ساتھ ہی اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہوگیا۔ یقیناً یہ خواب کسی بیماری کا نتیجہ نہیں تھے (جیسا کہ چارلس ڈکنس نے اپنی کتاب "چائلڈز ہسٹری آف انگلینڈ" میں لکھا ہے کہ یہ خواب ایک دماغی بیماری کی کرشمہ سازیاں تھیں) اور قدرت کو ان خوابوں کے ذریعہ جون سے ایک بڑا کام کرانا تھا۔ دن گزرتے گئے اور اپنے مقصد زندگی کی تکمیل کے لئے جون آف آرک کی بے چینی اور بے قراری بڑھتی گئی جیسا کہ چارلس ڈکنس نے لکھا ہے "ایک دن گاؤں میں چند انگریزی سپاہی گھس آئے اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا" اور یہ آخری شے تھی جس نے جون کے پیمانہ صبر کو چھلکا دیا اور وہ شہزادہ ڈافن کے پاس صرف اپنے ایک غریب چچا کی معیت میں روانہ ہوگئی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فرانس کا شمالی حصہ اہل انگلینڈ کے زیر نگیں آچکا تھا اور انھوں نے تمام فرانس پر قبضہ پانے کے لئے شہر آرلینز پر محاصرہ ڈال رکھا تھا۔ دراصل آرلینز کی فتح پر سارا دار و مدار تھا اور یہی وجہ تھی کہ بہادر محصورین باوجود بھوکے مرنے کے قلعہ کو حوالہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ دوسری طرف اہل انگلینڈ ڈٹے ہوئے تھے اور محصورین کے تمام وسائل رسد بند کر کے قلعہ کو بغیر کسی جنگ کے لینا چاہتے تھے۔ محصورین کی مایوسیاں ان کی امیدوں کو فنا کر کے انگریزوں کے دلوں کو مسرور کر رہی تھیں اور انھیں یقین واثق ہوتا جاتا تھا کہ آج نہیں تو کل اس قلعہ پر ہمارا جھنڈا لہراتا ہوگا اور سارا فرانس ان کے سامنے سرنگوں ہوگا۔ لیکن ہونے والا کچھ اور تھا قدرت نے ان کے خوفناک مستقبل کے سامنے ایک خوشنما پردہ لٹکا رکھا تھا جسے دیکھ دیکھ کر وہ خوش ہوتے اور سمجھتے تھے کہ جو باہر ہے وہی اندر۔ لیکن جس وقت وہ پردہ ایک دیہاتی لڑکی نے آکر الٹ دیا تو انھیں اپنا مستقبل صاف نظر آیا اور وہ خوف زدہ ہو کر رہ گئے۔

یکایک ایک دن ایک فرانیسی سپاہ محصور قلعہ کے سامنے نمودار ہوئی اہل انگلینڈ بھی چونکے اور اٹھ کر دو چار ہو گئے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا ادھر محصورین نے یہ شور و غل سنا تو گھبرا گئے اور قلعہ پر سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک فرانسیسی سپاہ ہے جو ایک سفید پوش نوجوان لڑکی کی سرداری میں لڑ رہی ہے۔ بس ان کے مردہ دلوں میں غیرت نے ایک ایسی روح لی کہ انھیں قلعے باہر لا کر کھڑا کر دیا۔ نتیجۂ جنگ فرانس کی فتح کی صورت میں نمودار ہوا اور آزادی کا سنگ بنیاد آزادی کی دیوی کے ہاتھوں رکھا گیا۔ جون با فتح و کامرانی قلعہ میں داخل ہوئی اور چاروں طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

اپنے اس کارنامے کے بعد جون آف آرک نے کئی اور نمایاں کام کئے آخرکار اس نے اپنے ہاتھوں ریمز کے گرجا میں شہزادہ ڈافن کے سر پر تاج حکومت رکھ دیا اور اس کو دنیا کے سامنے چارلس ہفتم کی صورت میں پیش کر دیا۔ جون کے لئے اب کوئی اور کام نہ تھا اور اس لئے اس نے چارلس سے پھر اپنے گاؤں

جانے کی اجازت طلب کی مگر وہ منظور نہ ہوئی ۔ چارلس اس ہیرے کو کیسے اپنے قبضے سے جانے دے سکتا تھا۔

اب جون آف آرک کی زندگی کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے اور یہ وہ دور ہے جس نے تاریخ یورپ کے صفحوں کو رنج و الم رنگ میں رنگ دیا ہے ۔ انگریزوں کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ جون ضرور کوئی ساحرہ ہے ۔ یہی خیال تھا جس نے انھیں ہراساں کر دیا اور جون کی موت کا سبب بنا کمپین کے محاصرہ پر جون نے نہایت بہادرانہ کارنامے انجام دئے لیکن اس کے بزدل ساتھی اسے تنہا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ اس بہادری اور شجاعت کی پتلی کے قدم میں لغزش نہ ہوئی اور وہ مقید ہونے تک اُن کے لئے لڑتی رہی جو کہ دشمنوں کے نرغے میں تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ۔ جون کا انگریزوں کے ہاتھوں پکڑا جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے تمام انگریزی فوج کو مسرور اور شادماں بنا دیا ۔ وہ قید میں چند سال تک رہی لیکن افسوس چارلس ہفتم نے اس کی رہائی کے لئے کوئی کوشش نہیں کی ۔ جون آف آرک کی زندگی سے جہاں اور سبق ملتے ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ " بادشاہ بے وفا ہوتے ہیں "

آخر کار جون آف آرک ۱۴۳۱ء میں آگ کے شعلوں کی نذر کر دی گئی اور ڈمرمی سے طلوع ہونے والا آفتاب شہر رو ئن میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ۔ یہ سب کچھ ہوا مگر انگریزوں کے پاؤں پھر فرانس میں نہ جم سکے ۔ کئی جنگوں کے بعد انگریزی فوجیں انگلینڈ لوٹ آئیں اور ایک غریب دیہاتی لڑکی نے اپنی زندگی کے بدلے فرانس کو آزادی دلا دی ۔ جون آف آرک اگرچہ اب سے تقریباً پانچ سو برس پہلے دنیا سے سدھار چکی ہے لیکن وہ اب بھی زندہ ہے اور جب تک تاریخ کے صفحوں میں شہیدان ملک کو جگہ دی جاتی ہے اس کا نام سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا ۔ جو اپنی زندگی قوم و ملک کے مفاد کے لئے مٹا دیتے ہیں ان کا انعام یہی ہوتا ہے ؎

یہاں جو کر کے کچھ مرتے ہیں وہ مرتے نہیں ہرگز
کہ اُن کی موت آتی ہے حیاتِ جاوداں ہو کر

فاروقہ بیگم ۔ دیوبندی

(بقیہ مضمون جنگل کا دیوتا صفحہ ۱۰)

نے پانی خوب سیر ہو کر پیا اور اس کی پیاس جاتی رہی ۔

جوہڑ کے دیوتا نے کہا " میں تمھاری گفتگو سے بہت ہی خوش ہوا ہوں ۔ اب میں تجھے ایک تحفہ دیتا ہوں ۔ تم ان چاروں جوانوں میں سے جو کہ کسی سے تمھیں محبت ہے اور اُس کا نام لو ، تو وہ زندہ ہو جائے گا "

یدہشٹر نے سوچ بچار کے بعد جواب دیا " کہ میں مدری کے بیٹے نیکولا سے محبت رکھتا ہوں "

سارس نے کہا " لیکن وہ تو تیرا سوتیلا بھائی ہے ، کیا تم اپنے سگے بھائی بھیما یا ارجنا سے محبت نہیں رکھتے "

یدہشٹر نے کہا " میں اپنے سگے بھائیوں سے محبت تو رکھتا ہوں لیکن میری دلی تمنا ہے کہ نیکولا دوبارہ زندہ ہو جائے "

سارس " کیوں ! "

یدہشٹر ۔ " کیونکہ وہ مدری کا بیٹا ہے اور میں کونتی کا بیٹا ہوں اور جب ہم تیرہ برس کی جلا وطنی کے بعد گھر جائیں گے تو دونوں رانیاں ہمارے دیکھنے کے لئے آگے آئیں گی اور وہ پانچ بھائیوں میں سے دو کو صحیح و سلامت دیکھیں گی ۔ اور اگر مدری نے دیکھا کہ دونوں بھائی کونتی کے بیٹے ہیں تو وہ خیال کرے گی کہ اُس کے بیٹے مر گئے ہیں تو وہ بہت غمگین ہو گی اور اس کا دل ٹوٹ جائے گا ۔ اس لئے جنگل کے دیوتا ! تو ہمارے والدین پر رحم کر اور ہماری دوسری ماں مدری کا ایک بیٹا زندہ کر دے کہ اُس کے دل کو تسکین ہو "

اب سارس نہیں دکھائی دیتے تھے مگر ایک آواز سنائی دی ۔

" اے نیک دل شاہزادے تو نے جو سارس دیکھا تھا وہ سارس نہ تھا بلکہ در حقیقت وہ بڑا دیوتا تھا ۔ جو کہ یہاں اپنا مسکن بنائے رکھتا تم نے اُس کو اور دوسرے تمام دیوتاؤں کو بہت خوش کیا ہے ۔ تم نے بجائے اپنے سگے بھائی کے سوتیلے بھائی نیکولا کو چنا ۔ میں نے تمھاری ذہانت کا امتحان لیا ہے جس میں تو کامیاب رہا ۔ اور تو نے اپنے جوابات سے خدا اور مجھ کو بہت خوش کیا ہے اس لئے تمھارے چاروں بھائی زندہ کر دئے جاتے ہیں " یہ کہنا تھا اور یدہشٹر کے تمام بھائی کھڑے ہو گئے

(انگریزی سے ترجمہ)

فاسفورس

(جناب نعمت حسین صاحب۔ ایم۔ ایس سی

(گذشتہ سے پیوستہ)

ان کے علاوہ فاسفورس کی دو قسمیں اور بھی ہیں ایک کو دھاتی یا سیاہ فاسفورس کہتے ہیں اور دوسری کو نیجی فاسفورس۔ سیاہ فاسفورس کو ہشارت نے معلوم کیا تھا یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ ایک بند شیشہ کی نلی میں سفید فاسفورس ۵۲۰ درجہ حرارت پر گرم کیا جاتا ہے۔ تب اس کی نہایت چمکدار غیر شفاف قلمیں حاصل ہوتی ہیں ثقل اضافی ۲۰۳۴-۲۰۳۱۶ ہے ہوا میں آکسیڈائز نہیں ہوتا یہ برق کی موصل نہیں ہے۔ لیکن اس کی دوسری قسم بیٹا سیاہ فاسفورس جس کا ثقل اضافی ۲۰۶۹ ہے برق کا موصل ہے۔ یہ سفید فاسفورس سے ۲۰۰ درجہ حرارت اور ۱۲۰۰۰ کلوگرام فی مربع سنٹی میٹر دباؤ کے تحت حاصل ہوتا ہے۔

نیجی فاسفورس۔ یہ سفید فاسفورس کو گرم کرنے سے حاصل ہوتا ہے لیکن اس میں سوڈیم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی شامل کر لیتے ہیں۔ اس کو بہت ہی زیادہ دباؤ کے تحت بنایا جاتا ہے۔

دیاسلائی کے کارخانہ میں تمام کام مشینوں سے لیا جاتا ہے۔ لکڑی کے بڑے بڑے ہتے چھوٹی چھوٹی سلائیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، مصالحہ بھی مشین لگاتی ہے اور شمار کر کے ان کو بکسوں میں بھی مشین رکھتی ہے ذیل سطور میں ہم اس بیان کو جو کسی فیکٹری نے اس صنعت کے متعلق شائع کیا ہے۔ قلمبند کریں گے۔

ایک بڑے کمرہ میں سولہ مشینیں ہوتی ہیں۔ جو کہ سلائیاں بناتی ہیں۔ ان کو پیرافین میں ڈبوتی ہیں۔ ان کو سروں پر اجزائے ترکیبی کے آمیزہ کو لگاتی ہیں۔ اس کے بعد اس کو بکسوں میں بھر دیتی ہیں۔ ان تمام عمل میں ہاتھ لگانے کی نوبت نہیں آتی۔ آیندہ اگر آدمی صرف مشین میں لکڑیاں لگاتا جاتا ہے۔ اس کے بعد مشین تمام کام خود کرتی ہے۔

ہاتھ میں سے مشین لکڑی لے کر اپنے بیلون میں خود دبا لیتی ہے۔ اور تیز تراشوں میں اس طرح رکھتی ہے کہ ذرا سی بھی لکڑی ضائع نہیں ہوتی یہ تراشس بالعموم ۴۸ ہوتے ہیں اور ایک قد و قامت کی سلائیاں کاٹتے ہیں۔ اس کے بعد یہ سلائیاں ایک لوہے کے حلقہ میں آجاتی ہیں۔ اور اس کے سوراخوں میں سے نکلنا شروع ہوتی ہیں۔ یہ متحرک آہنی حلقہ ۰۰۰ فٹ لمبا ہوتا ہے۔ اور اس کا راستہ خط کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں ابتدا سے لیکر انتہا تک نصف گھنٹہ لگتا ہے۔ رفتار کو درجہ حرارت کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ تاکہ بکسوں تک پہونچتے پہونچتے سلائیاں خشک ہو جائیں جب یہ آخری سرے پر آتی ہیں۔ تو ایک دوسرا حصہ اس کو پکڑ کر بکسوں میں بھر دیتا ہے۔ ان بکسوں کو ہر وقت ہلایا جاتا ہے تاکہ جگہ خالی نہ رہنے پائے۔ جب کہ یہ بھر جاتی ہیں تو ایک فولادی ہاتھ اس کا ڈھکنا لگا دیتا ہے، اور اس کے بعد ایک درجن ہو کر ایک برتن میں آتی ہیں جہاں کہ مشین ان کو کاغذ میں باندھ کر مہر لگا دیتی ہے۔ اس کے بعد بیت تیز دستار کیاں بارہ بارہ درجن کے پارسل بنا کر دکانوں کو روانہ کر دیتی ہیں۔ ۴۸ تراش ایک مرتبہ میں ۴۸ سلائیاں کاٹتے ہیں۔ اور تقریباً ۲۳۰-۱۵ یا اوسطاً دو سو مرتبہ فی منٹ چکر لگاتے ہیں۔ لہذا ہر ایک مشین ایک منٹ میں ۹۶۰۰ سلائیاں یا ۵۷۶۰۰۰ سلائیاں ایک گھنٹہ میں کاٹیگی۔ اگر دس گھنٹہ روزانہ یہ سولہ مشینیں کام کریں تو ۹۲۰۰۰۰۰۰ سلائیاں روزانہ بنیں گی۔ فیکٹری کے صرف ایک کمرہ کے یہ حالات ہیں۔ اگر صرف لورپول کی ایک دن کی بنی ہوئی سلائیوں پر غور کیا جائے۔ تو معلوم ہو گا کہ ان کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جائے۔ تو سات ہزار میل لمبا زنجیرہ بنے گا۔ یہ صرف ایک قسم کا ذکر ہے۔ اگر دوسری قسموں کا ذکر کیا جائے۔ تو ان اعداد کا شمار کرنا مشکل ہو جائے۔

ایک سال میں ایک کارخانہ ۹۰۰۰۰۰۰ لاکھ دیاسلائیاں بناتا ہے

ہر سال بڑے بڑے صنوبر کے درخت دیاسلائیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ کمپنی کے پاس اس کے جنگلات ہوتے ہیں۔ کیلفورنیا میں ۵۰۰۰۱ ایکڑ جنگلاتی زمین ہیں اس قسم کے کارخانے جرمن سوئیڈن۔ روس اور امریکہ وغیرہ میں موجود ہیں اور چھوٹے چھوٹے بہت دیگر مقامات میں موجود ہیں۔

دیاسلائیوں کی ارتقا، زمانہ جاہلیت میں آگ جلانے کے واسطے فولاد کا ٹکڑا اور چقماق استعمال کرتے تھے۔ کچھ دنوں میں اس میں ترقی ہوئی اور رگڑ والی دیاسلائی ایجاد ہوئیں ان کو جان واکر ساکن اسٹاکٹن واقع انگلستان نے ایجاد کیا تھا یہ اس طریقہ سے بنائی جاتی ہے کہ لکڑی کے ٹکڑوں پر پوٹاشیم کلوریٹ انٹیمنی سلفائڈ کا آمیزہ لگایا جاتا تھا۔ اور ان کو دو شیشے کے کاغذوں کے درمیاں گھسا جاتا تھا۔ بعد ازاں فاسفورس نے آکر انٹیمنی سلفائڈ کی جگہ لے لی۔ اب موجودہ دور میں سفید فاسفورس کی جگہ لال فاسفورس اور سرخ یا تانبی فاسفورس نے لیلی ہے۔ بلکہ زیادہ تر فاسفورس سلفائڈ کو کام میں لاتے ہیں دیاسلائی کے سر پر فاسفورس سلفائڈ پوٹاشیم کلوریٹ مینگنیز ڈائی آکسائڈ آکسیڈانہ کے لئے شامل کیا جاتا ہے۔ اس میں سریش بندش کے واسطے ملائی جاتی ہے۔ رگڑ کے واسطے پسا ہوا شیشہ ملاتے ہیں زرد یا نیلا رنگ اس لئے شامل کیا جاتا ہے کہ یہ خوش گوار معلوم ہو۔۔۔ سیفٹی دیاسلائیوں کے سر میں پوٹاشیم کلوریٹ۔ پوٹاشیم ڈائکرومیٹ۔ ریڈلیڈ (سندور) انٹیمنی سلفائڈ اور کبھی کبھی گندک اور کوئلہ بھی ہوتا ہے۔ اور بکس کا رگڑ کا عدد پر۔ ان کے علاوہ لال فاسفورس بھی ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ آگے چل کر ان اجزائے ترکیبی میں بھی کوئی تبدیلی واقع ہو

اگرچہ فاسفورس زہریلی چیز ہے لیکن کوئی حیوان سے خالی نہیں ایک طرف تو وہ جان کے واسطے اس قدر مہلک ہے۔ تو دوسری طرف یہ ہے کہ بغیر اس کے کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا ایک آدمی میں تقریباً اتنا فاسفورس موجود ہوتا ہے۔ جتنا کہ ۸۰۰۰۰ میں صرف ہوتا ہے۔ اور اس میں سے صرف تین سلائی آدمی کے ہلاک کرنے کے واسطے کافی ہے۔ اس لحاظ سے ایک آدمی میں جس قدر فاسفورس نکلیگا وہ ڈہائی لاکھ آدمیوں کے مارنے کے واسطے کافی ہے۔ ہڈیوں میں یہ کیلسیم فاسفیٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ دماغ۔ رگوں وغیرہ میں اس کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور خلیہ کے اندر مرکز کی ساخت میں فاسفورس موجود ہے مادہ تولید تناسل میں اس کا بہت کچھ دخل ہے اس کی وجہ سے ہمارے سب کام چلتے ہیں۔ حیوان فاسفورس نباتات سے حاصل کرتے ہیں۔ تمام پھلوں۔ ترکاریوں اور غلہ جات میں یہ کافی مقدار میں موجود ہے نباتات اس کو زمین سے جذب کرتے ہیں لہذا زمین ہر ایک جاندار شئے کی مادر مشفق ہے ہر جاندار کے واسطے خواہ اس کا تعلق نباتات ہو یا حیوانات سے فاسفورس کا ہونا لازمی ہے زمین کی مرتفع حالی اور مرصع کاری کے واسطے یہ جزو خاص ہے۔ ایسی زمین جس میں فاسفورس نہ ہو کوئی پودا نہیں اگ سکتا۔ اگر کسی زمین یا چراگاہ میں نہ ہو تو وہ بنجر ویران ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ اس زمین میں اس کی کمی کو پورا نہ کر دیا جائے یہ بتایا جا چکا ہے کہ فاسفورس زمین میں ہے جب بارش ہوتی ہے۔ تو یہ حل ہوکر دریاؤں چشموں میں ہوتا ہوا سمندر میں پہونچتا ہے۔ اور وہاں اس کی مقدار بہت کافی ہو جاتی ہے۔ اس بحری پودے اس کو جذب کرتے ہیں ان بحری پودوں سے سمندری مچھلیاں اس کو جذب کرتی ہیں۔

جرمن کیمیا داں لیبگ نے یہ بات ثابت کی کہ یہ نباتات دسبزہ کے واسطے بہت ضروری شئے ہے اس وقت یہ عنصر زراعت میں بہت استعمال کیا جاتا ہے پسی ہوئی ہڈیوں کا جس میں زیادہ تر کیلسیم فاسفیٹ ہوتا ہے۔ بہت اچھا کھاد ہوتا ہے لیکن صرف ہڈیوں سے تمام ضرورت پوری نہیں ہو سکتی۔ جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو قدرت بھی اس کو کہیں نہ کہیں سے پیدا کرتی ہے جب اس عنصر کی ضرورت پیش آئی تو وہ چیزیں حاصل ہوگئیں۔ جن میں ان کی مقدار زیادہ ہے بہت عرصہ سے ایک خاص قسم کا کھاد استعمال کیا جا رہا ہے۔ جس کو گوانو کہتے ہیں۔ جنوبی امریکہ میں پیرو کے ساحلی حصہ پر کچھ جزائر ہیں جن پر بارش نہیں ہوتی ہے اور بالکل ویران ہیں ان جزائر پر لاکھوں بحری چڑیاں ایک عرصہ بغیر خوف وخطر یا بغیر آدمی یا درندہ کے ستائے ہوئے رہتی چلی آئی ہیں اپنی غذا سمندر کی مچھلیوں سے حاصل کرتی ہیں۔ ان جزائر پر ان پرندوں کی بیٹ جمع ہونا شروع ہوئی ہے۔ اور اس قدر زیادہ ہوگئی ہے کہ بعض جگہ ۱۰۰ فٹ موٹی تہہ بن گئی ہے۔ اس کھاد میں ۳۰ فیصدی کیلسیم فاسفیٹ ہے۔ اور دیگر ایسی اشیا ہیں جن میں نائٹروجن موجود ہے

اور جو نباتات کے واسطے بہت مفید ہیں۔ ان جگہوں کو کھود کر کھاد نکالا جاتا ہے اور دنیا کے مختلف حصوں میں بھیجا جاتا ہے۔ مگر ایک عرصہ کے بعد یہ بھی ختم ہونے لگے۔ تو لوگوں نے اور جگہیں تلاش کرنی شروع کیں اور اب قدرتی فاسفیٹ تلاش ہوگئے ہیں زیادہ تر فاسفورس جو انگلستان میں بنتا ہے وہ ایک کچھ دھات سمبرائٹ سے جو جزائر غرب الہند کے جزیرہ سامبریرو میں پایا جاتا ہے۔ حاصل ہوتا ہے علاوہ ازیں اسپین کے صوبہ اسٹرمیڈورا میں تقریباً خالص فاسفیٹ کے ذخائر ہیں۔ جن کو فاسفورائٹ کہتے ہیں۔ ان کچھ دھاتوں کو تاکہ وہ حل پذیر ہو جائیں۔ اور پودے آسانی سے ان کو کھا سکیں۔ گندھک کے تیزاب کے ساتھ حل پذیر کیا جاتا ہے۔ اس عمل سے وہ حل پذیر مالو کیلسیم فاسفیٹ میں حسب ذیل قاعدہ کے مطابق تبدیل ہو جاتا ہے۔

$$Ca_3(PO_4)_2 + 2H_2SO_4 = 2CaSO_4 + CaH_4(PO_4)_2$$

فاسفورس کی دوسری کچھ دھات اپیٹائٹ ہے جو که $(3Ca_3(PO_4)_2CaF_2)$ جس میں ۵۰ فیصدی عنصر فلورین بھی ہوتا ہے اس کا وہ حصہ جس میں فاسفورس کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ فوراً دبانے کے کام میں آتا ہے اس قسم کی فاسفورس کی ایک اور کچھ دھات ہے جس کو کلوراپیٹائٹ کہتے ہیں۔ اس میں بجائے فلورین کے کلورین ہوتی ہے۔

$$(3Ca_3(PO_4)_2CaCl_2)$$

ایک عرصہ سے مشہور ہے کہ انگلستان میں وہ زمین جس کو لوئر گرین سینڈ کہتے ہیں گیہوں کے واسطے بہت مشہور ہے۔ لیکن اس کے پاس اور زمین زرخیز نہیں یہاں زرخیز زمین کی ایک پتلی سی پٹی ہے۔ باقی زمین کاشت کے قابل ہی نہیں۔ تو ایک ہی جگہ اس فرق کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس کی وجہ اس وقت معلوم ہوئی۔ جب کہ ایک کسان ڈاکٹر ہنیسلو کے پاس کچھ متحجرات (فاسل) جو کہ اس زمین میں پائے گئے تھے۔ لایا۔ اس نے اس کو دیکھا۔ اور معلوم کیا کہ وہ ایسے متحجرات نہیں ہیں جن میں کیلسیم کاربونیٹ ہوتا ہے۔ بلکہ ان کی ساخت میں کیلسیم فاسفیٹ ہے۔ اس نے فوراً کسان سے کہا۔ کہ تم نے ایک خزانہ معلوم کر لیا ہے۔ جو کہ سونے کا خزانہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ غذاؤں کا خزانہ ہے۔ اگر تم کو وہ کافی مقدار میں مل گئے تو تم انگلستان کی زراعت کو بہت ترقی دے سکو گے۔ اور لڑائی کے زمانہ میں انگلستان بغیر دوسرے ملک کی محتاجی کے اپنی خوراک آپ پیدا کر سکے گا۔ دوسرے ممالک سے فاسفیٹ منگانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ اس کی نصیحت پر عمل کیا گیا اور اب کھاد کے واسطے وہاں سے فاسفیٹ کھود ے جاتے ہیں۔ ان کو پرلائٹ کہا جاتا ہے اور گرین سینڈ میں ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ ماہرین علم طبقات الارض کا خیال ہے کہ یہ کھاد ان مچھلیوں کا پاخانہ جمع ہو کر پیدا ہوا ہے۔ جو لاکھوں برس پہلے بحر لیاس میں موجود تھیں۔ یہ دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے۔ کوپراس جس کے معنی پاخانہ یا گوبر کے ہیں۔ اور لیتھاس یعنی پتھر۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انگلستان کے آر پار یہ زرخیز پٹیاں کیسے قائم ہوئیں۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ متحجرات ساحل کی طرف ڈھل کر آگئے ہوں۔ لیکن یہ کہ وہ کونسی بات ہوئی جس سے تمام جاندار مخلوق ختم ہو گئی ابھی تک معمہ ہے۔

قارئین اگر ذرا غور کریں تو عجب کیفیت پیدا ہوگی۔ فاسفورس جو کہ ہم گیہوں وغیرہ سے حاصل کرتے ہیں۔ جو کہ گیہوں نے کوپرولائٹ سے حاصل کیا۔ وہ کبھی زمانہ میں ان خوفناک مچھلیوں اور رینگنے والے جانوروں کا جزو تھا۔ جو کہ کروڑہا برس پہلے سمندر میں رہتے تھے۔ اور اب وہاں مر کر ختم ہو گئے اس واقعہ کو بہت عرصہ ہو گیا جب کا یہ قصہ ہے۔ اس وقت وہاں کوئی انسان نہ تھا اور نہ کوئی درندہ بلکہ انگلستان کا وجود بھی نہ تھا۔

فاسفورس کم مقدار میں ان جگہوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ جو کہ آتش فشانی ہوتی ہیں وہاں کی چٹانوں میں فاسفورس اپیٹائٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور تقریباً ۲۲ ر۔ مقدار میں پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے آتش فشانی زمین بہت زرخیز ہوتی ہے۔ آتش فشانی پہاڑ ان چٹانوں کو پگھلا کر باہر نکال دیتے ہیں۔ اور ان کی کئی انچ موٹی تہہ سیکڑوں میلوں کے گرد بچھ جاتی ہے شروع میں لاوا ٹھنڈا ہو کر۔ ٹھوس اور سخت ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بارش ہوتی ہے تو رفتہ رفتہ یہ چیز گھل کر عمدہ کھاد کی شکل میں تمام کھیتوں میں پھیل جاتی ہے۔ اس طریقہ سے آتش فشانی چٹانوں سے فاسفورس معمولی مٹی کی چٹانوں میں آ جاتا ہے۔ ان کے کیچڑ اور مٹی میں ان سے پودوں اور ان جانوروں میں جو ان پودوں کو کھاتے ہیں پہونچ جاتا ہے۔ اس طریقہ سے قدرت نے ہماری رگوں میں وہ چیز موجزن کر دی جو کبھی زمانہ میں آتش فشاں پہاڑوں کے گرد شعلہ کی شکل میں تھی۔

اب ہم فاسفورس کے بعض مرکبات کی بابت کچھ مختصراً بیان کریں گے فاسفین یہ فاسفورس ترشہ کے محلول کو گرم کرنے سے نکلتی ہے۔ یہ اس وقت

بھی بنتی ہے جب کہ الومونیم فاسفائڈ پر ہلکا یا ہوا گندک کا تیزاب ڈالا جائے یہ بخارات سے ہٹاؤ سے جیسے آکسیجن اور ہائیڈروجن وغیرہ جمع کی جاتی ہے۔ اسی طریقہ سے اس کو بھی شیشہ کی استوانیوں میں بھرا جاتا ہے۔ یہ گیس پانی میں حل پذیر نہیں ہے۔ کلورین گیس کی موجودگی میں فوراً جل اٹھتی ہے یہ بہت ہی جلنے والی گیس ہے۔ جلکر اس کے حاصلات پانی اور فاسفورس آکسائڈ بناتے ہیں اس گیس کی تیاری کا ایک طریقہ اور بھی ہے۔ یہ اس وقت بھی نکلتی ہے جبکہ گرم قلوی چیزوں پر فاسفورس عمل پذیر ہوں۔

فاسفورس آکسائڈ - یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ فاسفورس کا ہوا میں آہستہ آہستہ آکسڈانہ شروع ہوتا ہے یا جبکہ اس کو کم ہوا میں جلایا جاتا ہے۔ یہ سفید مومی قلمی ٹھوس شے ہے۔ بہت زہریلا مرکب ہے۔ پانی میں حل پذیر ہے۔ اور اس میں حل ہو کر فاسفورس ایسڈ بناتی ہے۔

فاسفورس پینٹا آکسائڈ - یہ ہوا یا آکسیجن میں فاسفورس کے جلنے سے تیار ہوتا ہے بڑے پیمانہ پر اس کو یوں بناتے ہیں کہ ایک استوانی پیتے ہیں جس کے پہلو میں ایک سوراخ ہوتا ہے۔ اور اس کا نچلا بالکل کھلا ہوا ہوتا ہے اس حصہ کو ایک قیف میں رکھتے ہیں اور قیف ایک صراحی پر رکھی ہوتی ہے استوانی کے سوراخ سے فاسفورس اندر داخل کرتے ہیں وہ جل کر نیچے جمع ہوتا رہتا ہے اس کے بعد اور فاسفورس داخل کیا جاتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً استوانی کو اٹھا بھی لیتے ہیں۔ تاکہ کچھ ہوا داخل ہوسکے۔ یہ سفید رنگ کا سفوف ہے۔ ہوا میں رکھنے سے نم ہو جاتا ہے۔ اور پانی میں پھینکنے سے شور مچاتا ہے جب اس کو پانی میں حل کیا جاتا ہے۔ تو فاسفورک ترشہ بنتا ہے۔ لیکن اگر اس کو پانی کے ساتھ جوش دیا جائے تو آرتھو فاسفورک ترشہ بنتا ہے۔

آرتھو فاسفورک ترشہ - اس کے بنانے کا یہ طریقہ ہے ۱۰۰ حصہ ہڈی کی راکھ کو ۹۶ حصہ گندک کے مرتکز تیزاب اور ۱۰۰ حصہ پانی میں حل کیا جاتا ہے۔ کیلسیم سلفیٹ جو بنتا ہے۔ اس کو چھان لیا جاتا ہے۔ اور محلول کے اڑا دینے سے یہ مرکب حاصل ہوتا ہے۔

معمل میں اس کو ایسے بناتے ہیں کہ ایک صراحی میں پانچ گرام فاسفورس لیتے ہیں۔ اور صراحی پر ایک سیدھا کنڈنسر یا مکثف لگاتے ہیں صراحی کو گرم کرتے جب فاسفورس حل ہو جاتا ہے۔ تو محلول کو ایک پلٹنیم کی پیالی میں خشک کر لیا جاتا ہے۔ اور اس پر نائٹرک ترشہ کے کچھ قطرات ڈالتے ہیں تاکہ فاسفورس ایسڈ اگر ہو تو آکسڈا جائے اس کے بعد اس کو خشک کر لیا جاتا ہے اور اس کے ثقل کو پانی میں حل کیا جاتا ہے۔ اور درجہ حرارت ۱۵۰ تک پہونچا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ٹھنڈے ہونے پر اس کی قلمیں بن جاتی ہیں۔ یہ پانی میں حل پذیر ہیں اثر میں ترشی ہوتی ہے۔ اس ترشہ سے تین قسم کے نمک حاصل ہوتے ہیں اولیں (پرائمری) دوئم (سیکنڈری) سوئم (ٹرشیری)، ان تینوں کی پہچان یہ ہے کہ اولیں ترشی ہوتی ہیں۔ اور سوئم قلوی لیکن دوئم تعدیلی ہوتے ہیں۔ اولیں میں صرف ایک ہائیڈروجن کا جوہر آرتھو فاسفورک ترشہ سے علیحدہ ہوتا ہے اور دوئم میں دو اور سوئم میں تینوں جوہر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔

فاسفورس سلفائڈ - اگر فاسفورس اور گندک کو ایک ڈھلی کاگ لگی ہوئی صراحی میں گرم کیا جائے۔ تو یہ مرکب حاصل ہوتا ہے۔

فاسفورس ٹرائی کلورائڈ - یہ اس وقت بنتا ہے۔ جبکہ لال فاسفورس پر خشک کی ہوئی کلورین گیس گذاری جاتی ہے۔ یہ ہوا میں دخان پذیر ہے۔ سیال شے ہے۔ بالکل بند کی ہوئی بوتلوں میں رکھا جاتا ہے اس کی بو بہت تیز ہوتی ہے۔

فاسفورس پینٹا کلورائڈ - اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک بڑی صراحی لو۔ اس کو برتن میں رکھ کر ٹھنڈا کرو اس میں ایک قیف کے ذریعہ فاسفورس ٹرائی کلورائڈ ڈالو اور اس پر خشک کلورین گیس گذارو یہ سبزی مائل سفید رنگ کا مرکب ہے۔

یہ تمام داستان فاسفورس کی ہے۔ اگر آپ اس کے جوہر کا اندازہ کریں۔ تو حیرت میں رہ جائیں۔ یہ اس قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ کہ ہمارا آلۂ بصارت اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ اگر اس کے ایک کروڑ حصہ ایک جگہ جمع کئے جائیں۔ تو انگلی کے ناخن سے زیادہ جگہ نہ گھیر سکیں گے۔ اس قدر چھوٹی چیز کا قصہ کس قدر دلچسپ ہے۔ اگر اس کے قصہ پر غور کیا جائے۔ تو اس کے واقعات اور بھی دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ اب میں فاسفورس کی تخلیق اور اس کے بعد کے مراحل کی بابت بیان کرونگا۔ قصہ اس طرز میں ہوگا کہ فاسفورس کی کہانی فاسفورس کی زبانی۔

باقی آیندہ

کوائف جامعہ

سالانہ اسپورٹس (کھیل کود) کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ غالبًا ایک ہفتہ کے اندر اندر تقسیمِ انعامات کا جلسہ بھی ہو جائے گا۔ جناب کیلاٹ صاحب اور اراکین کھیل کمیٹی سخت محنت کر رہے ہیں۔ پرسوں سے ابتدائی مقابلے شروع ہو جائیں گے۔ لڑکے بھی برابر صبح و شام مختلف کھیلوں کی مشق کرتے ہیں

انجمن اتحاد کے زیرِ اہتمام جمعرات کو ایک جلسہ ہوا جس میں مضمون زیرِ بحث یہ تھا کہ مخلوط انتخاب مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید ہے۔ مخالفت اور موافقت میں زبردست تقریریں ہوئیں۔ آخر میں رائے لینے پر مضمون منظور ہوا۔

پیام بھائیوں کو یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا پورا کتب خانہ جامعہ کو دے دیا ہے۔ اب اس کتب خانے کی ساری کتابیں جامعہ کے کتب خانے میں آ رہی ہیں۔ چند دنوں میں فہرست بھی تیار ہو جائے گی۔

جناب شفیق الرحمٰن صاحب، خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب جامعہ واپس تشریف لے آئے ہیں اور اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئے ہیں طلبائے جامعہ جو اس تحریک کے سلسلے میں علٰحدہ ہو گئے تھے وہ بھی واپس آ گئے ہیں اور تعلیم میں مشغول ہیں۔

بزمِ ادب بشیر منزل میں مولانا حالی کے بعد علامہ اقبال کے کلام پر بیت بازی کا جلسہ ہوا جو کسی طرح پہلی دفعہ سے کم نہ تھا۔ فریقین کی طرف سے خوب دادِ ذہانت دی گئی۔ ذوقِ سلیم رکھنے والوں کے لئے اس جلسے میں کافی سامانِ لطف اندوزی موجود تھا۔

دوسرے ہفتے قصہ گوئی کا انعامی مقابلہ ہوا جس میں محمد طیب متعلم ثانوی دوم اور محمد عرفان متعلم ابتدائی پنجم کو بالترتیب مستحقِ انعام قرار دیا گیا۔

۱۰ر اپریل کے جلسے میں عبد الملک متعلم ابتدائی ششم نے "آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی" پر ایک مفصل تقریر کی جس میں مسلم کانفرنس کی تاریخ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی تھی۔ حسن مہدی متعلم ثانوی دوم نے بھی اسی عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

جنگل کا دیوتا

(محمد اسلم صاحب ارشد (ہزاروی)

(۱)

عرصہ دراز کا ذکر ہے کہ ایک ہندوستانی بادشاہ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک کا نام کونتی اور دوسری کا مدری تھا۔ کونتی کے تین بیٹے تھے اور مدری کے دو بیٹے تھے۔ شومئی قسمت سے اُن کو جلاوطن ہونا پڑا اور وہ تیرہ سال تک جلاوطن رہے اور ان کو اس عرصے میں اپنے ملک کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

یہ پانچوں شہزادے دشمنوں سے بچنے کے لئے جنگلوں میں پھرتے تھے ایک دن اُن کا گزر دکن کے ایسے جنگلوں میں سے ہوا کہ اُن کے درخت بہت اونچے اونچے تھے اور اُن کا سایہ اتنا تھا کہ جنگل میں چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہرن اِدھر اُدھر دوڑ رہے تھے اور ریچھ جھاڑیوں میں پھر رہے تھے۔ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور قسم قسم کے پرندے اِدھر اُدھر اُڑ رہے تھے۔

چونکہ گرمی کا موسم تھا اور شہزادے تھکے ہوئے تھے اس لئے ان کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ مگر وہاں ان کو پانی کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ یدھشٹر ان سب کا بڑا بھائی اور ولیعہد سلطنت تھا۔

یدھشٹر نے اپنے سوتیلے بھائی نیکولا سے کہا کہ "تم کسی اونچے درخت پر چڑھو اور اِدھر اُدھر دیکھو کہ اگر کہیں گیلی زمین پر کوئی درخت اُگا ہوا ہو اُس کے قریب ہی پانی ہوگا۔ تب نیکولا جو کہ سادیو کا سگا بھائی تھا درخت پر چڑھا اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد اوپر سے آواز دی کہ میں نے پانی کا نشان پالیا ہے اور وہاں سے سارس کے چلانے کی آواز بھی آرہی ہے۔"

یدھشٹر نے کہا "نیکولا جلدی کرو اور اپنا ترکش لے کر جاؤ اور اس جوہڑ سے پانی بھر لاؤ" تب نیکولا درخت سے اُترا اور ترکش لے کر جوہڑ پر گیا۔ جوہڑ میں چاندی سا سفید پانی لہرا رہا تھا اور کناروں پر سارس پھر رہے تھے۔ جن کی ٹانگیں اور گردنیں لمبی تھیں اور اُن کی آنکھیں چمکیلی اور متجسس تھیں اور اُن کے سروں پر سرخ کلغیاں تھیں۔

نیکولا نے سارسوں کا خیال نہ کرتے ہوئے اُس نے فوراً جھک کر پانی پینا ہی چاہا۔ "ٹھہرو! ٹھہرو! اے جوان لڑکے ٹھہرو!" ایک آواز نے چلا کر کہا "تم اس وقت تک پانی نہیں پی سکتے جب تک تم اس جوہڑ کے اصولوں پر کاربند نہ ہو جاؤ اور جب تک میرے سوالات کا جواب نہ دو پہلے جواب دو اور پھر ترکش بھرو۔"

نیکولا نے آواز کی طرف توجہ نہ کی اور پانی پینا شروع کیا مگر لمحہ بھر میں نیکولا نے جان دے دی۔ سارس پانی میں پھر رہے ہیں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں اور خرگوش اور ہرن جنگل میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں اور مردہ شہزادہ ہاتھ میں ترکش لئے جوہڑ کے کنارے پڑا ہے اور اس کے پیاسے بھائی اُس کے انتظار میں وقت کاٹ رہے ہیں۔

یدھشٹر نے بہت انتظار کے بعد سادیو سے کہا کہ "ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے میں نہیں جانتا کہ نیکولا نے کیوں دیر لگائی۔ جاؤ اور ہمارے لئے جلدی پانی لاؤ کیونکہ ہم پیاس کی وجہ سے بیدم ہو رہے ہیں اور چل پھر نہیں سکتے۔"

جب سادیو جوہڑ پر پہنچا اور اس نے جب اپنے بھائی کو مردہ پایا تو وہ بہت غمگین ہوا۔ سادیو کو اتنی سخت پیاس لگی ہوئی تھی کہ وہ کھڑا بھی نہیں ہو سکتا تھا اس لئے وہ پانی پینے کے لئے جھکا ہی تھا کہ آواز آئی "ٹھہرو! تم پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں لے سکتے جبتک کہ تم میرے سوالات کا جواب نہ دو ورنہ تمھیں موت کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔" شہزادے نے کچھ جواب نہ دیا اور پانی پیا اور مر گیا۔

دونوں شہزادے جو کہ مدری کے بیٹے تھے پہلو بہ پہلو پڑے ہوئے تھے اور جنگلی ریچھ جھاڑیوں میں خوراک کی تلاش میں پھر رہے تھے اور شیر مچھلی شکار کا نعرہ لگا رہے تھے اور پانچ بھائیوں میں سے دو بھائی بے حس و حرکت زمین پر پڑے تھے اور تین بھائی اُن کے انتظار میں گھڑیاں گن رہے تھے۔

یدھشٹر نے کہا "اے ارجنا کیا تم اتنی طاقت رکھتے ہو کہ ہمارے لئے جا کر پانی لاؤ؟ ہم پیاس کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں اے ارجنا جلدی کرو جلدی!"

ارجنا دوڑتا ہوا جوہڑ پر گیا مگر جب ارجنا نے اپنے دو بھائی مردہ پائے

تو وہ بہت غمگین ہوا اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر جھاڑیوں میں ادھر اُدھر چلانے لگا تاکہ معلوم کرے کہ ان مقتولوں کا قاتل کون ہے؟ لیکن اسے وہاں کوئی دکھائی نہ دیا۔ اس کو اتنی سخت پیاس لگی ہوئی تھی کہ وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ پانی پینے کے لئے جوہڑ پر جھک گیا۔ جونہی کہ ارجنا جھکا آواز آئی۔

"دور ہو جاؤ! جب تک تم میرے سوالات کا جواب نہ دو پانی کو مت چھوؤ! نہیں تو مر جاؤ گے"

"اے شیطان آدمی تو کون ہے" ارجنا نے کہا اور پھر تیر ادھر اُدھر مارے مگر کوئی آدمی دکھائی نہ دیا۔

"آہا! آہا!! تو مجھے زخمی نہیں کر سکتا" آواز آئی "اگر جینا ہے تو میرے سوالات کا جواب دے" مگر ارجنا نے پیاسا ہونے کے سبب اس آواز کی طرف کان نہ لگائے اور پانی پینے لگا اور جب پانی پی چکا تو اپنے دو بھائیوں کے ساتھ میٹھی نیند سو گیا۔ اب تین بھائی جوہڑ کے کنارے پہلو میٹھی نیند سو رہے ہیں اور دو بھائی انتظار کر رہے ہیں۔

یدھشٹر نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا "افسوس! وہ ابتک نہیں آئے شاید کوئی واقعہ پیش ہو گیا! یا وہ چلنے سے معذور ہوں۔ کیا اچھا ہو تم میں اتنی ہمت ہو کہ تم جاؤ اور پانی بھر لاؤ" بھیما اٹھا اور آہستہ آہستہ جوہڑ کی طرف چلا جب اس نے جوہڑ پر تین جوانوں کو مردہ پایا تو اس کا دل سخت غمگین ہوا مگر اس کا حلق خشک تھا اور وہ وہاں آنسو بہانے کے لئے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر جونہی کہ اس نے جھک کر پانی پینا چاہا ایک آواز نے اس کو چوکنا کر دیا۔

"پانی مت پیو۔ تمہارے ہونٹ تب تک پانی کو نہ چھونے پائیں کہ جب تک تم میرے سوالات کا جواب نہ دو۔ نہیں تو تمھیں بھی آخری سانس لینا پڑے گا" مگر بھیما نے آواز کی طرف توجہ ہی نہ کی اور پانی پیا اور اپنے تین بھائیوں کے پاس میٹھی نیند سو گیا۔

(۲)

تمام جنگل سنسان پڑا ہے۔ مگر شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی آواز سنائی دیتی تھی اور یدھشٹر اکیلا بھائیوں کا انتظار کر رہا تھا اور سخت پیاسا تھا بہت انتظار کے بعد اٹھا اور آہستہ آہستہ جوہڑ کی طرف روانہ ہوا۔

جب وہ جوہڑ پر پہنچا اور اپنے چار بھائیوں کو جوہڑ کے کنارے پڑا دیکھ کر بہت غمگین ہوا اور دشمن کو دیکھنے کے لئے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تب وہ جونہی پانی پینے کے لئے جھکا، آواز آئی "ٹھہرو ٹھہرو! جب تک تم سوالات کا جواب نہ دو گے پانی نہیں پی سکتے ورنہ موت تمھیں بھی اپنے آغوش میں لے لے گی۔ ہم بوڑھے سارس اس جوہڑ پر حکمراں ہیں اور میں تجھے پانی پینے سے منع کرتا ہوں"

یدھشٹر نے کہا "کوئی سارس طاقت نہیں رکھتا۔ بلکہ تو دنیا کی کوئی اور ہستی ہے یا اس جنگل کا شہزور دیوتا ہے اور جیسے تو دیوتا ہے ایسے ہی میں بھی جنگل کا شہزور دیوتا ہوں۔

سارس نے کہا "تمہارا یہ کہنا بجا ہے کہ میں جنگل کا دیوتا ہوں لیکن میرے الفاظ ذرا کان لگا کر سن لو کہ تم پانی نہیں پی سکتے"

یدھشٹر نے کہا اپنے سوالات بیان کر۔

پھر سارس نے بہت سے سوالات یدھشٹر سے کئے جن میں سے چھ سوال ذیل میں دئے جاتے ہیں:-

سارس۔ "ایک آدمی کیسے عقلمندی حاصل کر سکتا ہے؟"

یدھشٹر۔ "مقدس کتابیں پڑھنے سے"

سارس۔ "وہ کون ہے جو اچھا کھاتا اور اچھا پہنتا تو ہے مگر دو غریب ہے؟"

یدھشٹر۔ "وہ آدمی جو مال و زر بہت رکھتا ہو مگر غریبوں کو خیرات نہ دیتا ہو"

سارس۔ "وہ کونسی چیز ہے جو دنیا سے بھاری اور بادلوں سے اونچی ہے"

یدھشٹر۔ "ماں باپ کی فرمانبرداری اور اُن سے محبت کرنا"

سارس۔ "وہ کونسی چیز ہے جس کی آنکھیں کبھی بند نہیں ہوتیں"

یدھشٹر۔ "مچھلی کی آنکھیں"

سارس۔ "وہ کونسی چیز ہے جو آدمی کو خوش رکھ سکتی ہے؟"

یدھشٹر۔ "سچ بولنا اور غریبوں و محتاجوں پر مہربانی کرنا"

سارس۔ "آدمی کیسے ایک سچا برہمن بن سکتا ہے؟"

یدھشٹر۔ "نہ مقدس کتب کے گیت گانے سے اور نہ بہت عبادت سے بلکہ نیک کام کرنے سے اور سادہ و پاکیزہ زندگی بسر کرنے سے آدمی ایک سچا پارسا بن سکتا ہے۔"

ان سوالات کے علاوہ یدھشٹر نے بہت سے سوالوں کا جواب بالکل ٹھیک دیا۔ جوہڑ کے دیوتا (سارس) نے پھر کہا "تمہارے جوابات سے میرا دل بہت خوش ہوا ہے۔ اب تم بخوشی پانی پی سکتے ہو" تب یدھشٹر (باقی ملاحظہ فرمائیے)

گونگی شہزادی

(محمد عمران متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ)

کسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک شہر میں ایک بوڑھی عورت رہتی تھی اس کا ایک بیٹا تھا لیکن وہ کسی قدر بیوقوف تھا۔ عمر اس کی کافی ہو چکی تھی لیکن وہ کسی کام سے واقف نہ تھا۔ اس کی بوڑھی ماں کمائی کرتی تھی اور لڑکے کو کھلاتی تھی جب وہ مجبور ہو گئی کہ یہ تو کچھ کرتا ہی نہیں ہے اس کا تمام بار مجھے ہی اٹھانا پڑتا ہے تو اس نے ایک دن لڑکے سے کہا۔ میں اب تجھے کھانا نہ دوں گی اگر کھانا ہے، تو جا کچھ کما کر لا وہ لڑکا بہت پریشان ہوا اور گھر سے نکل کھڑا ہوا۔

وہ ایک کھیت میں پہنچا وہاں دیکھا کہ ایک کسان کھیت جوت رہا ہے اس نے اس سے کہا بھئی کچھ کام مجھے دو گے اس نے کہا ہاں میں اپنے گھر جاتا ہوں تم شام تک کھیت جوتو۔ پھر شام کو آکر مزدوری لے جانا۔ اس نے کہا اچھا۔

وہ شام تک کھیت جوتتا رہا۔ جب جوت چکا تو کسان کے پاس گیا اور کہا کہ میری مزدوری دو، اس نے ایک ٹوکری چنوں کی دی۔ وہ جانتا نہیں تھا کہ ٹوکری کس طرح لے جاتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے کبھی اس نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ اس نے کیا کیا ٹوکری کو گھسیٹنا شروع کیا جب گھر تک پہنچا تو تمام چنے ضائع ہو چکے تھے۔ جب اس کی ماں کو معلوم ہوا تو وہ بہت خفا ہوئی اور کہا کہ ٹوکری کو سر پر اٹھا کر لاتے ہیں اس طرح گھسیٹ کر نہیں لاتے۔

دوسرے دن وہ کمانے گیا۔ اس دن وہ ایک گوالے کے پاس گیا جو گائیں چرا رہا تھا، گوالے نے گائیں لڑکے کو دے دیں اور کہا شام تک چراؤ پھر تمھیں مزدوری مل جائے گی۔

وہ شام تک چراتا رہا پھر مزدوری لینے گیا۔ اس نے ایک دونے میں مکھن دیا آپ نے اپنی ماں کے کہنے کے مطابق اس کو سر پر رکھ لیا اور گھر روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ چلتا تھا تو اس کا سر ہلتا تھا جس کی وجہ سے مکھن کی ڈلیاں نیچے گر پڑتی تھیں وہ بار بار اٹھا کر سر پر رکھ لیتا لیکن وہ پھر گر پڑتیں یہاں تک کہ وہ گھر پہنچنے تک تمام گرد و غبار میں لت پت ہو گئیں۔ اس کی ماں نے دیکھا تو کہا ارے کمبخت اس کو سر پر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کو ہاتھ میں دبا کر لاتے ہیں تو وہ کہنے لگا تم نے ہی تو کل کہا تھا کہ سر پر رکھ لانا۔

خیر دوسرے دن بھی وہ کمانے گیا۔ آج وہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک امیر ملا اس نے امیر سے کہا مجھے تم کچھ کام دو گے وہ کہنے لگا، چلو میرے ساتھ گھر چلو۔ یہ ساتھ ساتھ ہو لیا جب گھر پہنچے تو امیر اسے اپنے باغ میں لے گیا اور کہا دیکھو یہ خرگوش یہاں کھیل رہے ہیں تم شام تک ان کی نگہداشت کرنا کہ یہ کہیں جانے نہ پائیں اور شام کو سب کو پکڑ کر اس الماری میں بند کر دینا پھر تمہیں مزدوری مل جائے گی۔

وہ شام تک ان کو دیکھتا رہا اور کسی خرگوش کو کہیں جانے نہ دیا پھر سب کو پکڑ کر الماری میں بند کر دیا۔ بعد میں وہ امیر کے پاس گیا اور کہا کہ مزدوری دو۔ امیر الماری کے پاس آیا اور سب خرگوشوں کو گنا سب پورے تھے تو اس نے ایک خرگوش پکڑ کر اس کو دے دیا۔ یہ اس کو لے کر روانہ ہوا جس طرح کہ اس کی ماں نے کہا تھا کہ ہاتھ میں دبا کر لانا چاہئے اس نے خرگوش کو اسی طرح ہاتھ میں دبانا چاہا تو خرگوش کو تکلیف ہوئی اور وہ اس کے زور سے کاٹ کر بھاگ گیا۔

یہ ماں کے پاس آیا اور تمام حال بیان کیا اس نے کہا کہ اس کو گود میں آرام سے لانا چاہئے تھا۔ آئندہ خیال رکھنا۔

وہ دوسرے دن پھر کمانے گیا آج وہ ایک کمہار کے پاس گیا کمہار نے اس سے کہا کہ تم دن بھر میرے گدھے چراؤ شام کو میں تمھیں مزدوری دوں گا۔

شام تک وہ گدھے چراتا رہا۔ اور پھر سب گدھے لا کر کمہار کو واپس کر دئے اور کہا مزدوری لاؤ اس نے اس کو ایک گدھا دے دیا۔

اس نے ماں کے کہنے کے مطابق اس کو گود میں اٹھایا اور روانہ ہوا لیکن راستے میں گدھا گر پڑتا تھا اور وہ اس کو پھر اٹھا لیتا تھا۔ الغرض یہ کہ یہ اسی طرح گدھے کو اٹھاتا گراتا بادشاہ کے محل کے سامنے سے گزرا۔ اس بادشاہ کی

لڑکی گونگی ہوگئی تھی حکیموں نے بتایا تھا کہ اگر شہزادی ہنس دے تو وہ اچھی ہو جائے گی لیکن وہ کسی طرح ہنستی ہی نہ تھی بادشاہ نے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص شہزادی کو ہنسا دے گا اس کی شادی شہزادی سے کر دوں گا اور آدھی سلطنت دیدوں گا۔ لوگوں نے ہنسانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی طرح نہ ہنسی۔

آج شہزادی دریچہ میں بیٹھی ہوئی تھی اس نے جو بڑھیا کے لڑکے کو اس طرح گدھے کو چڑھاتے اتارتے دیکھا تو اسے بے اختیار ہنسی آگئی اور وہ بات کرنے لگی بادشاہ کو خبر ہوئی تو اس نے پیادوں کو دوڑایا کہ جاؤ اس لڑکے کو پکڑ لاؤ جب لڑکے نے لوگوں کو آتے دیکھا تو گھبرا کر گدھے کو چھوڑ کر بھاگنے لگا لیکن ان لوگوں نے پکڑ ہی لیا اور بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو غسل کراؤ اور اچھی پوشاک پہناؤ۔

درباریوں نے جلد جلد اس کو غسل کرایا اور عمدہ پوشاک پہنا کر بادشاہ کے پاس حاضر کیا بادشاہ نے خوب دھوم دھام سے شہزادی کے ساتھ اس کی شادی کر دی اور آدھی سلطنت دے دی۔ لڑکے نے ایک نیا محل بنوایا اور اس میں اپنی ماں کو بھی بلا لیا اور بقیہ اپنی زندگی نہایت عیش و آرام سے گزاری جب بادشاہ مر گیا تو یہی پوری سلطنت کا مالک ہو گیا۔

باورچن کی چالاکی

(محمد شوکت علی خاں متعلم جامعہ ملیہ اسلامیہ)

کسی زمانے میں ایک رئیس تھے۔ ان کے یہاں ایک باورچن تھی جو گھر کا تمام کام کرتی تھی رئیس صاحب اس کو پانچ روپیہ مہینہ دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رئیس نے اپنے تین دوستوں کی دعوت کی۔ بازار سے ایک مرغی خرید لائے۔ گھر آکر باورچن کو یہ ہدایت کی کہ چار کباب تیار کرے میں ابھی آتا ہوں۔ باورچن نے مرغی ذبح کی اور بھون کر کباب تیار کئے جب کباب تیار ہو گئے تو باورچن نے سوچا کہ ذرا چکھ کر تو دیکھوں کہ کیسے بنے ہیں اس نے ایک کباب کا ذرا سا حصہ توڑ کر کھایا کباب مزے کے تھے باورچن نے چکھتے چکھتے سب ہضم کر لئے۔ اتنے میں رئیس تشریف لائے اور کہا میں دسترخوان بچھاتا ہوں تو کباب اور اس کے ساتھ تمام چیزیں لے آ لیکن چھری ضرور لیتی آنا تا کہ میں اسے تیز کر لوں اور کباب توڑنے کی تکلیف نہ ہو یہ کہہ کر رئیس صاحب اندر تشریف لے گئے ادھر دوستوں نے دروازہ کھٹکھٹایا اب باورچن کو بڑی فکر ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ آخر اس نے ایک ترکیب سوچی یعنی تمام چیزیں پہنچا دیں اور چھری بھی۔ . . . . رئیس نے کہا کباب کہاں ہیں باورچن نے کہا ابھی لاتی ہوں باورچن باہر چلی گئی اور رئیس چھری تیز کرنے لگے۔ باورچن نے باہر جا کر رئیس کے دوستوں سے کہا کہ اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ دیکھو میرا مالک چھری تیز کر رہا ہے وہ تمہارے کان کاٹ لے گا رئیس کے دوستوں نے جو جھانک کر دیکھا تو واقعی وہ چھری تیز کر رہا تھا یہ دیکھ کر وہ بھاگے۔ باورچن دوڑی ہوئی رئیس کے پاس گئی اور کہا کہ میں کباب لا رہی تھی کہ تمہارے دوست آ گئے اور کباب لے کر بھاگ گئے ہیں اگر تم کو یقین نہ ہو باہر جا کر دیکھ لو۔ رئیس نے باہر جا کر دیکھا تو واقعی وہ بھاگ رہے تھے یہ دیکھ کر رئیس بھی چھری ہاتھ میں لے کر ان کے پیچھے دوڑا اور چلایا بس ایک چاہئے وہ یہ سمجھے کہ ایک کان مانگ رہا ہے۔ وہ یہ سن کر اور تیز دوڑے اور لوٹ کر بھی نہ دیکھا۔

(طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی۔ ایڈیٹر، مسئول ادارہ)